امامت اور ائمہ معصومینؑ کی عصمت قرآن مجید کی روشنی میں

رضا کاردان

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

مجمع جہانی اہل البیت علیہم السلام

فہرست مطالب

عرض ناشر

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ ونکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کا فور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔ اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کی تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں ،وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کے بے توجہی اورناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کاشکار ہوکراپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکارو نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و

نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیاہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن او رمکتب اہل بیت علیہ السلام کی طرف اٹھی او رگڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکر و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اوردوستداران اسلام سے اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کازمانہ ہے اورجو مکتب بھی تبلیغ او رنشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیاتک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایاہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر اندازسے اپنا فریضہ ادا کرے، تا کہ موجود دنیا ئے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت ۔

و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچا دی جائے تو اخلاق وانسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواراں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققیں و مصنفیں کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفیں و مترجمیں کا ادنی خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب

اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل مولف رضا کاردان کی گرانقدر کتاب ''قرآن مجید کی روشنی میں امامت اورائمہ علیہم السلام کی عصمت''کو فاضل جلیل مولانا سید قلبی حسین رضوی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیاہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں،اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں او رمعاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنی جہاد رضائے مولی کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

پیش لفظ

امامت کے بارے میں دو مشخص نظریے ہیں ۔پہلا نظریہ: جمہور یعنی اہل سنّت کا ہے،جو معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو اپنے بعد،اپنے جانشین کے طورپر معرفی نہیں کیاہے اور یہ امت کی ذمہ داری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے جانشین کو منتخب کریں۔دوسرا نظریہ :شیعہ امامیہ کا نظریہ ہے کہ وہ امامت کوخدا کی طرف سے منصوب اور معین جانتے ہیں او عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور امام کو نصب اور پیغمبر کے مانند معین کرنا خدائے متعال کی ذمہ داری ہے۔شیعوں کے پاس اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ،عقل،کتاب و سنّت کے حوالے سے بہت سے قطعی دلائل موجود ہیں ،جو کلام،تفسیر اور احادیث کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔اس مقدمہ میں شیعوں کے عقلی نظریہ کواس مسئلہ کے بارے میں عقل کے حکم کے مطابق واضح کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں وہ انسان کی فطری تحقیق اورغور وخوض کا نتیجہ ہے:۱۔ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک لافانی دین ہے،جو ہرزمانہ کے تمام لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے۔

۲۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے،اس دین مبین کی تبلیغ اور ترقی کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی اور اپنے تمام وسائل سے کام لیا اوراس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک غیر معمولی اور ناقابل توصیف ایثاروجانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے کی۔چنانچہ یہ مضمون کئی آیات میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ایمان کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے نکلتے تھے:(لعلک باخع نفسک ان لایکونوا مؤمنین[1]) ''کیاآپ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیں

[1] شعراء،۳

گے اس لئے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے ہیں۔ ''(فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا)[1] ''توکیاآپ شدت افسوس سے ان کے پیچھے اپنی جان خطرے میں ڈال دیں گے اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے۔

۳۔اس راہ میں بہترین اورباعظمت انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے قربانی دے کر شہادت کا جام نوش کیاہے۔

۴۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،انسانوں کی سعادت کے لئے مختلف ابعادمیں جوکچھ مؤثر جانتے تھے ان کے لئے بیان فرماتے تھے،شیعہ اورسنّی کے فقہی فروعات اور جزئی مسائل کے بارے میں احادیث اوراسلامی فقہ کی کتابوں میں جوکچھ وارد ہوا ہے وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

۵۔پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی حالت میں رحلت فرمائی کہ ابھی اسلام حجاز کے تمام حدودتک بھی نہیں پھیلاتھا،چہ جائے کہ اس پیغام و شریعت کی دنیا بھرمیں رسائی ہوتی۔

۶۔ایسی طاقتیں موجود تھیں کہ جن کی طرف سے اسلام کے وجوداوراس کی تبلیغ و بقاء کے لئے خطرہ کا احساس کیا جاتا تھا،بالخصوص اس لئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اورانہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو نہ صرف قبول نہیں کیا تھا،بلکہ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں نامناسب رد عمل کا اظہار بھی کیا،جیسے کہ ایران کے بادشاہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ہی پھاڑ ڈالا۔

۷۔اس قسم کی طاقتوں کا سرکچلنے اور انھیں زیر کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی ایک طاقتور فوج اور قطعی وفیصلہ کن رہبری کی ضرورت تھی۔

---

[1] کہف،۶

۸۔اقتدارپرستی اور جاہ طلبی انسان کے باطنی امور کا ایک ایسا مسئلہ ہے،کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اصحاب بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے مسلمان ،جوآپ سے بے پناہ عشق و محبت کرتے تھے،لیکن اس کے باوجود ان میں بھی بہت سے ایسے افراد موجود تھے جن کے وجود کی گہرائیوں میں پوری طرح اسلام نفوذ نہیں کر چکا تھااورا ب بھی جاہلیت کے رسم و رواج نیز،قومی اور خاندانی تعصبات کی حکومت ان کے وجود پر سایہ فگن تھی اور ہر آن یہ خطرہ لاحق تھاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت کی لالچ میں وہ ایک دوسرے سے بر سرپیکار ہو جائیں۔چنانچہ بعض احادیث میںآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ: ''میں اپنے بعد تمہارے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتا ہوں لیکن اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ تم لوگ امور دنیا کے لئے ایک دوسرے کی رقابت کروگے[۱]۔''

۹۔ایسے منافقین بھی موجود تھے جو ہمیشہ اسلام و مسلمین کے خلاف سازشوں میں مشغول رہتے تھے اور اس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے،لہذا یہ خطرہ موجود تھاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ لوگ اسلامی خلافت میں نفوذ کریں اورشائد ان منافقین کا ایک گروہ ابتداء اسلام ہی سے اسی لالچ کی بناء پر دعوت اسلام قبول کئے ہوئے تھا۔

ہم تاریخ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبائل کے بعض سردار،پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انھیں اسلام کی دعوت دینے پر شرط رکھتے تھے کو آئندہ اسلامی حکومت میں ان کے کردار کو ملحوظ نظر رکھا جائے:سیرۂ ابن ہشام میں یوں نقل ہوا ہے: ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،بنی عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں خدائے عزّو جل کی طرف دعوت دی اور اپنا تعارف کرایا۔ ان میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں کہا '':أرأیت ان نحن بایعناک علی امرک ثم اظھرک اللہ علی من خالفک ایکون لنا الامر من بعدک؟ قال: الامر الی اللہ یضعہ کیف یشاء[۲]''اگر ہم آپؐ کی بیعت لیں اور آپ کی دعوت پر لبیک کہیں تو کیا آپؐاپنے مخالفین

---

[۱] صحیح بخاری،ج۴،باب فی الحوض،ص۱۴۲،دارلمعرفتہ،بیروت

[۲] سیرۂ ابن ہشام،ج۲،ص۴۲۵،داراحیاء التراث العربی بیروت،الروض الانف ،۴،ص۱۳۸،السیرۃالنبویۃ،سید احمدزینی دحلان،ج ۱،ص۲۸۳،داراحیاء التراث العربی ،بیروت۔

پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اپنی خلافت کے اختتام پر خلافت کی بھاگ ڈور ہمیں سپرد کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: اس کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے اس عہدہ پر مقرر کرے گا۔''

۱۰۔ یہ قضیہ ثابت شدہ اور مسلّم فطری امر ہے کہ جو بھی چند افراد کے امور کی زمام ہاتھ میں لئے ہو، انھیں سرپرست کے بغیر نہیں چھوڑتا ہے، حتی اگر اس کے تحت نظر بھیڑ بکریاں بھی ہوں، تو وہ انھیں بھی بے سرپرست نہیں چھوڑتا ہے۔ جب خلیفہ دوم اپنی زندگی کے آخری لمحات بسر کر رہے تھے تو عبد اللہ بن عمر نے ان سے کہا '': ان الناس یتحدثون انک غیر مستخلف و لو کان لک راعیابل اوراعی غنم ثمّ جاء و ترک رعیتہ رأیت ان قد فرّط و رعیتالناس اشد من رعیہ الابل والغنم ماذا تقول اللہ عزّوجل اذ لقیتہ ولم تستخلف علی عبادہ[1] ''، لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنا جانشین مقرر نہیں کر رہے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک اونٹوں نیز بھیڑ بکریوں کیلئے کوئی نہ کوئی ساربان اور چرواہا ہوتا اور وہ مویشوں کو چھوڑ کر چلا جاتا تو آپ اسے قصوروار ٹھراتے۔

اور یہ بات مسلّم ہے کہ لوگوں کا خیال رکھنا اونٹ اور بھیڑ کی حفاظت و رکھوالی سے زیادہ اہم ہے۔ جب خدا کے بندوں کے لئے کسی جانشین کو مقرر کئے بغیر آپ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو آپ اپنے خدائے متعال کو کیا جواب دیں گے؟'' ام المومنین عائشہ بھی اس قضیہ سے استناد کرتے ہوئے ابن عمر سے کہتی ہیں '': یابنیّ بلغ سلامی وقل لہ لاتدع امۃ محمد بلا راع استخلف علیھم ولاتدعھم بعدک ھملاً فانی اخشی علیھم الفتنۃ[2] '' '' عمر کو میرا اسلام کہنا اور اس سے کہدینا کہ امت (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کو اپنے بعد بے مہار اور سرپرست نہ چھوڑے اس لئے کہ میں ان میں فتنہ برپا ہونے سے ڈرتی ہوں۔'' اس کے علاوہ بھی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے اپنے باپ سے کہا '': اے کاش! آپ اپنا ایک جانشین مقرر کر دیتے اگر آپ اپنی طرف سے کسی کو قیم اور سرپرست کے عنوان سے لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں تو کیا اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیں؟ انھوں نے

---

[1] الریاضی النضرۃ، ج ۲، ص۳۵۳، دار الندوۃ الجدیدۃ بیروت، سنن بیہقی، ج۸، ص۱۴۹، دار المعرفۃ بیروت، حلیۃ الاولیاء، ج۱ ص۴۴، دار الفکر
[2] الامامۃ والسیاسۃ، ج۱، ص۲۳

جواب میں کہا :کیوں نہیں؟ابن عمر نے کہا : جب آپ اپنی بھیڑوں کے لئے ایک نگراں اور سر پرست مقرر کر تے ہیں توکیا آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے اپنی جگہ پر کسی کو مقرر کردیں؟[۱] ''معاویہ بھی یزید کی جانشینی کے سلسلہ میں اس سے استنباط کرتے ہوئے کہتاہے'' :انیّ ارھب ان داع امة محمد ی بعد ی کا لضأن لارا عی لھا[۲] ''میں ڈرتا ہوں کہیں ام (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کواپنے بعدچرواہے کے بغیر بھیڑبکریوں کی طرح چھوڑدوں۔''۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو ہمیشہ اپنی جگہ پر کسی کو جانشین مقرر فرماتے تھے اور کبھی مدینہ کو اپنے جانشین کے بغیر نہیں چھوڑتے تھے سیرت اورتاریخ کی کتابوں میںیہ مطلب بیان ہوا ہے اورجن اشخاص کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے ،ان کے نام بھی کتا بوں میں درج ہیں ۔ سیرۂ ابن ہشام میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات بیان کئے گئے ہیں،اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدینہ میں مقرر کئے گئے آپؐ کے جانشینوں کی فہرست حسب ذیل ذکر کی گئی ہے:

۱۔غزوۂ بواط میں:سائب بن عثمان بن مظعون[۳]

۲۔غزوۂ عشیرہ میں:اباسلمتبن عبدالاسد[۴]

۳۔غزوۂ سفوان یعنی بدراولیٰ میں:زیدبن حادثہ[۵]

۴۔غزوۂ بدرکبریٰ میں:ابالبابہ[۶]

۵۔غزوۂ بنی سلیم میں:سباع بن عرفطة[۷]

[۱] طبقات ابن سعد ،ج۳،ص۳۴۳،دار بیروت للطباعة والنشر۔
[۲] تاریخ طبری ،ج۳،جزء۵،ص۱۵۴،مؤسسہ عزالدین للطباعة والنشر،الامامة والسیاسة،ج۱ص۱۸۴ ،منشورات الشریف الرضی
[۳] سیرۂ ابن ہشام،ج۲،ص۲۴۸۔
[۴] سیرۂ ابن ہشام ج،۲،ص۲۵۱
[۵] سیرۂ ابن ہشام ،ج۲،ص۱ ۴۰سیرۂ ابن ہشام ج،۲ص۲۶۳و۲۶۴
[۶] ج۳ص۴۹
[۷] ج۳،ص۵۰

٦۔غزوۂ سویق میں:عبدالمنذر (ابولبابہ[1])

۷۔غزوۂ ذی امر میں:عثمان بن غفان[2]

۸۔غزوۂ فرع میں:ابن ام مکتوم[3]

۹۔غزوۂ بنی قینقاع میں:بشیر بن عبدالمنذر[4]

۱۰۔غزوۂ احد میں:ابن ام مکتوم[5]

۱۱۔غزوۂ بنی النضیر میں:ابن ام مکتوم[6]

۱۲۔غزوۂ ذات الرقاع میں:ابوذر غفاری یا عثمان بن عفان[7]

۱۳۔غزوۂ بدر،دوم:عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول انصاری

۱۴۔غزوۂ دومتا لجندل میں:سباع بن عرفطہ[8]

۱۵۔غزوۂ خندق میں:ابن ام مکتوم[9]

۱٦۔غزوۂ بنی قریظہ میں:ابن ام مکتوم[10]

---

[1] ج۳،ص۴۹
[2] ج۳،ص۵۰
[3] ج۳،ص۵۲
[4] ج۳،ص۶۸
[5] ج۳،ص۲۰۰
[6] ج۳،ص۲۱۴
[7] سیرۂ ابن ہشام ج۳،ص۲۲۰
[8] سیرۂ ابن ہشام ج۳،ص۲۲۴
[9] سیرۂ ابن ہشام ،ج ۳،ص۲۳۱ ۲۔سیرۂ ابن ہشام،ص۲۴۵
[10] سیرۂ ابن ہشام،ص۲۹۲ ۴۔سیرۂ ابن ہشام ص۳۲۱

۱۷۔غزوۂ بنی لحیان میں:ابن ام مکتوم

۱۸۔غزوۂ ذی قرتمین:ابن ام مکتوم

۱۹۔غزوۂ بنی المصطلق میں:ابوذرغفاری[۱]

۲۰۔حدیبیہ میں: نمیلۃبن عبداللہ لیثی[۲]

۲۱۔غزوۂ خیبر میں:نمیلۃابن عبداللہ لیثی[۳]

۲۲۔فتح مکہ میں:کلثوم بن حصین[۴]

۲۳۔غزوۂ حنین میں: عتاب بن اسید[۵]

۲۴۔غزوۂ تبوک میں:محمدبن مسلمۃانصاری یاسباع بن عرفطۃ[۶] صحیح اور مشہورروایت یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں پیغمبراسلام ﷺ نےحضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔اس مطلب کے سلسلہ میں تاریخ اوراحادیث کی دسیوں کتابیں گواہ ہیں۔

۲۵۔حجۃ الوداع میں:ابودجانہ انصاری یاسباع بن عرفطہ[۷] سریہ وہ جنگیں ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود شرکت نہیں فرمائی ہے،ایسی جنگوں میں پیغمبر (ص)کسی نہ کسی کوبہ حیثیت کمانڈر مقررفرماتے تھے۔یہاں تک کہ بعض جنگوں میں چندافرادکوکمانڈر کی حیثیت سے مقررفرماتے تھےتاکہ کسی نا خوشگوارواقعہ پیش آنے کی صورت میں بلافاصلہ ترتیب سے دوسرا شخص آگے بڑھ کرکمانڈری سنبھالے۔جنگ موتہ میں پیغمبر نے زیدبن حارثہ کوکمانڈرمقررفرمایاتھا۔کسی مشکل سے دو چار ہونے

---

[۱] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۰۲
[۲] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۲۱
[۳] سیرۂ ابن ہشام،ص۳۴۲
[۴] سیرۂ ابن ہشام ،ج۴،ص۴۲
[۵] سیرۂ ابن ہشام،ج۴،ص۹۳
[۶] سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۳
[۷] سیرۂ ابن ہشام،ج۴،ص۲۴۸،داراحیاء التراث العربی،بیروت

کی وجہ سے ان کی جگہ پر جعفر بن ابیطالب اوران کے بعد عبداللہ بن رواحہ کو کمانڈر کی حیثیت سے مقرر کیا تھا[1]۔بئر معونہ میں آنحضرت ﷺ نے چالیس افراد کو بھیجا اور عبدالمنذربن عمر کوان کا امیر قرار دیا[2]۔اورداستان رجیع میں فقہ کی تعلیم کے لئے چھ افراد کو بھیجا اور مرثد بن ابی مرثد غنوی کوان کا سردار قرار دیا[3]۔اب،جبکہ مذکورہ مطالب نیزان میں غور و حوض کرنے سے معلوم ہو جاتاہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا اصل مقصد امت کی تربیت کرنا تھا،چنانچہ قرآن مجید نے فرمایاہے:(ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ[4]) ''وہ ان کے نفوذ کو پاکیزہ بناتاہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتاہے۔''آنحضرت ﷺ،اپنی مسافرتوں کے درمیان چاہے وہ جس قدر بھی مختصر ہوتی تھی،اپنا جانشین مقرر کرنے میں کوتاہی نہیں فرماتے تھے اور کسی بھی گروہ کو کہیں روانہ کرتے وقت انھیں بے سرپرست نہیں چھوڑتے تھے آپ اپنے مستقبل کے بارے میں پوری طرح آگاہ تھے،اس سلسلہ میںآپ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں،جن کے بارے میں شیعہ واہل سنّت کے بڑے محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں ذکر کیاہے۔اس لئے آپ اپنے بعد اپنی شریعت پر حملہ آور ہونے والے فتنوں سے آگاہ تھے،چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میںخود خبر دی ہے۔

ان سب حقائق کے روشن ہونے کے بعد کیاآپ اپنی جانشینی اورخلافت (جوآپ کے بعد اہم ترین مسئلہ اورآپ کے لئے فکر مند ترین موضوع تھا)کے بارے میں کسی قسم کا منصوبہ نہیں رکھتے تھے اوراپنے بعد کسی کواپنے جانشین کی حیثیت سے منصوب و معین نہیں کرتے اور پوری طرح سے اس سے غافل وبے خیال رہتے ؟!!کیا ایسا ممکن ہے ؟ !خداوندمتعال نے اپنے پیغمبر ﷺ کورسالت کے لئے مبعوث کیا ہے اورآپ کی یوں توصیف کی ہے:(ولقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم[5]) ''یقیناتمھارے پاس وہ پیغمبر آیاہے کہ جوتمھیں میں سے ہے اوراس پر تمھاری ہر مصیبت شاق ہے وہ تمھاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتاہے اورمؤمنین کے حال پر شفیق اورمہربان ہے''یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے عقل سلیم اوربیدار ضمیر ہرگز قبول

---

[1] سیرۂ ابن ہشام،ص،۵
[2] سیرۂ ابن ہشام،ج۳، ص۱۹۴
[3] سیرۂ ابن ہشام،ج۳،ص۱۸۳
[4] آل عمران،۱۶۴
[5] توبہ،۱۲۸

نہیں کرتاہے اور قرآن وسنت کی قطعی دلالت اس کے برخلاف ہے۔اس بناء پر شیعہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ہونے والے امام اور خلیفہ کا اعلان اور انتخاب خدا وند عالم کی جانب سے فرمایاہے اور یہ مسئلہ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بیان ہواہے۔اس کتاب میں قرآن مجید کی چندایسی آیات پر بحث و تحقیق کی گئی ہے جوامامت اورائمہ علیہم السلام کی خصوصیات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔مذکورہ آیات حسب ذیل ہیں:

۱۔آیہء ابتلا

۲۔آیہء مباہلہ۳

۔آیہء اولی الامر

۴۔آیہء ولایت

۵۔آیہء صادقین

٦۔آیہء تطہیر

۷۔آیہء علم الکتاب(آیہء شہادت)

ان آیات میں پہلے،خودآیتوں کے بارے میں بحث و تحقیق کی گئی ہے اور اس کے بعدان سے مربوط احادیث کوبیان کیاگیاہے

وران احادیث سے آیات کی دلالت میں استفادہ کیاگیا ہے۔چونکہ اہم ان مباحث میں اہل سنت سے بھی مخاطب ہیں،اس لئے ان کے علماء اور مفسرین کانظریہ اوران کی احادیث بھی بیان کرکے علمی طورسے ان پر بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں موجود شبہات اوراعتراضات کوبیان کرنے کے بعدان کاجواب دیاگیا ہے۔رضاکاردان

پہلا باب

امامت آیہء ابتلاء کی روشنی میں

امامت آیہء ابتلاء کی روشنی میں (وإذا ابتلیٰ ابرھیم ربہ بکلمات فأتمّھن قال إنّی جاعلک للناس إماماً قال ومن ذرّیتی قال لاینال عھدی الظالمین[1]) ''اوراس وقت کویادکروجب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراھیم علیہ السلام کاامتحان لیااورانھوں نے پوراکردیاتواس (خدا) نے کہا: ہم تم کولوگوں کا قائداورامام بنارہے ہیں۔ (ابراھیم علیہ السلام) نے کہا گیا یہ عہدہ میری ذریت کو بھی ملے گا؟ارشادہواکہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔ ''اس آیہء کریمہ سے دوبنیادی مطلب کی طرف اشارہ ہوتاہے: ا۔ منصب امامت،نبوت ورسالت سے بلندترہے۔ ۲۔ منصب امامت،ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔ یہ مطلب تین باتوں پر مشتمل ہے:پہلی بات: منصب امامت کابلند مرتبہ ہونا۔ دوسری بات: منصب امامت ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔تیسری بات: منصب امامت کازبان امامت سے تعارف۔

پہلی بات منصب امامت کابلند مرتبہ ہونا:

ہم اس آیہء شریفہ میں دیکھتے ہیں کہ خدائے متعال نے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے بڑھاپے کے دوران نبوت رسالت کو سالہا سال گزرنے کے بعدان کی عمرکے آخری مرحلہ میں امتحان لیااور انھوں نے اس امتحان الٰہی کوقبول کیا اورکامیابی کے ساتھ مکمل کردکھا یا امامت کاعہدہ وہ ارتقائی درجہ تھا جواس عظیم امتحان اورصبروثبات کے بعدانھیں عطاکیاگیا۔آیہء کریمہ سے اس مطلب کو بہتر طریقہ سے واضح کرنے کے لئے،درج ذیل چند بنیادی نکات کی وضاحت ضروری ہے:ا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحان اوران کی امامت کے درمیان رابطہ کیسا ہے؟

---

[1] بقرہ،۱۲۴

۲۔اس آیہء کریمہ میں بیان کیا گیا امتحان،کس قسم کا امتحان تھا؟

۳۔کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ،حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کئے گئے عہدہ امامت سے مراد ان کا وہی منصب نبوت ورسالت ہی ہے؟

۴۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کی گئی امامت،کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟امتحان اور منصب امامت کا رابطہ آیہء کریمہ:(واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فأتمھن قال انّی جا علک للناس إماماً)میں لفظ''إذ''ظرف زمان ہے اوراس کے لئے ایک متعلق کی ضرورت ہے۔''إذ''کا متعلق کیاہے؟پہلااحتمال یہ ہے کہ''إذ''کا متعلق''اذکر''(یادکرو)ہے،جو محذوف اورپوشیدہ ہے،یعنی:اے پیغمبر ﷺ!یاداس وقت کو کیجئے جب پروردگارنے ابراھیم علیہ السلام کا چند کلمات کے ذریعہ سے امتحان لیا۔ اس احتمال کی بنیادپرچنداعتراضات واردہیں:۱۔مستلزم حذف وتقدیر(متعلق کو محذوف اور مقدر ماننا)خلاف اصل ہے۔

۲۔''إنی جاعلک للناس إماماً''کا اس کے پہلے والے جملہ سے منقطع ہونا حرف عطف کے بغیر ہونا لازم آتاہے۔

وضاحت:جملہء''قال انّی جاعلک''کا بظاہر سیاق یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے والے جملہ سے علیٰحدہ اور منقطع نہیں ہے اور معنی و مضمون کے لحاظ سے قبل والے جملہ سے وابستہ ہے،اورچونکہ اس کے لئے حرف عطف ذکر نہیں ہواہے،اس لئے بظاہر اس جملہ کے آنے سے پہلاجملہ مکمل ہوتا ہے،اوران دونوں فقروں کے درمیان ارتباط کلمہ''إذ''کے''قال''سے متعلق ہونے کی بناپرہے۔اسی صورت میںآیہء شریفہ کا معنی یوں ہوتا ہے:''جب ابراھیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے امتحان لیا،توان سے کہا:میں تم کولوگوں کے لئے امام قرار دیتاہوں۔''اس بناپریہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کو منصب امامت عطا کرنے کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ تھا۔آیہء کریمہ کے اس مطلب پر قطعی گواہ کے لئے ایک دوسری آیت ہے کہ اس میں پیغمبروں کے ایک گروہ کے لئے صبروامامت کے درمیان رابطہ بخوبی بیان ہوا ہے:(وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لمّا صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون[1])''اور ہم نے

[1] سجدہ،۲۴

ان میں سے کچھ لوگوں کوامام اورپیشوا قرار دیاہے جوہمارے امرسے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں،اس لئے کہ انھوں نے صبر کیاہے اورہماری آیتوں پریقین رکھتے تھے۔ ''اس آیہء شریفہ میں ان پیغمبروں کوامامت ملنے کاسبب صبرٗویقین بیان کیاگیاہے اور یہ رابطہ حضرت ابرھیم علیہ السلام کے امتحان اورامامت کے درمیان رابطہ کوزیر بحث آیت میں واضح اورروشن کرتاہے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کاامتحانحضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کی یہ آزمائشیں کن مسائل اور امور سے متلق تھیں کہ جس کا نتیجہ امامت کا عظیم عطیہ قرار پایاتھا۔آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امتحان چند کلمات کے ذریعہ لیا گیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام نے انھیں مکمل کر دکھایا۔بظاہر یہ کلمات ایک خاص قسم کے فرائض اوراحکام تھے کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان لیاگیا۔

قرآن مجید میں،حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تاریخ کے سلسلہ میں جوچیز ''واضح وروشن امتحان'' کے عنوان سے بیان ہوئی ہے،وہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کااقدام ہے:(إن هذا لهو البلاء المبین)[1] (بیشک یہ بڑا واضح و روشن متحان ہے)یہ(بیٹے کوذبح کرنے کااقدام)حقیقت میں وہی کھلاامتحان ہے۔یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اپنے پروردگار کے حضورمیں ایثاروقربانی اورمکمل تسلیم ہونے کا مظہر تھا۔اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کایہ امتحان ان کی پیری اور بڑھاپے میں انجام پایاہے اور وہ بھی اس وقت جب ان کا بیٹاجوانی کے مرحلہ میں داخل ہوچکاتھا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی جوانی کا مرحلہ طے کرنے تک صاحب اولادنہیں تھے۔جب بڑھاپے کے مرحلہ میں پہنچے اور اولادسے ناامید ہوئے،توخدائے متعال نے انھیں اسماعیل واسحاق نام کے دو بیٹے عطاکئے اور یہ اس حالت میں تھاکہ جب ان کی نبوت اور رسالت کو سالہاسال گزرچکے تھے۔کیااس آیت میں امامت سے مراد ان کی وہی نبوت ورسالت نہیں ہے؟خدائے متعال نے جوامامت حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطاکی،کیاوہ،وہی ان کی نبوت ورسالت تھی،جیساکہ بعض مفسرین نے بیان کیا

---

[1] صا فات،۱۰۶

ہے،یا یہ امامت کوئی دوسرا عہدہ ہے؟ اس سے پہلے بیان کئے گئے مطلب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ امامت،درج ذیل دو دلائل کے پیش نظر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پہلے سے موجود نبوت ورسالت کے علاوہ تھی: پہلے یہ کہ:یہ آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امامت، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بہت سے امتحانات کے بعد عطاکی گئی ہے،کہ ان امتحانات کا ایک واضح وروشن نمونہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام تھا جبکہ نبوت ورسالت انھیں پہلے دی جا چکی تھی۔دوسرے یہ کہ:آیہء کریمہ میں ''جاعلک''،اسم فاعل ہے اور ادبی لحاظ سے اسم فاعل صرف اسی صورت میں اپنے مابعد پر عمل کر سکتا ہے اور کسی اسم کو مفعول کے عنوان سے نصب دے سکتا ہے،جب ماضی کے معنی میں نہ ہو،بلکہ اسے حال یا مستقبل کے معنی میں ہونا چاہئے۔اس بنا پر آیہء شریفہ:(إنّی جاعلک للنّاس إماماً) میں فاعل ''جاعل'' کے دو مفعول ہیں (ایک میر ''کاف''،اوردوسرا ''اماماً'')اس لئے ماضی کو ملحوظ نظر نہیں قرار دیا جا سکتا۔

یہ امامت کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟ہمیں آیہء شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مفہوم پیشوائی اور قیادت ہے اوراس کا معنی نبوت ورسالت سے متفاوت ہے۔امام،وہ ہے جودوسروں کا پیشوا ہواورانسانوں کے آگے آگے چلے، جسے خدائے متعال نے متعلق طور پر لوگوں کے لئے امام قرار دیا ہے اور تمام انسانی پہلوؤں سے لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا ہے لوگوں کو چاہئے کہ تمام ابعاد حیات میں اس سے ہدایت حاصل کریں اوراس کی اقتداء و پیروی کریں۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یہ مقام (امامت)رسالت ملنے کے سالہا سال بعد تمام بڑے امتحانات الٰہی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد عطاکیا گیا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امامت کا مرتبہ اور درجہ نبوت ورسالت کے مساوی نہیں ہے بلکہ ان سے بالا تر ہے۔اس بحث کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:جب یہ ثابت ہوا کہ امامت کا درجہ و مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے اورنبوت کے لئے قطعی دلائل کی بنیاد پر عصمت کی شرط لازمی ہے پس جوچیز نبوت سے برتر وبلند ترہو بدرجہ اولیٰ اس کے لئے بھی عصمت کا شرط ہونا ضروری ہوگا۔

---

[1] البهجته المرضيته،مكتبته المفيد،ج۲،ص۶۵

دوسری بات: منصب امامت ظالموں کو نہیں ملے گا:

یہ آیہء شریفہ عصمت امامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کے جملہ (لاینال عهدی الظالمین) یعنی: ''میرا وعدہ (امامت) ظالموں تک نہیں پہونچے گا'' سے استفادہ ہوتا ہے کہ ظالم مقام امامت تک نہیں پہونچ سکتا۔ جب خدائے متعال نے فرمایا: (إنّي جاعلك للناس إماماً) ''میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں'' حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عرض کیا: (ومن ذرّيتي؟) ''کیا میری ذریت اور اولاد میں سے بھی کوئی اس مقام تک پہنچے گا؟'' پروردگار عالم نے فرمایا: (لاینال عهدی الظالمین) میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ اس جملہ سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں: ۱۔ امامت وعدۂ الٰہی ہے۔ ۲۔ یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا، چونکہ ہر گناہ ظلم شمار ہوتا ہے[1] لہذا جو معصوم نہیں ہے، وہ گناہوں میں گرفتار ہوگا۔

اس بناء پر آیہء شریفہ کی یہ دلالت کہ ہر امام کو اپنے عہدہ امامت میں گناہوں سے پاک ہونا چاہئے، واضح اور ناقابل انکار ہے۔ کیا اس جملہ سے یہ استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں نے امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اگر کوئی ظلم کیا ہو وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۔ چونکہ ہر گنا کبیرہ یا صغیرہ کیفر الٰہی کا مستحق ہے، اس لئے گناہ گار گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں: مشتق کا عنوان (جیسے ظالم) زمانہ حال میں ظہور رکھتا ہے اور یہ اس شخص پر لاگو نہیں ہوتا ہے جو پہلے اس صفت سے متصف تھا لیکن زمانہ حال میں اس میں وہ صفت نہیں ہے۔ اس بناء پر اس آیہء شریفہ کے مطابق، جو خلافت کے عہدہ پر فائز ہونے کے دوران ظالم ہو، وہ امامت کے عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا لیکن جو پہلے کبھی ظالم تھا، لیکن اس عہدہ پر فائز ہونے کے وقت ظالم نہیں ہے، وہ امامت کے عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ اعتراض کے جواب میں دو باتیں پہلی بات جو اس اعتراض کے جواب میں پیش کی گئی ہے وہ ایک عظیم محقق مرحوم حاج شیخ محمد حسین اصفہانی کی ہے کہ جسے مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں ذکر کیا ہے: ۱حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت چار گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے:

[1] تفسیر المیزان، ج۱، ص۲۷۷، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۔وہ گروہ جو امامت پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور اس مقام پر فائز ہونے کے بعد بھی ظالم رہے۔

۲۔وہ گروہ جو امامت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے عادل تھے اور امامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ظالم بن گئے۔

۳۔وہ گروہ،جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اور امامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد عادل ہو گئے۔

۴۔وہ گروہ جو امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں زمانوں میں عادل تھے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی اس عظمت کے پیش نظر پہلے دو گروہوں کے لئے کہ،جو اپنے عہدہ امامت کے دوران ظالم ہوں،ہرگز امامت کی درخواست نہیں کریں گے۔اس بنا پر (ومن ذرّیتی) ''میری اولاد سے؟''کا جملہ صرف تیسرے اور چوتھے گروہ پر صادق آتا ہے،اور خدائے متعال بھی جواب میں فرماتا ہے(لاینال عھدی الظالمین) ''میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا۔''اس جملہ کے پیش نظر تیسرا گروہ جو پہلے ظالم تھا لیکن امامت کا عہدہ سنبھالنے کے دوران عادل ہوگیا،وہ بھی خارج ہوجاتا ہے اور اپنی اولاد کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں صرف چوتھے گروہ کو امامت دی جاتی ہے۔

دوسری بات مرحوم طبرسی کی ہے جو تفسیر مجمع البیان میں ذکر ہوئی،وہ کہتے ہیں:ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ جو فی الحال ظالم نہیں ہے اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں اطلاق نہیں ہوتا ہے،لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس نے پہلے ظلم کیا ہے،ظلم کرنے کے دوران اس پر ظالم کا عنوان حقیقت میں صادق تھا،مذکورہ آیت ایسے افراد کو بھی مشتمل ہے۔یعنی ایسا شخص اب امامت کے لئے شائستہ نہیں ہے اور امامت پر فائز نہیں ہوسکتا ہے اور ''لاینال''کا جملہ چونکہ مضارع منفی ہے،اس لحاظ سے اس پر دلالت کرتا ہے۔اس بنا پر،جس نے زندگی میں ایک لمحہ کے لئے بھی گناہ کیا ہے،وہ امامت کے عہدے پر فائز نہیں ہوسکتا ہے،چونکہ اس وقت ظالم اور ستم گار ہے اور آیہء شریفہ کہتی ہے:(لاینال عھدی الظالمین) ''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔''اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ آیہء شریفہ دو جہتوں سے اماموں کی عصمت پر حتی عہدہ امامت پر فائز ہونے سے پہلے بھی دلالت کرتی

ہے۔اورامامت کے منصب پر فائز ہونے والا شخص اپنی پوری عمر ملکہء عصمت سے وابستہ ہوتاہے۔اوراس طرح یہ بھی واضح ہوگیاکہ امامت ایک الٰہی منصب ہے جو خدائے متعال کی طرف سے عطا کیا جاتاہے،یعنی یہ خدائے متعال کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کو وہ جوشائستہ و سزا وار جانتا ہے اسی کو عطا کرتا ہے۔

تیسری بات منصب امامت کازبان امامت سے تعارف:

آیہء شریفہ کوبیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ امامت کی حقیقت کے سلسلہ میں ہمارے آٹھویں امام حضرت امام موسی الرضا علیہ السلام کی بیان کی گئی ایک حدیث پیش کیجائے :أبو محمد القاسم بن العلاء۔رحمہ۔رفعہ عن عبدالعزیزبن مسلم قال:کنامع الرضا۔علیہ السلام۔بمرو،فاجتمعنافی الجامع یوم الجمعة فی بدء مقدمنا،فأداروا امرالامامة وذکرواکثرۃاختلاف الناس فیھا۔فدخلت علی سیدی۔علیہ السلام۔فأعلمتہ خوض الناس فیہ،فتبسم۔علیہ السلام۔ثم قال:یاعبدالعزیز جھل القوم وخدعواعن آراءھم۔إن اللہ عزّوجلّ لم یقبض نبیہ ﷺ حتی أکمل لہ الدین وانزل علیہ القرآن فیہ تبیان کل شیء،بیّن فیہ الحلال والحرام والحدود والاحکام وجمیع مایحتاج الیہ الناس کملاً فقال عزّوجلّ (ما فرّطنا فی الکتاب من شیء[1]) وأنزل فی حجة الوداع،وھی آخر عمرہ ﷺ:(ألیوم أکملت لکم دین وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً[2]) وامرالاما مةمن تمام الدین۔

ولم یمض ﷺ حتیّ بیّن لامتہ معالم دینھم وأوضع لھم سبیلھم،وترکھم علی قصد سبیلالحق،واقام لھم علیا علماً و إماماً و ماترک لھم شیئاً یحتاج إلیہ الامتہ إلاّبیّنہ فمن زعم ان اللہ عزّوجلّ لم یکمل دینہ فقد ردّ کتاب اللہ و من ردّ کتاب اللہ فھو کافر بہ۔ ھل یعرفون قدر الإمامة و محلّھا من الامّة فیجوز فیھا اختیارھم؟إن الامامة أجلّ قدراً و أعظم شأناً و اعلی مکاناً و أمنع جانباً و ابعد غوراً من أن یبلغھا الناّس بعقولھم أوینالو بآراءھم أویقیموا إماماً باختیارھم۔إن الإمامة خص اللہ عزّوجلّ بھا إبراھیم الخلیل علیہ السلام بعد النبوۃ و الخلّة مرتبة ثالثة و فضیلة شرّفہ بھا و أشاد بھا ذکرہ فقال:(إنّی جاعلک للناّس اماماً) فقال الخلیل۔علیہ السلام سروراًبھا:(ومن ذرّیتی) قال اللہ تعالی:(ولاینال عھدی الظالمین

---

[1] انعام،۳۸
[2] مائدہ،۳

[1]) فابطلت ہذہ الآیۃ إمامۃ کلّ ظالم إلی یوم القیامۃ و صارت فی الصفوہ۔ ثمّ أکرم اللہ تعالی بأن جعلھا فی ذرّیۃ اہل الصفوۃ و الطہارۃ فقال:(و وہبنا لہ إسحاق و یعقوب نافلۃ وکلاّ جعلنا صالحین۔ وجعلناہم أئمۃ یہدون بأمرنا وأوحینا إلیہم فعل الخیرات وإقام الصلوۃوإیتاء الزکوۃ وکانوا لنا عابدین[2]) فلم تزل فی ذرّیتہ یرثہا بعض عن بعض قرناً فقرناً حتی ورّثہا اللہ تعالی النبیّ ﷺ فقال جلّ وتعالی:(إن أولی الناس بإبراہیم للذین اتّبعوہ وہذا النبیّ والذین آمنوا واللہ ولیّ المؤمنین[3]) فکانت لہ خاصّۃفقلدہا ﷺ علیاً۔علیہ السلام۔بأمراللہ تعالی علی رسم مافرض اللہ فصارت فی ذرّیۃ الأصفیاء الذین آتاہم اللہ العلم والإیمان بقولہ تعالی:(وقال الذین أوتوا العلم والإیمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ إلی یوم البعث[4])،فہی فی ولد علیّ علیہ السلام خاصّۃإلی یوم القیامۃإذ لا نبیّ بعد محمد ﷺ فمن أین یختار ہؤلاء الجہال۔ إن الإمامۃ ہی منزلۃ الأنبیاء وإرث الأوصیاء۔إن الإمامۃ خلافۃ اللہ وخلافۃ الرسول ﷺ ومقام أمیرالمؤمنین علیہ السلام ومیراث الحسن والحسین علیہما السلام ان الإمامۃ زمام الدین ونظام المسلمین وصلاح الدنیا وعزّالمؤمنین إنالإمامۃأس الإسلام النامی و فرعہ السامی۔ بالإمام تمام الصلاۃ و الزکاۃ والصیام والحج والجہاد وتوفیرالفیء والصدقات وإمضاء الحدود والأحکام ومنع الثغور والأطراف۔الإمام یحلّ حلال اللہ ویحرّم حرام اللہ ویقیم حدود اللہ ویذبّ عن دین اللہ ویدعوإلی سبیل ربہ بالحکمۃالموعظۃالحسنۃوالحجۃ البالغۃ۔ الإمام کالشمس الطالعۃ المجلّلۃ بنورہا للعالم وہی فی الأفق بحیث لاتنالہا الأیدی والأبصار۔الإمام البدرالمنیر والسراج الزاہر والنور الساطع والنجم الہادی فی غیاہب الدجی واجواز البلدان والقفار ولجج البحار۔الإمام الماء العذب علی الظماء والدال علی الہدی والمنجی من الرّدی الإمام النار علی الیفاع الحارّ لمن اصطلی بہ والدلیل فی المہالک۔من فارقہ فہالک۔الإمام السحاب الماطروالغیث الہاطل والشمس المضیءۃوالسماء الظلیلۃ والأرض البسیطۃ والعین الغزیرۃوالغدیروالروضۃ۔الإمام الأنیس الرفیق والوالد الشفیق والأخ الشقیق والأم البرّۃ بالولد الصغیر ومفزع العباد فی الداہیۃالنآد۔الإمام أمین اللہ فی خلقہ وحجتہ علی عبادہ وخلیفتہ فی بلادہ والداعی إلی اللہ والذاب عن حرام اللہ۔الإمام المطہّر من الذنوب والمبرّأ عن العیوب المخصوص بالعلم الموسوم بالحلم نظام الدین و عزّالمسلمین وغیظ

---

[1] بقرہ،۱۲۴
[2] انبیاء،۷۳-۷۲
[3] آل عمران،۶۸
[4] روم،۵۶

المنافقين و بوار الكافرين ـ الإمام واحد دهره، لا يدانيه أحد ولا يعادله عالم ولايوجد منه بدل ولا له مثل و لا نظير مخصوص بالفضل كلّه من غير طلب منه له و لا اكتساب بل اختصاص من المفضل الوهّاب ـ فمن ذا الذي يبلغ معرفة الإمام أو يمكنه اختياره؟!! هيهات هيهات! ضلّت العقول وتاهت الحلوم وحارت الألباب و خسئت العيون و تصاغرت العظماء و تحيّرت الحكماء و تقاصرت الحلماء و حصرت الخطباء و جهلت الألبّاء و كلّت الشعراء و عجزت الأدباء و عييت البلغاء عن وصف شأن من شأنه أو فضيلة من فضائله وأقرّت بالعجز و التقصير و كيف يوصف بكلّه أو ينعت بكنهه أو يفهم شيء من أمره أو يوجد من يقوم مقامه يغني غناه؟! لا، كيف وأنّى؟ و هو بحيث النجم من يد المتناولين و وصف الواصفين! فأين الاختيار من هذا؟ و أين العقول عن هذا؟ و أين يوجد مثل هذا؟! أتظنّون ان ذلك يوجد في غير آل الرسول محمد ﷺ كذبتهم والله أنفسهم و منّتهم الأباطيل فارتقوا مرتقاً صعباً دحضاً تزلّ عنه إلى الحضيض أقدامهم ـ راموا إقامة الإمام بعقول حائرة ناقصة و آرا مضلّة فلم يزدادوا منه إلّا بُعداً (قاتلهم الله أنّى يؤفكون)؟

ولقد راموا صعبا و قالوا إفكاً و ضلّوا ضلالاً بعيداً و وقعوا في الحيرة ـ إذ تركوا الإمام عن بصيرة (زيّن لهم الشيطان أعمالهم عن السبيل و كانوا مستبصرين[1]) رغبوا عن اختيار الله و اختيار رسول الله ﷺ وأهل بيته إلى اختيارهم و القرآن يناديهم (و ربّك يخلق مايشاء و يختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله و تعالى عمّا يشركون[2]) وقال عزّوجلّ: (و ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضى الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم[3]) الآية و قال: (مالكم كيف تحكمون *أم لكم كتاب فيه تدرسون* إن لكم فيه لما تخيّرون* أم لكم أيمان علينا بالغة إلى يوم القيامة إن لكم لما تحكمون* سلهم أيّهم بذلك زعيم* أم لهم شركاء فليأتوا به شركائهم إن كانوا صادقين[4]) وقال عزّوجلّ: (أفلايتدبّرون القرآن أم على قلوب أقفالها[5]). (أم طبع الله على قلوبهم فهم لا يفقهون[6]) أم (قالوا سمعنا و هم لا يسمعون * إن شرّ الدوابّ عند الله الصمّ

---

[1] نمل،۲۴
[2] قصص،۶۸
[3] احزاب،۳۶
[4] قلم،۴۱ـ۳۶
[5] محمد،۲۴
[6] توبه،۸۷

البکم الذین لا یعقلون * و لو علم اللہ فیہم خیراً لأسمعہم و لو أسمعہم لتولّوا و ہم معرضون[۱]) أم (قالوا سمعنا و عصینا[۲])بل ہو فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذوا الفضل العظیم)فکیف لہم باختیار الإمام؟! الإمام عالم لا یجہل وراع لاینکل معدن القدس والطہارۃ و النسک و الزہادۃ و العلم والعبادۃ مخصوص بدعوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونسل المطہرۃ البتول لامغمز فیہ فی نسب و لا یدانیہ ذو حسب فی البیت من قریش، و الذروۃ من ہاشم و العترۃ من الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و الرضا من اللہ عزّوجلّ شرف الأشرف و الفرع من عبد مناف نامی العلم کامل الحلم مضطلع بالإمامۃ عالم بالسیاسۃ مفروض الطاعۃ قائم بأمر اللہ عزّوجلّ ناصح لعباداللہ حافظ لدین اللہ ۔إنا لأنبیاء والأئمۃ صلوات اللہ علیہم یوفّقہم اللہ و یؤتیہم من مخزون علمہ و حکمہ ما لایؤتیہ غیرہم فیکون علمہم فوق علم أہل الزمان فی قولہ تعالی:(أفمن یہدی إلی الحق أحق أن یتّبع أمّن لایہدی إلاّ أن یُہدی فالکم کیف تحکمون[۳]) و قولہ تبارک و تعالی(ومن یؤت الحکمۃ فقد أوتی خیراً کثیراً[۴]) و قولہ فی طالوت (إن اللہ اصطفاہ علیکم و زادہ بسطۃ فی العلم و الجسم و اللہ یؤتی ملکہ من یشاء و اللہ واسع علیم[۵]) و قال لنبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (أنزل علیک الکتاب و الحکمۃ و علمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیماً[۶]) و قال فی الأئمۃ من أہل بیت نبیہ و عترتہ و ذریّتہ صلوات اللہ علیہم :(أم یحسدون الناس علی ما آتاہم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراہیم الکتاب و الحکمۃ و اتیناہم ملکاً عظیماً * فمنہم من آمن بہ و منہم من صدّ عنہ و کفی بجہنم سعیراً ۵ و إن العبد إذا اختارہ اللہ عزّ و جلّ لأمور عبادہ شرح صدرہ لذلک و أودع قلبہ ینابیع الحکمۃ و ألہمہ العلم إلہاماً فلم یعی بعدہ بجواب و لا یحیر فیہ عن صواب فہو معصوم مؤید موفّق مسدّد قد أمن من الخطایا و الزلل والعثار یخصہ اللہ بذلک لیکون حجۃ علی عبادہ و شاہد علی خلقہ و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء و اللہ ذوا الفضل العظیم ۔ فہل یقدرون علی مثل ہذا فیختارونہ؟ أو یکون مختارہم بہذہ الصفۃ فیقدمونہ؟ تعدوا و بیت اللہ الحق و نبذوا کتاب اللہ وراء ظہورہم کأنہم لا یعلمون و فی کتاب اللہ الہدی والشفاءفنبذوہ و اتبعوا أہواءہم فذمّہم اللہ و

[۱] انفال۲۳۔۲۱
[۲] بقرہ۹۳
[۳] یونس۳۵
[۴] بقرہ۲۶۹
[۵] بقرہ۲۴۷
[۶] سورۂ نساء سے اقتباس۱۱۳

مقتهم و أتعسهم فقال جلّ و تعالى: (و من أضلّ ممّن اتبع هواه بغير هدى من الله إن الله لايهدى القوم الظالمين[1]) وقال: (فتعساً لهم وأضلّ أعمالهم[2]) و قال: (كبرُ مقتاً عند الله وعند الّذين آمنوا كذلک يطبع الله علی کلّ قلب متکبّر جبار[3]) وصلی الله علی النبیّ محمد وآله وسلّم تسليماً کثيرا.[4] عبدالعزيزبن مسلم سے روايت ہے کہ: ہم مسجد مرو میں حضرت امام رضاعلیہ السلام کی خدمت میں تھے۔ وہاں پہنچنے کے ابتدائی دنوں میں جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ حضار نے مسٔلہء امامت کے بارے میں گفتگوکی اوراس موضوع کے بارے میں موجود بہت سے اختلافات کو بیان کیاگیا۔ میں نے اپنے مولا (امام رضا علیہ السلام)کی خدمت میں لوگوں کی اس گفتگو کے بارے میں وضاحت کی۔ حضرت علیہ السلام نے ایک مسکراہٹ کے بعدیوں فرمایا :اے عبدالعزیز!ان لوگوں نے نادانی کا راستہ اختیارکیاہے اور اپنے نظریات کی جانب دھوکہ میں ہیں۔

خدائے عزّوجل نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کواس دنیاسے اس وقت تک نہیں اٹھایاجب تک ان کے لئے دین کومکمل نہیں کر لیااورقرآن مجیدکہ،جوہرچیزکوواضح کرنے والی کتاب ہے اورجس میں حلال وحرام،حدوداحکام اورانسان کی تمام ضرورتیں مکمل طورپربیان ہوئی ہیں نازل نہیں کر لی اورفرمایا (مافرطنا فی الکتاب من شیء) ''ہم نے کتاب میں کوئی چیزنہیں چھوڑی ہے،، (پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے حجۃ الوداع میں جوآپکی عمرکے آخری ایام میں انجام پایاآیہء(أليوم أكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الاسلام دينا)نازل فرمائی۔اس طرح دین کوکامل فرمایااورامامت دین کا تکملہ ہے۔(خدا نے)پیغمبراسلام ﷺ کوتب تک اس دنیاسے نہیں اٹھالیاجب آپؐنے امت کے لئے دینی امور واضح کر دیئے حق کاوہ راستہ دکھلادیاجس پران کوچلناتھااور حضرت علی علیہ السلام کواپنے بعد امت کے لئے رہبرکے طورپر پہنچوا دیا،حتیٰ کہ امت کی ضرورت کی کسی چیزکوبیان کئے بغیر نہیں چھوڑا۔پس،ان اوصاف کے پیش نظرجو یہ تصورکرے کہ خدائے متعال نے اپنے دین کومکمل نہیں

[1] قصص،۵۰
[2] محمد ،۸
[3] غافر،۳۵
[4] اصول کافی،مترجم،ج۱،ص۲۸۳،اصول کافی غیرمترجم،ج۱،ص۱۹۸،عیون اخبار الرضا۴،ج۱،ص۲۱۶۔

کیاہے،اس نے خدا کی کتاب سے انکار کیاہے،اورایساآدمی کافر ہے۔کیا یہ لوگ امت کے درمیان امامت کی عظمت وبلندی نیز اس کی کلیدی حیثیت کوجاننے کاشعور رکھتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم کرسکیں؟بیشک امامت اس سے کہیں زیادہ گراں بہا، عظیم الشان،بلندمرتبہ اور عمیق ترہے کہ لوگ اسے اپنی عقلوں سے درک کریں نیزاپنی رائے اوراپنے اختیار سے امام منتخب کریں۔ امامت ایک ایساخاص عہدہ ہے جوخدائے متعال کی طرف سے خلیل نیزنبوت ورسالت کے منصب کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطاکیاگیا،اوراس سے مذکورہ دونوں عہدوں سے بلنداورافضل قرار دیتے ہوئے خدا وند عالم نے فرمایا:(إنّی جاعلک للنّاس إماماً)یعنی:''میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتاہوں''۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خوش ہوکرکہا:(ومن ذرّیّتی)''کیامیری ذریت کوبھی یہ عہدہ ملے گا؟''خدائے متعال نے فرمایا:(لاینال عھدالظالمین)''میرا وعدہ (امامت)ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔'' اس آیہء شریفہ نے ہرظالم کے لئے عہدہ امامت کوقیامت تک کے لئے مستردکردیا اوراس(امامت)کوممتازاور منتخب افراد میں متعین قرار دیا۔یہاں تک کہ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وراثت میں حاصل کیا۔آپ نے بھی اسے خداکے حکم سے علی علیہ السلام اور ان کی معصوم نسلوں میں قراردیا کہ جو اہل علم و ایمان تھے اوریہ مقام ان کے معصوم فرزندوں میں قیامت تک رہے گا۔پس یہ نا دان کیسے امام کوانتخاب کرسکتے ہیں۔؟!!امامت انبیاء کی عظمت و منزلت اور اولیائے الٰہی کی وراثت ہے۔امامت،خدائے متعال اورپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین اورامیرالمؤمنین علیہ السلام کی عظمت نیزحسن وحسین علیہما السلام کی وارثت ہے۔

امامت،دین کی زمامداری،مسلمانوں کی حکمت عملی ،دنیا کی بہتری اورمؤمنین کی عزت ہے۔صرف امامت کے ذریعہ نماز،روزہ،حج،زکواۃاورجہادکومکمل طورپرانجام دیاجاسکتاہے اورامام کے ذریعہ حدوداوراحکام الٰہی کا نفاذ ممکن ہے اورسرحدوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔یہ امام ہی ہے جوخدا کے حلال کوحلال اوراس کے حرام کوحرام بتاتاہے،خداکے حدود کوجاری کرتاہے،دین خداکادفاع کرتاہے اورلوگوں کوخداکے راستہ کی طرف اپنی حکمت عملی،اچھی نصیحت اور محکم و متقن دلائل سے دعوت

دیتاہے۔امام ایک آفتاب کے مانند ہے جوطلوع ہوکرپوری دنیا کوروشنی میں غرق کر دیتاہے چونکہ وہ ایک بلندی پر مستقرہوتاہے لہذااس تک لوگوں کی نظریں اور آلودہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتے ہیں۔امام، ماہ تابان ،شمع فروزان، چمکتانوراوردرخشاں ستارہ ہے جو شدیدتاریکیوں شبہ راہوں اورگزرگاہوں،شہروں اورگلی کوچوں ، صحراؤں اور سمندروں کے گردابوں میں (جہالت و آزمائش نیز دربدری کے زمانہ میں) لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہوتاہے۔امام پیاسوں کے لئے ٹھنڈاپانی اورگمراہوں کی ہدایت کے لئے راہنماو ایک دلیل ہے۔امام،ایک ابر باران ،موسلا دھاربارش،چمکتا ہواسورج،سایہ دارچھت،وسیع وعریض زمین،ابلتاہواچشمہ،نیز جھیل اور گلستان کے مانند ہوتاہے۔

امام،خداکے بندوں کے لئے انتہائی سختیوں میں،ہمدم و مونس، مہربان باپ،برابرکا بھائی،غمخوارماں اور خدا کی پناہ گاہ ہوتاہے۔ امام،خداکے بندوں میں خداکاامانتدار،اس کے بندوں پر حجت الٰہی اوراس کے ملک میں اس کا جانشین ہوتاہے۔امام،خداکی طرف دعوت دینے والااورحریم الٰہی (حدود،مقدرات اوراحکام)کادفاع کرنے والاہوتاہے۔امام،گناہوں سے پاک ،عیوب اوربرائیوں سے منزّہ ہوتا ہے۔امام علم میں یگانہ، حلم وبردباری میںیکتا،نظام، دین نیزمسلمانوں کی عزت،منافقون کے واسطے غضب اورکافروں کے لئے ہلاکت ہے۔

امام،(فضئل اورانسانی اقدارکے حوالے سے)بے مثال ہوتاہے۔کوئی بھی عظمت و بزرگی کے اعتبار سے اس(امام)کے برابرنہیں ہوسکتاہے اورکوئی عالم اس کے مساوی نہیں ہوسکتا ہے اورکسی کو اس کاجانشین اور متبادل قرارنہیں دیاجاسکتاہے۔اورامام وہ ہے کہ،جس کوتلاش وکوشش کے بغیرتمام فضیلتیں خداکی طرف سے عطاہوتی ہیں۔پس،کون ہے جو امام کوپہچان سکتاہے۔ اور اس کو چننے اور منتخب کرنے کی قدرت رکھتا ہے افسوس!افسوس!(اس سلسلہ میں) عقلیں گم ہیں،نظریں ناتواں ہیں،بڑے چھوٹے ہوگئے ہیں،حکماء اورفلاسفہ حیراں و سرگرداں ہیں،اورخطباء،عقلاء،شعراء،ادباء اور مبلغین،خستہ وعاجزہیں،کہ اس(امامت) کی کوئی شان یااس کی فضیلتوں میں سے کسی فضیلت کی توصیف کریں۔یہ مقام کیسے توصیف کے حدودمیںآسکتاہے

جبکہ امام ستارہ کے مانند ہے اورانسان کی توصیف کے دائرہ امکان سے دور ہے۔کیا تم لوگ تصور کرتے ہو کہ یہ خصوصیتیں پیغمبر اسلام ﷺ کے خاندان کے علاوہ کسی اور میں موجود ہو سکتی ہیں؟!خدا کی قسم! ان کی نفسانی خواہشات نے انھیں جھوٹ بولنے پر مجبور کیاہے اورباطل تصورات نے انھیں منحرف کیا ہے۔انہوں نے بلندیوں پر قدم رکھااورآخرکاران کے قدم ڈگمگائے اوروہ پستیوں میں جاگرے ہیں۔انہوں نے اپنی گمراہ کن اورپریشان عقلوں سے امام منتخب کرنا چاہا لیکن دوری،گمراہی اورانحراف کے علاوہ انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔انہوں نے خدائے متعال،رسول خدا ﷺ نیزآپ کے اہل بیت (علیہم السلام) کے انتخاب کے علاوہ خودانتخاب کرنا چاہا،جبکہ قرآن مجید،ان کے لئے یوں فرماتا ہے:(وربک یخلق مایشاء ویختارماکان لھم الخیرۃ)''تیرا پروردگارجسے چاہتاہے خلق کرتاہے اورمنتخب کرتاہے،ان کے لئے انتخاب کا حق نہیں ہے،وہ اس بات سے منزّہ وپاک ہے کہ جس کالوگ اسے شریک قراردیتے ہیں''(خدائے متعال مزید فرماتاہے:)(وما کالمؤمن ولا مؤمنۃ إذ قضی اللہ و رسولہ أمراً أن یکون لھم الخیر من أمرھم)''اورکسی مؤمن مردیا عورت کواختیار نہیں ہے کہ جب خداورسولؐ کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امورکے بارے میں صاحب اختیار ہو جائے''پس وہ کیسے امام کو انتخاب کر سکتے ہیں جبکہ امام ایک ایسا دانشور ہے جس کے حدود میں نادانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وہ ایک ایسا سرپرست ہے،جس میں خوف اورپلٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔وہ تقدس،پاکیزگی،زہدواطاعت،علم و عبادت کامرکزہے،پیغمبر اسلام ﷺ کی دعائیں حضرت فاطمہ،بتول *کی پاکیزہ اولادسے مخصوص ہے۔وہ یہ کہ اس مقدس سلسلہ میں عیب جوئی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اورکوئی بھی خاندانی شرف اس کے برابر نہیں ہے۔وہ خاندان قریش وہاشم اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عترت سے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں۔وہ اشراف الاشراف عبد مناف کی اولادسے ہیں۔وہ علم وآگہی کے وارث اور مکمل بردباری کے مالک ہیں۔رہبری میں قدرتمنداورسیاست سے آگاہ ہیں۔خداکے حکم کے مطابق ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔وہ امرخداپر سختی سے قائم،نیزخدائے متعال کے بندوں کے حق میں خیرخواہ اوردین کے محافظ ہیں۔خدائے متعال نے

انبیاء اورائمہ کوتوفیق عطا کی ہے اوراپنے علم و حکمت کے خزانہ سے جوچیز دوسروں کونہیں دی ہے، وہ انھیں عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عقل اپنے زمانہ کے لوگوں کی عقلوں سے افضل ہے کہ خدائے متعال نے فرمایاہے: (افمن یھدی إلی الحق۔۔۔) کیا جو حق کی طرف ہدایت کرتاہے وہ اطاعت کے لئے زیادہ شائستہ و سزاوار ہے یاوہ جوخود راہنمائی کے بغیر راستہ پر گامزن نہیں ہے؟تم لوگوں کوکیا ہواہے؟ کیسے حکم کرتے ہو؟خدائے متعال فرماتاہے(ومن یؤت الحکمۃ۔۔۔) '' جسے حکمت دے دی گئی ہے اس نے بہت سی نیکیاں پالی ہیں۔ ''طالوت کے بارے میں خدائے عزّوجل کا فرمان ہے: (إن اللّٰہ اصطفاء علیکم۔۔۔) انہیں اللہ نے تمھارے لئے منتخب کیاہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی۔

(خدائے متعال نے) اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا: (وأنزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ۔۔۔) ''اوراللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اورآپ کوان تمام باتوں کاعلم دے دیاہے کہ جن کاآپ کوعلم نہ تھا،اورآپ پر خداکابہت بڑا فضل ہے''۔اوراہل بیت اطہاراورعترت پیغمبر ﷺ کے ائمہ کے بارے میں فرمایا: (أم یحسدون الناس علی ماآتاھم اللّٰہ من فضلہ۔۔۔) ''یاوہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنھیں خدانے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ عطا کیاہے توپھر ہم نے آل ابراھیم (علیہ السلام) کوکتاب و حکمت اورملک عظیم عطا کیاہے۔پھران میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے اوربعض نے انکارکردیااوران کے لئے جہنم کی دھکتی ہوئی آگ ہے۔''،حقیقت میں جب خداوند متعال اپنے کسی بندہ کواپنے بندوں کے امورکی اصلاح کے لئے منتخب کرتاہے،تواس کے سینہ میں وسعت عطا کرتاہے،اس کے دل میں حکمت کے چشمے قرار دیتاہے اوراسے ایک ایسے علم سے نوازتاہے کہ اس کے بعد کسی سوال کا جواب دینے میں عاجز نہیں ہوتااورراہ حق سے منحرف نہیں ہوتا ہے۔پس اس (امام) معصوم کو خدائے متعال کی طرف سے توفیق اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ہر قسم کی خطا،لغزش اورفروگذاشت سے محفوظ ہوتاہے۔خدائے متعال نے اسے ان صفات کا امتیاز بخشاہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر حجت اور اس کی مخلوقات پرگواہ رہے

اوریہ بخشش وکرم خدا کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا عطا کرتا ہے اورخداوند متعال بڑا کریم ہے۔کیا لوگوں میںیہ طاقت ہے کہ اس قسم کے کسی شخص کا انتخاب کریں یاان کا منتخب کردہ نمائندہ اس قسم کا ہو؟بیت اللہ کی قسم!ان لوگوں نے حق سے تجاوزکیا ہے اور نادانی کی صورت میں کتاب خدا سے منہ موڑلیاہے،جبکہ ہدایت اورشفاکتاب خدا میں ہے۔انہوں نے کتاب الٰہی کوچھوڑکراپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی ہے۔ خدائے متعالی نے بھی ان کی مذمت کی اورانھیں دشمن قراردیتے ہوئے قعر مذلت میں ڈال دیااورفرمایا:(ومن أضلّ ممن ہواہ بغیر ہدی من اللہ۔)''اوراس سے زیادہ گمراہ کون ہے جوہدایت الٰہی کے علاوہ اپنی خواہشات کااتباع کرلے جبکہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔''اورفرمایا:(فتعساً لہم وأضلّ اعمالہم۔)''وہ نا بود اور ھلاک ہو جائیں اوران کے اعمال برباد ہو جائیں۔''اورفرمایا:(کبر مقتاً عنداللہ۔)''وہ اللہ اورصاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اوراللہ اس طرح ہرمغروراورسرکش انسان کے دل پر مہر لگاتا ہے۔''خدا کی بے شماررحمتیں اور درودوسلام حضرت محمدؐ اوران کے خاندان پر۔

دوسرا باب

امامت آیہء مباہلہ کی روشنی میں:

نجران کے عیسائی اوران کا باطل دعویٰ(فمن حاجّک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندعُ أبناءنا و أبناءکم و نساءنا و نساءکم و أنفسنا و أنفسکم ثمّ نبتھل فنجعل لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین[۱]) ''(پیغمبر!)علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے (حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں)کٹ حجتی کریں،ان سے کہ دیجئے کہ چلوہم لوگ اپنے اپنے فرزند،اپنی عورتوں اوراپنے اپنے نفسوں کودعوت دیں اورپھر خداکی بارگاہ میں دعاکریں اور جھوٹوں پر خداکی لعنت کریں''آیہء شریفہ میں گفتگو نجران کے عیسائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کوخداجانتے تھےاوران کے بغیرباپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے خدا ہونے کی دلیل تصور کرتے تھے۔اس سے پہلی والی آیت میںآیاہے:(إن مثل عیسی عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثمّ قال لہ کن فیکون[۲]) ''بیشک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیااورپھرکہا کہ ہوجاؤ تو وہ خلق ہوگئے۔''مذکورہ آیت ان کے دعوے کوباطل کرتی ہے۔

یعنی اگرتم لوگ حضرت عیسی بن مریم علیہا السلام کے بارے میں بغیرباپ کے پیدا ہونے کے سبب ان کے خدا ہونے کے قائل ہوتوحضرت آدم علیہ لسلام ماں اورباپ دونوں کے بغیرپیدا ہوئے ہیں،اس لئے وہ زیادہ حقدار وسزاوار ہیں کہ تم لوگ ان کی خدائی کے معتقدہوجاؤ۔اس قطعی برہان کے باوجود انہوں نے حق کوقبول کرنے سے انکار کیااوراپنے اعتقادپرڈٹے رہے۔بعدوالی آیت میں خدائے متعال نے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب کر کے حکم دیاکہ انھیں مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔اگرچہ اس آیت(آیہء مباہلہ)کے بارے میں بہت سی بحثیں ہیں،لیکن جوبات یہاں پرقابل توجہ ہے،وہ اہل بیت علیہم السلام،خاص کر حضرت علی علیہ

[۱] آل عمران،۶۱
[۲] آل عمران،۵۹

السلام کے بارے میں چند نکات ہیں،جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے تھے۔مذکورہ آیہء شریفہ اوراس سے مربوط احادیث کی روشنی میں ہونے والی بحثیں مندرجہ ذیل پانچ محورپر استوارہے:ا۔پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مأمور تھے کہ مباہلہ کے لئے کن لوگوں کواپنے ساتھ لائیں؟

۲۔ان کے میدان مباہلہ میں حاضرہونے کامقصد کیاتھا؟

۳۔آیہء شریفہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن افراد کواپنے ساتھ لائے؟

۴۔آیہء مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کامقام اوریہ کہ آیہء شریفہ میں حضرت علی علیہ السلام کونفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا گیاہے نیزاس سے مربوط حدیثیں۔

۵۔ان سوالات کا جواب کہ مذکورہ آیت کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلامحور:

آیہء مباہلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ پہلی بحث یہ کہ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مباہلہ کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کن افرادکودعوت دینی چاہئے تھی،اس سلسلہ میںآیہء شریفہ میں غوروخوض کے پیش نظردرج ذیل چندمسائل ضروری دکھائی دیتے ہیں:

الف:''ابناءنا''اور''نساءنا''سے مرادکون لوگ ہیں؟

ب:''انفسنا''کامقصودکون ہے؟

(تعالوا ندع أبناء ناو أبنا ء کم۔۔۔)ابناء ابن کا جمع ہے یعنی بیٹے،اورچونکہ''ابناء کی''،ضمیر متکلم مع الغیر یعنی ''نا''کی طرف نسبت دی گئی ہے،اوراس سے مرادخودآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوکم ازکم تین افراد،جوان کے بیٹے

شمار ہوں،کو مباہلہ کے لئے اپنے ہمراہ لانا چاہئے ۔)۔ونساءنا ونساءکم ۔ ''(نساء''اسم جمع ہے عورتوں کے معنی میں اور ضمیر متکلم مع الغیر یعنی ''نا''کی طرف اضافت دی گئی ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گھرانے میں موجود تمام عورتوں (چنانچہ جمع مضاف کی دلالت عموم پر ہوتی ہے)یاکم ازکم تین عورتوں کو (جوکم سے ا۔اس آیہء شریفہ میں استعمال کئے گئے متکلم مع الغیر والی ضمیریں،معنی کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ ''ندع''میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ وآنحضرت علیہ السلام یعنی نصاریٰ مقصود ہے.

،اور ''ابناء''،''نساء''و''انفس''اس سے خارج ہیں۔اور ''ابنائنا،''نساءنا''اور ''انفسنا''میں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم مقصود ہیں اور طرف مباہلہ اور ابناء،نساء اور انفس بھی اس سے خارج ہیں۔ ''نبتھل''میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ اور ابناء،نساء اور انفس سب داخل ہیں۔کم جمع کی مقدار اور خاصیت ہے)مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے۔ اس بحث میں قابل ذکر ہے،وہ ''أبناءنا ونساءنا وأنفسنا''کی دلالت کا اقتضاء ہے اور بعد والے جوابات محور میں جو مباہلہ کے ہدف اور مقصد پر بحث ہوگی وہ بھی اس بحث کا تکملہ ہے۔لیکن ''أبناء''اور ''نساء''کے مصادیق کے عنوان سے کتنے اور کون لوگ مباہلہ میں حاضر ہوئے،ایک علیحدہ گفتگو ہے جس پر تیسرے محور میں بحث ہوگی۔ (وانفسنا وانفسکم ۔)انفس،نفس کی جمع ہے اور چونکہ یہ لفظ ضمیر متکلم مع الغیر ''نا''(جس سے مقصود خود آنحضرت ﷺ کی ذات ہے)کی طرف مضاف ہے،اس لئے اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو (جمع کے اقتضا کے مطابق)کم ازکم تین ایسے افراد کو مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے جو آپؐ کے نفس کے زمرے میں آتے ہوں۔ کیا ''أنفسنا''،خود پیغمبر اکرم (ص)پر قابل انطباق ہے؟اگر چہ ''أنفسنا''میں لفظ نفس کا اطلاق اپنے حقیقی معنی میں صرف رسول اللہ ﷺ کے نفس مبارک پر ہے،لیکن آیہء شریفہ میں موجود قرائن کے پیش نظر ''أنفسنا''میں لفظ نفس کو خود آنحضرت ﷺ پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ قرائن حسب ذیل ہیں:ا۔ ''أنفسنا''،جمع ہے اور ہر فرد کے لئے نفس ایک سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ جملہء (فقل تعالوا ندع) آنحضرت ﷺ کو اس کے حقیقی معنی میں دعوت دینے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور حقیقی دعوت کبھی خود انسان سے متعلق نہیں ہوتی ہے، یعنی انسان خود کو دعوت دے، یہ معقول نہیں ہے۔ اس بناء پر، بعض لوگوں نے تصور کیا ہے کہ ''فطوّعت لہ نفسہ'' یا ''دعوت نفسی'' جیسے استعمال میں ''دعوت'' (دعوت دینا) جیسے افعال نفس سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ یہ اس نکتہ کے بارے میں غفلت کا نتیجہ ہے کہ یہاں پر یا تو یہ ''نفس'' خود انسان اور اس کی ذات کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، یا ''دعوت سے مراد'' (دعوت دینا) حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ''فطوّعت لہ نفسہ قتل أخیہ'' کی مثال میں نفس کا مقصود انسان کی نفسانی خواہشات ہے اور اس جملہ کا معنی یوں ہے ''اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے لئے اپنے بھائی کو قتل کرنا آسان کر دیا'' اور ''دعوت نفسی'' کی مثال میں مقصود اپنے آپ کو کام انجام دینے کے لئے مجبور اور آمادہ کرنا ہے اور یہاں پر دعوت دینا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ جو نفس سے متعلق ہو۔

۳۔ ''ندع'' اس جہت سے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے اس لئے نفس پر دلالت کرتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے، کہ دوسروں کو دعوت دینے والا خود مباہلہ کا محور ہو، اور وہ خود کو بھی دعوت دے دے۔

دوسرا محور:

مباہلہ میں اہل بیت رسول ﷺ کے حاضر ہونے کا مقصد پیغمبر اسلام ﷺ کو کیوں حکم ہوا کہ مباہلہ کرنے کے واسطے اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لائیں، جبکہ یہ معلوم تھا کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان دعویٰ ہے اور اس داستان میں ایک طرف خود پیغمبر ﷺ اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کے نمائندے تھے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد صرف آنحضرت ﷺ کی بات سچی ہونے اور ان کی دعوت صحیح ہونے کے سلسلہ میں لوگوں کو اطمینان و یقین دکھلانا تھا، کیونکہ انسان کے لئے اپنے عزیز ترین اشخاص کو اپنے ساتھ لانا صرف اسی صورت میں معقول ہے کہ انسان اپنی بات اور دعویٰ کے صحیح ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اور اس طرح کا اطمینان نہ رکھنے کی صورت میں گویا اپنے ہاتھوں سے

اپنے عزیزوں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور کوئی بھی عقلمند انسان ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چند اشخاص کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کے حوالے سے یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس خاندان کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا اور اس میں شرکت کرنا ان کے لئے کسی قسم کی فضیلت اور قدر و منزلت کا باعث نہیں ہو سکتا ہے، جبکہ آیہء شریفہ اور اس کے ضمن میں بیان ہونے والی احادیث میں غور و خوض کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ماجرا میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ہمراہ جانے والوں کے لئے ایک بڑی فضیلت ہے۔ اہل سنت کے ایک بڑے عالم علامہ زمخشری کہتے ہیں "وفیہ دلیل لا شیء اقویٰ منہ علی فضلہ اصحاب الکساء[1]" آیہء کریمہ میں اصحاب کساء (علیہم السلام) کی فضیلت پر قوی ترین دلیل موجود ہے" آلوسی کا روح المعانی میں کہنا ہے "و دلالتھا علی فضل آل اللہ و رسولہ ﷺ مما لا یمتری فیھا مؤمن و النصب جازم الایمان[2]" آیہ کریمہ میں آل پیغمبر ﷺ کہ جو آل اللہ ہیں ان کی فضیلت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فضیلت ایسے امور میں سے ہے کہ جن پر کوئی مؤمن شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے اور خاندان پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت ایمان کو نابود کر دیتی ہے"

اگرچہ آلوسی نے اس طرح کی بات کہی ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والی سطروں میں اس نے ایک عظیم فضیلت کو خاندان پیغمبر ﷺ سے موڑنے کی کوشش کی ہے[3]۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند متعال نے کیوں حکم دیا کہ اہل بیت علیہم السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے حاضر ہوں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم پھر سے آیہء شریفہ کی طرف پلٹتے ہیں (۔۔۔ فقل تعالوا ندع أبناءنا و أبناءکم و نساءنا و نساءکم وأنفسنا و أنفسکم ثمّ نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین) آیہء شریفہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے "أبناء"، "نساء" اور "أنفس" کو دعوت دینا اور پھر دعا کرنا اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا بیان ہوا ہے۔ آیہء مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کی فضیلت و عظمت کی بلندی مفسرین نے کلمہ "ابتھال" کو دعا میں تضرع یا نفرین اور لعنت بھیجنے کے معنی میں

---

[1] تفسیر الکشاف، ج۱، ص۳۷۰، دار الکتاب العربی، بیروت۔
[2] روح المعانی، ج۳، ص۱۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت
[3] اس کے نظریہ پر اعتراضات کے حصہ میں تنقید کریں گے۔

لیاہے اوریہ دونوں معنی ایک دوسرے سے منا فات نہیں رکھتے ہیں اور ''ابتہال''کے یہ دونوں معانی ہو سکتے ہیں۔

آیہء شریفہ میں دوچیزیں بیان کی گئی ہیں،ایک ابتہال جو ''نبتھل''کی لفظ سے استفادہ ہو تاہے اوردوسرے ''ان لوگوں پرخدا کی لعنت قراردیناجواس سلسلہ میں جھوٹے ہیں''(فنجعل لعنتاللہ علی الکاذبین)کا جملہ اس پردلالت کرتاہے اوران دونوں کلموں میں سے ہرایک کے لئے خارج میں ایک خاص مفہوم اورمصداق ہے دوسرا فقرہ جوجھوٹوں پرخداکی لعنت قراردیناہے پہلے فقرے ابتہال پر ''فاء''کے ذریعہ کہ جو تفریع اور سببیت کے معنی میں ہے عطف ہے۔لہذا،اس بیان کے پیش نظرپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کا تضرع (رجوع الی اللہ)ہےاور جھوٹوں پر خداکی لعنت اور عقوبت کامرتب ہونا اس کا معلول ہے،اوریہ ایک بلند مقام ہے کہ خداکی طرف سے کافروں کوہلاک کرنااورانھیں سزادیناپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ انجام پائے۔یہ مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت(علیہم السلام)کی ولایت تکوینی کی طرف اشارہ ہے،جوخداوند متعال کی ولایت کے برابر ہے۔اگرکہاجائے کہ:(فنجعل لعنتاللہ)میں ''فاء''اگرچہ ترتیب کے لئے ہے لیکن ایسے

مواقع پر ''فاء''کے بعدوالاجملہ اس کے پہلے والے جملہ کے لئے مفسر قرار پاتاہےاور وہ ترتیب کہ جس پر کلمہ ''فاء'' دلالت کرتا ہے وہ ترتیب ذکری ہے جیسے :(ونادیٰ نوح ربّہ فقال رب إن ابنی من أہلی[۱])'' اورنوح نے اپنے پروردگارکو آواز دی کہ پروردگارامیرافرزندمیری اہل سے ہے۔

یہاں پرجملہء''فقال۔۔''جملہ ''فنادیٰ''کوبیان (تفسیر)کرنے والاہے۔جواب یہ ہے:اولاً:جس پرکلمہ ''فاء''دلالت کرتاہے وہ ترتیب وتفریع ہے اوران دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ ''جن دوجملوں کے درمیان''فاء''نے رابطہ پیداکیاہے،ان دونوں جملوں کا مضمون ہے کہ دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پرمترتب ہے''اوریہ ''فاء''کاحقیقی معنی اورتفریع کالازمہ ہے۔یعنی ترتیب ذکری پر ''فاء''کی دلالت اس کے خارج میں دومضمون کی ترتیب کے معنی میں نہیں ہے،بلکہ لفظ اور کلام میں ترتیب ہے لہذا اگراس

---

[۱] ہود،۴۵

پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کلام کو اس پر حمل نہیں کر سکتے۔ اس صورت میں آیہء شریفہ آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لئے ایک عظیم مرتبہ پر دلالت رہی ہے کیونکہ ان کی دعا پیغمبر اسلام ﷺ کی دعا کے برابر ہے اور مجموعی طور پر یہ دعا اس واقعہ میں جھوٹ بولنے والوں پر ہلاکت اور عذاب الٰہی نازل ہونے کا باعث ہے۔

دوسرے یہ کہ: جملہء ''فنجعل لعنۃ اللہ'' میں مابعد ''فاء'' جملہء سابق یعنی ''نبتھل'' کے لئے بیّن اور مفسّر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ دعا کرنے والے کا مقصد خدا سے طلب کرنا ہے نہ جھوٹوں پر لعنت کرنا۔ اس صفت کے پیش نظر اس کو لعنت قرار دینا (جو ایک تکوینی امر ہے) پہلے پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے مستند ہے اور دوسرے ''فاء'' تفریع کے ذریعہ ان کی دعا پر متوقف ہے۔ گویا اس حقیقت کا ادراک خود نجران کے عیسائیوں نے بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم فخر رازی کی تفسیر میں ذکر کئے گئے حدیث کے ایک جملہ پر توجہ کرتے ہیں '': ۔فقال أسقف نجران: یا معشر النصاریٰ! إنّی لأری وجوهاً لو سألوا اللہ أن یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بها فلا تباهلوا فتهلکوا ولا یبقی علی وجہ الأرض نصرانیّ إلیٰ یوم القیامۃ۔[1] ''نجران کے (عسائی) پادریان نورانی چہروں کو دیکھ کر انتہائی متأثر ہوئے اور بولے اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹلنے کا مطالبہ کریں تو وہ ضرور اپنی جگہ سے کھسک جائیں گے۔ اس لئے تم ان سے مباہلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔''

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہء شریفہ کے مضمون میں درج ذیل امور واضح طور پر بیان ہوئے ہیں: ۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ، اپنے اہل بیت علیہم السلام کو اپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ آپ کے ساتھ اس فیصلہ کن دعا میں شریک ہوں اور مباہلہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے مشترک طور پر انجام پائے تاکہ جھوٹوں پر لعنت اور عذاب نازل ہونے میں مؤثر واقع ہو۔

---

[1] التفسیر الکبیر، فخر رازی، ج۸، ص۸۰، دار احیاء التراث العربی۔

۲۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت (ع) کا ایمان و یقین نیز آپ کی رسالت اور دعوت کا مقصد تمام لوگوں کے لئے واضح ہوگیا۔

۳۔اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کا بلند مرتبہ نیز اہل بیت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت دنیا والوں پر واضح ہوگئی۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ پیغمبر اسلام (ص) ''أبنائنا'' (اپنے بیٹوں) ''نساء نا'' (اپنی عورتوں) اور ''أنفسنا'' (اپنے نفسوں) میں سے کن کو اپنے ساتھ لاتے ہیں؟

تیسرا محور:

مباہلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ کس کو لے گئے شیعہ اور اہل سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لئے

علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو اپنے ساتھ نہیں لائے۔اس سلسلہ میں چند مسائل قابل غور ہیں: الف: وہ احادیث جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ب: ان احادیث کا معتبر اور صحیح ہونا۔ج۔اہل سنّت کی بعض کتابوں میں ذکر ہوئی قابل توجہ روایتیں۔ مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کے بارے میں حدیثیں ا۔اہل سنّت کی حدیثیں: چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر روئے سخن اہل سنّت کی طرف ہے لہذا اکثر انھیں کے منابع سے احادیث نقل کی جائیں گی۔نمونہ کے طور پر اس حوالے سے چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں: پہلی حدیث: صحیح مسلم[۱] سنن ترمذی[۲] اور مسند احمد[۳] میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے جس کی متفق اور مسلم لفظیں یہ ہیں'' حدثنا قتیبۃ بن سعید و محمد بن عباد قالا: حدثنا حاتم (و ہو ابن اسماعیل) عن بکیر بن مسمار، عن عامر بن سعد بن أبی وقاص، عن أبیہ، قال: أمر معاویہ بن أبی فیان سعداً

[۱] صحیح مسلم،ج۵،ص۲۳کتاب فضائل الصحابۃ،باب من فضائل علی بن ابیطالب،ح۳۲،موسسۂ عزالدین للطباعۃوالنشر
[۲] سنن ترمذی،ج۵،ص۵۶۵ دارالفکر
[۳] مسنداحمد،ج۱،ص۱۸۵،دارصادر،بیروت

فقال: ما منعک أن تسب أبا التراب؟ فقال: أمّا ما ذکرتُ ثلاثاً قالهن له رسوالله ﷺ فلن أسبّه ۔ لأن تکون لی واحدة منهن أحبّ إلیّ من حمر النعم ۔ سمعت رسول لله ﷺ یقول له لمّا خلفه فی بعض مغازیه فقال له علیّ: یا رسول الله، خلّفتنی مع النساء والصبیان؟ فقال له رسول الله ﷺ: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلة ہارون من موسیٰ إلّا انه لانبوة بعدی؟ و سمعتہ یقول یوم خیبر: لأعطینّ الرایة رجلاً یحب الله و رسوله و یحبه الله و رسوله۔ قال: فتطاولنا لہا ۔ فقال: أدعو الی علیاً فأتی به أرمد، فبصق فی عینه ودفع الرایة إلیه، ففتح الله علیه۔ ولمّا نزلت ہذه الآیة (فقل تعا لواندع ابناء ناوابناء کم) دعارسول اللہ۔ صلی الله علیه و سلم ۔علیاً وفاطمةوحسناً وحسیناً،فقال: اللّهمّ ہؤلاء أہلی''۔ ''قتیبہبن سعید اور محمد بن عباد نے ہمارے لئے حدیث نقل کی..... عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ (سعد بن ابی وقاص) سے کہ معاویہ نے سعد کو حکم دیا اور کہا: تمھیں ابوتراب (علی بن ابیطالب علیہ السلام) کو دشنام دینے اور برا بھلا کہنے سے کونسی چیز مانع ہوئی (سعد نے) کہا: مجھے تین چیزیں (تین فضیلتیں) یاد ہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے، لہذا میں انھیں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہوں گا۔ اگر مجھ میں ان تین فضیلتوں میں سے صرف ایک پائی جاتی تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب تر ہوتی: ا۔ میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے سنا ہے ایک جنگ کے دوران انھیں (حضرت علی علیہ السلام) مدینہ میں اپنی جگہ پر رکھا تھا اور علی (علیہ السلام) نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑ رہے ہیں؟ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہو جو ہارون کی (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ تھی، صرف یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا؟

۲۔ میں نے (رسول خدا ﷺ) سے سنا ہے کہ آپ نے روز خیبر علیؑ کے بارے میں فرمایا: بیشک میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا و رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول ﷺ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ (سعد نے کہا): ہم (اس بلند مرتبہ کے لئے) سر اٹھا کر دیکھ رہے تھے (کہ آنحضرت ﷺ اس امر کے لئے ہمیں مقرر فرماتے ہیں یا نہیں؟) اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا: علی (علیہ السلام) کو میرے پاس بلاؤ ۔ علی (علیہ السلام) کو ایسی حالات میں آپ کے پاس لایا گیا، جبکہ

ان کی آنکھوں میں درد تھا،آنحضرت ﷺ نے اپنا آب دہن ان کی آنکھوں میں لگا یا اور پرچم ان کے ہاتھ میں تھادیا اور خدائے متعال نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

۳۔جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی:(قل تعالوا ندع أبناء نا و أبناء کم و نساء نا و نساء کم و أنفسنا و أنفسکم۔۔۔)تو پیغمبر اکرم ﷺ نے علی،فاطمہ،حسن اور حسین(علیہم السلام)کوبلاکر فرمایا:خدایا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس حدیث سے قابل استفادہ نکات ا۔حدیث میں جوآخری جملہ آیاہے:''اللّٰھمّھؤلاءأھلی''خدایا!یہ میرے اہل ہیں،اس بات پردلالت کرتاہے''أبناء''،''نساء''اور''أنفس''جوآیہء شریفہ میںآئے ہیں،وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل ہیں۔

۲۔''أبناء''،''نساء''و''أنفس''میں سے ہرایک جمع مضاف ہیں(جیساکہ پہلے بیان کیاگیا)اس کا اقتضایہ ہے کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کواپنے خاندان کے تمام بیٹوں،عورتوں اور وہ ذات جو آپ کا نفس کہلاتی تھی،سب کومیدان مباہلہ میں لائیں،جبکہ آپؐ نے''أبناء''میں سے صرف حسن وحسین علیہما السلام کواور''نساء''سے صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہاکواور''أنفس''سے صرف حضرت علی علیہ السلام کواپنے ساتھ لایا۔اس مطلب کے پیش نظر جوآپؐ نے یہ فرمایا:''خدایا!یہ میرے اہل ہیں''اس سے معلوم ہوتاہے کہ آنحضرت ﷺ کے اہل صرف یہی حضرات ہیں اورآنحضرت ﷺ کی بیویاں اس معنی میںآپؐ کے اہل کے دائرے سے خارج ہیں۔

۳۔''اہل''اور''اہل بیت''کے ایک خاص اصطلاحی معنی ہیں جوپنجتن پاک کہ جن کوآل عبااوراصحاب کساء کہا جاتاہے،ان کے علاوہ دوسروں پر اس معنی کا اطلاق نہیں ہوتاہے۔یہ مطلب پیغمبر اسلام ﷺ کی بہت سی احادیث سے کہ جو آیہء تطہیر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری مناسبتوں سے بیان کی ہیں گئی بخوبی استفادہ کیا جاسکتاہے۔

دوسری حدیث :فخر رازی نے تفسیر کبیر میں آیہء مباہلہ کے ذیل میں لکھاہے''۱:روی أنہ علیہ السلام لمّا أورد الدلائل علی نصاری نجران،ثمّ إنّھم أصروا علی جہلھم، فقال علیہ السلام إن اللہ أمرنی إن لم تقبلوا الحجۃ أن أباہلکم ۔ فقالوا : یا أبا القاسم،بل نرجع فننظر فی أمرنا ثمّ نأتیک ۔ فلمنا رجعوا قالوا للعاقب وکان ذارأیھم :یا عبدالمسیح، ماتری؟ فقال: و اللہ لقد عرفتم یا معشر النصاری أن محمداً نبیّ مرسل و لقد جاء کم بالکلام الحق فی أمر صاحبکم و اللہ ما باہل قوم نبیاً قط فعاش کبیرہم و لا نبت صغیرہم! و لئن فعلتم لکان الاستئصال ،فإن أبیتم إلاّ الإصرار علی دینکم و الإقامۃ علی ما أنتم علیہ فوادعوا الرجل و انصرفوا إلی بلادکم ۔ و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج وعلیہ مرط من شعرأسود، وکان قد احتضن الحسین وأخذ بید الحسن، و فاطمہ تمشی خلفہ وعلی علیہ السلام خلفھا، و ہو یقول:إذا دعوت فأمّنوا فقال أسقف نجران: یا معشر النصاری!إنّی لأری وجوہاً لو سألوا اللہ أن یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بہا! فلاتباہلوا فتھلکوا، و لایبقی علی وجہ الأض نصرانیّ إلی یوم القیامۃ۔ ثمّ قالوا : یا أبا القاسم!رأینا أن لانباہلک و أن نقرّک علی دینک فقال : صلوات اللہ علیہ فإذا أبیتم المباہلۃ فاسلموا یکن لکم ما للمسلمین، و علیکم ما علی المسلمین، فأبوا، فقال: فإنّی أناجزکم القتال، فقالوا مالنا بحرب العرب طاقۃ، ولکن نصالک علی أن لاتغزونا و لاتردّنا عن دیننا علی أن نؤدّی إلیک فی کل عام ألفی حلّۃ:ألفاً فی صفر و ألفافی رجب، و ثلاثین درعاً عادیۃ من حدید، فصالحم علی ذلک۔ وقال: والّذی نفسی بیدہ إن الہلاک قد تدلّی علی أہل نجران، ولولاعنوا لمسخوا قردۃ و خنازیر و لاضطرم علیھم الوادی ناراً ولاستأ صل اللہ نجران وأہلہ حتی الطیر علی رؤس الشجر و لما حالا لحوال علی النصاری کلّھم حتی یہلکوا و روی أنّہ علیہ السلام لمّ خرج فی المرط الأسود فجاء الحسن علیہ السلام فأدخلہ، ثمّ جاء الحسین علیہ السلام فأدخلہ ،ثمّ فاطمۃ علیہا السلام ثمّ علی علیہ السلام ثمّ قال:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطھّرکم تطہیراً)واعلم أن ہذہ الروایۃ کالمتّفق علی صحتہا بین أہل التّفسیر والحدیث'' ۔ ''جب پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پردلائل واضح کردئے اور انہوں نے اپنی نادانی اور جہل پراصرار کیا،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :خدائے متعال نے مجھے حکم دیاہے اگرتم لوگوں نے دلائل کوقبول نہیں کیا توتمہارے ساتھ مباہلہ کروں گا ۔ ''(انہوں نے)کہا :اے اباالقاسم!ہم واپس

۱ تفسیرکبیرفخر رازی،ج۸،ص۸،داراحیاء التراث العربی۔

جاتے ہیں تاکہ اپنے کام کے بارے میں غوروفکر کرلیں،پھرآپکے پاس آئیں گے۔جب وہ (اپنی قوم کے پاس)واپس چلے گئے،انھوں نے اپنی قوم کےایک صاحب نظر کہ جس کا نام ''عاقب''تھا اس سے کہا :اے عبدالمسیح!اس سلسلہ میں آپ کانظریہ کیا ہے؟اس نے کہا :اے گروہ نصاریٰ!تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کوپہنچانتے ہواور جانتے ہووہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔اورآپ کے صاحب(یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام)کے بارے میں حق بات کہتے ہیں۔خداکی قسم کسی بھی قوم نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہیں کیا،مگر یہ کہ اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو گئے ۔چنانچہ اگرتم نے ان سے مباہلہ کیاتو سب کے سب ہلاک ہوجاؤگے۔ اس لئے اگراپنے دین پرباقی رہنے کے لئے تمھیں اصرار ہے توانہیں چھوڑکراپنے شہر واپس چلے جاؤ۔پیغمبراسلام ﷺ (مباہلہ کے لئے)اس حالت میں باہرتشریف لائے کہ حسین (علیہ السلام)آپکی آغوش میں تھے،حسن(علیہ السلام)کاہاتھ پکڑے ہوئے تھے،فاطمہ (سلام اللہ علیہا)آپکے پیچھے اور علی(علیہ السلام)فاطمہ کےپیچھے چل رہے تھے۔آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: ''جب میں دعامانگوں تو تم لوگ آمین کہنا ''،نجران کے پادری نے کہا :اے گروہ نصاریٰ!میں ایسے چہروں کودیکھ رہاہوں کہ اگرخداسے دعا کریں کہ پہاڑاپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا ۔لہذاان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا،ورنہ تم لوگ ہلاک ہوجاؤگےاور روی زمین پرقیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا : اے اباالقاسم! ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپؐ سے مباہلہ نہیں کریں گے۔پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اب جبکہ مباہلہ نہیں کررہے ہوتومسلمان ہوجاؤتاکہ مسلمانوں کے نفع ونقصان میں شریک رہو۔انہوں نے اس تجویزکوبھی قبول نہیں کیا ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا :اس صورت میں تمھارے ساتھ ہماری جنگ قطعی ہے۔انہوں نے کہا :عربوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔لیکن ہم آپ کے ساتھ صلح کریں گےتاکہ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں اور ہمیں اپنادین چھوڑنے پر مجبورنہ کریں گے،اس کے بدلہ میں ہم ہرسال آپ کودوہزارلباس دیں گے،ایک ہزار لباس صفرکے مہینہ میں اورایک ہزارلباس رجب کے مہینہ میں اورتیس ہزارآہنی زرہ اداکریں گے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تجویزکوقبول کر

لیااس طرح ان کے ساتھ صلح کرلی۔اس کے بعد فرمایا: قسم اس خداکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے،اہل نجران نابودی کے دہانے پرپہونچ چکے تھے،اگر مباہلہ کرتے توبندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہوجاتے اورجس صحرامیں سکونت اختیار کرتے اس میں آگ لگ جاتی اور خدا وند متعال نجران اوراس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتا،یہاں تک کہ درختوں پر موجودپرندے بھی ہلاک ہوجاتے اورایک سال کے اندراندرتمام عیسائی صفحہء ہستی سے مٹ جاتے۔روایت میں ہے کہ جب پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنی پشمی کالی رنگ کی عبا پہن کر باہرتشریف لائے(اپنے بیٹے)حسن (علیہ السلام)کوبھی اس میں داخل کر لیا،اس کے بعد حسین (علیہ السلام) آگئے انہیں بھی عبا کے نیچے داخل کیا اس کے بعد علی و فاطمہ (علیہا السلام) تشریف لائے اس کے بعد فرمایا: (إنما یرید اللہ) ''پس اللہ کاارادہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر طرح کی کثافت وپلیدی سے دوررکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کاحق ہے۔''علامہ فخر رازی نے اس حدیث کی صحت و صداقت کے بارے میں کہا ہے کہ تمام علماء تفسیر و احادیث کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ہے۔''

حدیث میں قابل استفادہ نکات:اس حدیث میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:۱۔اس حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کاحضور اس صورت میں بیان ہواہے کہ خودآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے آگے(حسین علیہ السلام)کوگود میں لئے ہوئے ،حسن(علیہ السلام)کاہاتھ پکڑے ہوئے جوحسین(علیہ السلام)سے قدرے بڑے ہیں اورآپکی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہاآپکے پیچھے اوران کے پیچھے(علیہ السلام) ہیں۔یہ کیفیت انتہائی دلچسپ اور نمایاں تھی۔کیونکہ یہ شکل ترتیب آیہء مباہلہ میں ذکرہوئی ترتیب و صورت سے ہم آہنگ ہے۔اس ہماہنگی کا درج ذیل ابعاد میں تجزیہ کیا جاسکتاہے:الف:ان کے آنے کی ترتیب وہی ہے جوآیہء شریفہ میں بیان ہوئی ہے۔یعنی پہلے ''أبناءنا ''اس کے بعد ''نساءنا ''اورپھرآخرپر ''أنفسنا ''ہے۔

ب:یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چھوٹے فرزند حسین بن علی علیہماالسلام کوآغوش میں لئے ہوئے اوراپنے دوسرے فرزند خورد سال حسن بن علی علیہماالسلام کاہاتھ پکڑے ہوئے ہیں،یہ آیہء شریفہ میں بیان ہوئے ''بناءنا ''کی عینی تعبیر ہے۔

ج۔بیچ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کاقرارپانااس گروہ میں ''نساء نا ''کے منحصربہ فردمصداق کے لئے آگے اورپیچھے سے محافظ قرار دیا جا نا،آیہء شریفہ میں ''نساء نا ''کی مجسم تصویر کشی ہے۔ ۲۔اس حدیث میں پیغمبراکرم ﷺ نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا:اذادعوت فأ منوا ''یعنی:جب میں دعاکروں توتم لوگ آمین کہنااوریہ وہی ا۔دعا کے بعد آمین کہنا،خدا متعال سے دعا قبول ہونے کی درخواست ہے۔ چیزہے جوآیہء مباہلہ میںآئی ہے:(نبتھل فنجعل لعنتاللہ علی الکاذبین)یہاں پر ''ابتھال ''(دعا)کوصرف پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی گئی ہے،بلکہ ''ابتھال ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعاکی صورت میں اورآپ کے ہمراہ آئے ہوئے اعزّہ واقرباکی طرف سے آمین کہنے کی صورت میں محقق ہونا چاہئے تاکہ (اس واقعہ میں)جھوٹوں پرہلاکت اور عقوبت الٰہی واقع ہونے کا سبب قرارپائے،جیساکہ گزر چکا ہے۔

۳۔گروہ نصارٰی کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و فضیلت کا اعتراف یہاں تک کہ ان کے نورانی و مقدس چہروں کو دیکھنے کے بعد مباہلہ کرنے سے انکار کردیا۔

تیسری حدیث:ایک اورحدیث جس میں ''أبناء نا ''،''نساء نا ''اور ''أنفسنا ''کی لفظیں صرف علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام پر صادق آتی ہیں،وہ حدیث ''مناشدیوم الشوریٰ ''ہے۔

اس حدیث میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام،اصحاب شوریٰ(عثمان بن عفان،عبدالرحمن بن عوف،طلحہ،زبیراورسعدبن ابی وقاص)سے کہ جس دن یہ شورٰی تشکیل ہوئی اورعثمان کی خلافت پرمنتج و تمام ہوئی،اپنے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اس طرح سے کہ ان تمام فضیلتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہیں خداکی قسم دیتے ہیں اور ان تمام فضیلتوں کو اپنی ذات سے مختص ہونے کاان سے اعتراف لیتے ہیں۔حدیث یوں ہے '':أخبر نا أبو عبد اللہ محمد بن إبرہم،أنا ابوالفضل أحمد بن عبدالمنعم بن أحمد ابن بندار، أنا أبوالحسن العتیقي، أنا أبوالحسن الدارقطني، أنا أحمد بن محمد بن سعید، أنا یحی بن ذکریا بن شیبان، أنا یعقوب بن سعید، حدثني مثنی أبو

عبداللہ،عن سفیان الثوری، عن أبن إسحاق السبیعی، عن عاصم بن ضمرۃ وہبیرۃ و عن العلاء بن صالح، عن المنہال بن عمرو، عن عباد بن عبداللہ الأسدی و عن عمرو بن و اثلۃ قالوا : قال علیّ بن أبی طالب یوم الشوری: واللہ لأحتجن علیہم بمالایستطیع قُریشہم و لا عربیّہم و لا عجمیّہم ردّہ و لا یقول خلافہ۔ ثمّ قال لعثمان بن عفان ولعبدالرحمن بن عوف و الزبیر و لطلحۃ وسعد و ہن أصحاب الشوری و کلّہم من قریش، و قد کان قدم طلحۃ أنشدکم باللہ الذی لا إلہ إلاّ ہو، أفیکم أحد وحد اللہ قبلی؟ قالوا :اللّہمّ لا ـ قال: أنشدکم باللہ، أفیکم أحد أخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم غیری، إذ آخی بین المؤمنین فأخی بینی و بین نفسہ و جعلنی منہ بمنزلۃ ہارون من موسی إلاّ أنی لست بنبیَ؟قالوا :لا ـ قال:أنشدکم باللہ،أفیکم مطھّر غیری،إذ سدّ رسول اللہ ﷺ أبوابکم و فتح بابی و کنت معہ فی مساکنہ و مسجدہ؟ فقام إلیہ عمّہ فقال: یا رسول اللہ، غلقت أبوابنا و فتحت باب علیّ؟ قال: نعم، اللہ أمر بفتح با بہ وسدّ أبوابکم !!! قالوا :اللّہمّ لا ـ قال: نشدتکم باللہ، أفیکم أحد أحب إلی للہ و إلی رسولہ منّی إذ دفع الرایۃ إلیّ یوم خیبر فقال : لأعطین الرایۃ إلی من یحب اللہ و رسولہ و یحبّہ اللہ و رسولہ، و یوم الطائر إذ یقول: ''اللّہمّ ائتنی بأحب خلقک إلیک یأکل معی''، فجئت فقال: ''اللّہمّ و إلی رسولک، اللّہمّ و إلی رسولک''[1] غیری؟ قالوا :اللّہمّ لا قال:نشدتکم باللہ، أفیکم أحد قدم بین یدی نجواہ صدقۃ غیری حتی رفع اللہ ذلک الحکم؟ قالوا : اللّہمّ لا ـ قال:نشدتکم باللہ، أفیکم من قتل مشرکی قریش و العرب فی اللہ و فی رسولہ غیری؟ قالوا :اللّہمّ لا ـ قال: نشدتکم باللہ، أفیکم أحد دعا رسول اللہ ﷺ فی العلم و أن یکون أذنہ الواعیۃ مثل ما دعالی؟ قالوا : اللّہمّ لا قال: نشدتکم باللہ، ہل فیکم أحد أقرب إلی رسول اللہ ﷺ فی الرحم و من جعلہ و رسول اللہ ﷺ نفسہ و إبناء أبناءہ وغیری؟ قالوا :اللّٰہم لا[2]۔اس حدیث کوعاصم بن ضمرۃ وہبیرۃ اورعمرو بن وائلہ نے حضرت (علی علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن یوں فرمایا '':خدا کی قسم بیشک میں تمہارے سامنے ایسے استدلال پیش کروں گا کہ اھل عرب و عجم نیز قریش میں سے کوئی شخص بھی اس کو مسترد نہیں کرسکتا اورنہ ھی اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے۔ میں تمھیں اس خدا کی قسم دلاتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے،کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے خدائے واحد کی پرستش کی ہو۔؟

---

[1] شائدمقصودیہ ہوکہ''خداوندا!تیرے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے نزدیک بھی محبوب ترین مخلوق علی(علیہ السلام ہیں۔''

[2] تاریخ مدینہ دمشق،ج۴۲،ص۴۳۱،دار الفکر

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے! نہیں۔ آپ(ع) نے فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیاتم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جو رسول ﷺ کا بھائی ہو،جب (آنحضرت ﷺ نے) مؤمنین کے درمیان اخوت اوربرادری برقرار کی،اور مجھے اپنا بھائی بنایا اور میرے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ: ''تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کی موسی سے تھی سوائے اس کے کہ میں نبی نہیں ہوں''۔انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جسے پاک وپاکیزہ قرار دیا گیا ہو،جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھارے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف بند کردئیے تھے اور میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور میں مسکن ومسجد کے سلسلہ میںآنحضرت ﷺ کے ساتھ (اور آپؐ کے حکم میں) تھا،چچا (حضرت) عباس اپنی جگہ اٹھے اور کہا :اے اللہ کے رسول !ہمارے گھروں کے دروازے بند کر دئیے اور علی(علیہ السلام)کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا: یہ خدائے متعال کی طرف سے ہے کہ جس نے ان کے دروازہ کو کھلا رکھنے اور آپ لوگوں کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے،نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں،کیا تمہارے درمیان کوئی ہے جسے خدا اور رسول مجھ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں،جبکہ پیغمبر ﷺ نے خیبر کے دن علم اٹھا کر فرمایا ''بیشک میں علم اس کے ہاتھ میں دونگا جو خدا اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور جس دن بھنے ہوئے پرندہ کے بارے میں فرمایا: ''خدایا! میرے پاس اس شخص کو بھیج جسے تو سب سے زیادہ چاہتا ہے تاکہ وہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔''اور اس دعا کے نتیجہ میں،میں آگیا۔ میرے علاوہ کون ہے جس کے لئے یہ اتفاق پیش آیا ہو؟انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے،نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس نے پیغمبر سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا ہو،یہاں تک کہ خدائے وند متعال نے اس حکم کو منسوخ کر دیا؟ انہوں نے کہا۔ خدا شاہد ہے نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس نے قریش اور عرب کے مشرکین کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں قتل کیا ہو؟انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے،نہیں۔

www.kitabmart.in

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جس کے حق میں پیغمبر اکرم ﷺ (افزائش) علم کے سلسلہ میں دعاکی ہواوراذن واعیہ(گوش شنوا) کا خدا سے مطالبہ کیاہو،جس طرح میرے حق میں دعاکی؟انہوں نے کہا:خدا گواہ ہے،نہیں۔فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے،کیا تم لوگوں میں کوئی ہے جوپیغمبر اکرم ﷺ سے رشتہ داری میں مجھ سے زیادہ نزدیک ہواورجس کوپیغمبر خدا ﷺ نے اپنا نفس،اس کے بیٹوں کواپنے بیٹے کہاہو؟انہوں نے کہا:خدا گواہ ہے،نہیں۔''

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد،کہ جنھیں پیغمبر اکرم ﷺ اپنے ساتھ لائے تھے وہ،علی،فاطمہ،حسن،وحسین (علیہم السلام) کی ذات تک محدود ہیں۔

حدیث کا معتبرراور صحیح ہونا: اہل سنت کی احادیث کے بارے میں ہم صرف مذکورہ احادیث ہی پر اکتفا کرتے ہیں،اوران احادیث کے مضمون کی صحت کے بارے میں یعنی مباہلہ میں صرف پنجتن آل عبا (پیغمبرؐ کے علاوہ علی،فاطمہ حسن وحسین علیہم السلام) ہی شامل تھے اس حوالے سے صرف حاکم نیشاپوری کے درج ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:وہ اپنی کتاب ''معرفۃعلوم الحدیث''[1]میں پہلے آیہء مباہلہ کے نزول کوابن عباس سے نقل کرتاہے اور وہ انفسنا سے حضرت علی علیہ السلام،''نساء نا'' سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہااور ''أبناء نا'' سے حسن وحسین علیہما السلام مراد لیتا ہے۔اس کے بعدابن عباس اور دوسروں سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی روایتوں کومتواتر جانتے ہوئے کہ اہل بیت(ع) کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش: ''ہؤلاء أبناء ناوأنفسنا ونساء نا'' کے سلسلہ میں یاددہانی کراتاہے۔چنانچہ اس باب میں اصحاب کے ایک گروہ جیسے جابربن عبداللہ،ابن عباس اور امیرالمؤمنین کے حوالے سے مختلف طرق سے احادیث نقل ہوئی ہیں،اس مختصرکتاب میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے،

[1] معرفۃ علوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

اس لئے ہم حاشیہ میں بعض ان منابع کی طرف اشارہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں[1]۔ شیعہ امامیہ کی احادیث شیعہ روایتوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں بہت سی فراوان احادیث موجود ہیں،یہاں پر ہم ان میں سے چند احادیث کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

پہلی حدیث امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ،جب نجران کے عیسائی پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آئے،ان کی نماز کا وقت ہو گیا وہیں پر گھنٹی بجائی اور (اپنے طریقہ سے)نماز پڑھنا شروع کیا۔اصحاب نے کہا :اللہ کے رسول یہ لوگ آپکی مسجد میں یوں عمل کررہے ہیں!آپ نے فرمایا :انھیں عمل کرنے دو۔جب نماز سے فارغ ہوئے،پیغمبر اکرم ﷺ کے قریب آئے اور کہا :ہمیں آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟

آپ نے فرمایا :اس کی دعوت دیتا ہوں کہ،خدائے واحد کی پرستش کرو،میں خدا کا رسول ہوں اور عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے مخلوق ہیں وہ کھاتے اور پیتے ہیں نیز قضائے حاجت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا :اگر وہ خدا کے بندے ہیں تو اس کا باپ کون ہے؟ پیغمبر خدا ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ اے رسول ان سے کہدیجئے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟وہ خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور کھاتے اور پیتے ہیں۔اور نکاح کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا :اگر خدا کے ہر بندے اور مخلوق

---

[1] احکام القرآن ،جصاص،ج۲،ص۱۴دار الکتاب العربی بیروت، اختصاص مفید،ص۵۶،من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ، اسباب النزول ،ص۶۸،دار الکتب العلمیۃ بیروت،اسد الغابۃ،ج۴،ص۲۵،داراحیاء التراث العربی بیروت الا صابہ،ج۲،جزء ۴،ص۲۷۱، البحر المحیط،ج۳،ص۴۷۹،داراحیاء التراث العربی بیروت،البدایۃ و النہایۃ،ج۵،ص۴۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت، البرھان،ج۱،ص۲۸۹، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، التاج الجامع للاصول،ج۳،ص۳۳۳،داراحیاء التراث العربی بیروت، تاریخ مدینہ دمشق،ج۴۲،ص۱۳۴، دار الفکر، تذکرہ خواص الامۃ،ص۱۷، چاپ نجف، تفسیر ابن کثیر،ج۱،ص۳۷۸،دار النعرفۃ بیروت،تفسیر بیضاوی،ج۱،ص۱۶۳،دار الکتب العلمیۃ بیروت،تفسیر خازن(الباب التأویل)،ج۱،ص۲۳۶،دار الفکر، تفسیر الرازی،ج۸،ص۸۰،داراحیاء التراث العربی بیروت،تفسیر السمر قندی(بحر العلوم)،ج۱ص،۲۷۴دار الکتب العلمیۃ بیروت،تفسیر طبری،ج۳،ص۳۰۱۔۲۹۹،دالفکر،تفسیر طنطاوی،ج۲،ص۱۳۰،دار المعارف القاہرۃ، تفسیر علی بن ابراہیم قمی ،ج۱،ص۱۰۴، تفسیر الماوردی،ج۱،ص۳۸۹و۳۹۹،مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ،دار الکتب العلمیۃبیروت، التفسیر المنیر،ج۳،ص۲۴۹،۲۴۸،۲۴۵،دار الفکر، تفسیر النسفی(درحاشیہء خازن)،ج۱،ص۲۳۶،دار الفکر،تفسیر

[2] النیشابوری،ج۳،ص۲۱۳،دار المعرفۃ بیروت،تلخیص المستدرک،ج۳،ص۱۵۰،دار المعرفۃ بیروت،جامع احکام لقرآن،قرطبی،ج۴،ص۱۰۴،دار الفکر، جامع الاصول،ج۹،ص۴۶۹داراحیاء التراث العربی،الجامع الصحیح للترمذی،ج۵،ص۵۹۶،دار الفکر، الدر المنثور،ج۲،ص۲۳۳۔۲۳۰،دار الفکر، دلائل النبوۃ ابونعیم اصفہانی،ص۲۹۷، ذخائر لعقبی،ص۲۵،مؤسسۃ الوفاء بیروت، روح المعانی،ج۳،ص۱۸۹،داراحیاء التراث العربی، الریاض النضرۃ،ج۳،ص۱۳۴،دار الندوۃ الجدید بیروت، زاد المسیر فی علم التفسیر،ج۱،ص۳۳۹،دار الفکر، شواہد التنزیل،حاکم حسکانی،ج۱،ص۱۶۷۔۱۵۵،مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیۃ، صحیح مسلم،ج۵،ص۲۳،کتاب فضائل الصحابۃ،باب فضائل علی بن ابی طالب ،ح۳۲،مؤ سسۃ عزّالدین، الصواعق المحرقۃ،ص۱۴۵،مکتبۃ القاہرۃ، فتح القدیر،ج۱،ص۳۱۶،ط مصر (بہ نقل احقاق)، فرائد السمطین،ج۲،ص۲۴،۲۳،مؤ سسۃ المحمودیبیروت، الفصول المہمۃ،ص۲۵۔۱۲۶،۲۳۔۱۲۷،منشورات الاعلمی، کتاب التسہیل لعلوم التنزیل ،ج۱،ص۱۰۹،دار الفکر، الکشاف،ج۱،دار المعرفۃ بیروت، مدارج النبوۃ،ص۵۰۰بمبئی(بہ نقل احقاق)،المستدرک علی الصحیحن،ج۳،ص۱۵۰،دار العرفۃبیروت،مسند احمد،ج۱،ص۱۸۵،دار صادربیروت، مشکوۃ المصابیح،ج۳،ص۱۷۳۱،المکتب الاسلامی، مصابیح السنۃ،ج۴،ص۱۸۳،دار المعرفۃ بیروت، مطالب السؤل،ص۷،چاپ تہران، معالم التنزیل ،ج۱،ص۴۸۰،دار الفکر، معرفۃ اصول الحدیث،ص۵۰،دار الکتب العلمیۃ بیروت، مناقب ابن مغازلی ،ص۲۶۳،المکتبۃ الاسلامیۃ تہران

کے لئے کوئی باپ ہونا چاہئے توآدم علیہ السلام کا باپ کون ہے؟وہ جواب دینے سے قاصر رہے۔خدائے متعال نے درج ذیل دوآیتیں نازل فرمائیں:(إن مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ۔۔۔ فمن حاجّک فیہ من بعد ما جاء ک من العلم قل تعالوا ندع أبناء نا وأبناء کم ونساء نا ونساء کم وأنفسنا وأنفسکم[1]) "عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہوجا تو وہ پیدا ہوگئے۔اے پیغمبر!علم کے آجانے کے بعد جولوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہد یجئے کہ ٹھیک ہے تم اپنے فرزند،اپنی عورتوں اوراپنے نفسوں کو بلاؤاور ہم بھی اپنے فرزند،اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں پھر خدا کی بارگاہ میں دونوں ملکر دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں" پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے ساتھ مباہلہ کرو،اگر میں نے سچ کہا ہوگا توتم لوگوں پرعذاب نازل ہوگااوراگر میں نے جھوٹ کہا ہوگا تو مجھ پر عذاب نازل ہوگا"انہوں نے کہا:آپ نے منصفانہ نظریہ پیش کیاہے اور مباہلہ کوقبول کیا۔جب وہ لوگ اپنے گھروں کولوٹے،ان کے سرداروں نے ان سے کہا:اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے ہمراہ مباہلہ کے لئے تشریف لائیں،تووہ پیغمبر نہیں ہیں،اس صورت میں ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں گے،لیکن اگر وہ اپنے اہل بیت (علیہم السلام)اوراعزہ کے ہمراہ تشریف لائیں توہم ان کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔

صبح کے وقت جب وہ میدان مباہلہ میںآگئے تودیکھاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔اس وقت انہوں نے پوچھا:یہ کون لوگ ہیں؟ان سے کہاگیا:وہ مردان کاچچا زاد بھائی اورداماد علی بن ابیطالب ہیں اور وہ عورت ان کی بیٹی فاطمہ ہے اوروہ دو بچے حسن اور حسین (علیہما السلام)ہیں۔انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: "ہم آپ کی رضایت کے طالب ہیں۔ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ صلح کی اورطے پایاکہ وہ جزیہ اداکریں[2]دوسری حدیث سید بحرانی، تفسیر "البرہان"میں ابن بابویہ سے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں": حضرت(امام رضا علیہ السلام)نے مامون اور علماء کے ساتھ(عترت وامت میں فرق اورعترت کی امت پر فضیلت کے

---

[1] آل عمران،۶۱

[2] تفسیر علی بن ابراھیم،مطبعۃ النجف ،ج۱،ص۱۰۴،البرہان ج۱،ص۲۸۵

بارے میں)اپنی گفتگو میں فرمایا:جہاں پر خدائے متعال ان افراد کے بارے میں بیان فرماتاہے جو خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں،اور خدااپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کو حکم دیتاہے کہ مباہلہ کے لئے اپنے اہل بیت کو اپنے ساتھ لائیں اور فرماتاہے:(فقل:تعالوا ندع أبناء نا وأبناء کم ونساء نا ونساء کم وأنفسنا وأنفسکم)علماء نے حضرت سے کہا: آیہ میں ''أنفسنا'' سے مراد خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں!امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔بلکہ ''أنفسنا'' سے مراد علی بن ابیطالب(علیہ السلام)ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی ولیعہ سے فرمایا: ''أولأبعثن إلیھم رجلاً کنفسی''،یعنی:''بنی ولیعہ کواپنے امورسے دست بر دار ہو جا نا چاہئے،ورنہ میں اپنے مانندایک مردکوان کی طرف روانہ کروں گا۔''''أبنا ءنا'' کے مصداق حسن وحسین(علیہما السلام)ہیں اور ''نساء نا'' سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا)ہیں اوریہ ایسی فضیلت ہے،جس تک کوئی نہیں پہونچ سکااوریہ ایسی بلندی ہے جس تک انسان کاپہنچنااس کے بس کی بات نہیں ہے اوریہ ایسی شرافت ہے جسے کوئی حاصل نہیں کر سکتاہے۔یعنی علی(علیہ السلام)کے نفس کواپنے نفس کے برابر قرار دیا[1]۔

تیسری حدیث اس حدیث میں،ہارون رشید،موسی بن جعفر علیہ السلام سے کہتاہے:آپ کس طرح اپنے آپ کوپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جانتے ہیں جبکہ انسانی نسل بیٹے سے پھیلتی ہے اورآپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے ہیں؟امام (علیہ السلام)نے اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہی ۔ہارون نے کہا:اس مسئلہ میںآپ کواپنی دلیل ضرور بیان کرنا ہوگی آپ فرزندان،علی علیہ السلام کا یہ دعوی ہے آپ لوگ قرآن مجید کا مکمل علم رکھتے ہیں نیز آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کاایک حرف بھی آپ کے علم سے خارج نہیں ہے اوراس سلسلہ میں خداوندمتعال کے قول:(ما فرّطنا فی الکتاب من شیء[2]) سے استدلال کرتے ہیں اوراس طرح علماء کی رائے اوران کے قیاس سے اپنے آپ کوبے نیاز جانتے ہو!حضرت(امام موسی کاظم علیہ السلام)نے ہارون کے جواب میں اس آیہء شریفہ کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوحضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت بتایاگیا ہے:(و من ذرّیتہ داود و سلیمان

---

[1] تفسیر البرہان،ج۱،ص۲۸۹،مؤسسہء مطبو عاتی اسما عیلیان
[2] انعام۳۸

و أیوب و یوسف و موسی و ہارون و کذٰلک نجزی المحسنین زکریا و یحی و عیسی وإلیاس[1]۔۔)اورپھرابراھیم کی اولاد میں داؤد،سلیمان،ایوب،یوسف،موسیٰ اورہارون قراردیا اورہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کوجزادیتے ہیں۔اورزکریا،یحیٰ،عیسیٰ اورالیاس کو بھی رکھاجوسب کے سب نیک عمل انجام دینے والے ہیں ۔ ''اس کے بعد امام (علیہ السلام)نے ہارون سے سوال کیا :حضرت عیسیٰ(علیہ السلام)کاباپ کون تھا؟اس نے جواب میں کہا :عیسیٰ(علیہ السلام)بغیرباپ کےپیدا ہوئے ہیں۔امام (ع)نے فرمایا:جس طرح خدائے متعال نے جناب عیسی کوحضرت مریم(سلام اللہ علیہا)کے ذریعہ ذریت انبیاء(علیہم السلام)سے ملحق کیاہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہاکے ذریعہ پیغمبراکرم ﷺسے ملحق فرمایاہے۔

اس کے بعد حضرت(ع)نے ہارون کے لئے ایک اور دلیل پیش کی اور اس کے لئے آیہء مباہلہ کی تلاوت کی اور فرمایا :کسی نے یہ دعوی نہیں کیاہے کہ مباہلہ کے دوران پیغمبراکرم ﷺنے علی،فاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اورکو زیرکساء داخل کیاہو۔اس بناء پر آیہء شریفہ میں''أبناء نا ''سے مرادحسن وحسین(علیہما السلام)''نساء نا ''سے مرادفاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور ''أنفسنا ''سے مرادعلی علیہ السلام ہیں[2]۔

چوتھی حدیث اس حدیث میں کہ جسے شیخ مفیدنے ''الاختصاص ''میں ذکرکیاہے۔موسی بن جعفرعلیہ السلام نے فرمایا:پوری امت نے اس بات پراتفاق کیاہے کہ جب پیغمبراکرم ﷺنے اہل نجران کومباہلہ کے لئے بلایا تو زیرکساء(وہ چادر جس کے نیچے اہل بیت رسولؐ تشریف فرما تھے)علی،فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔اس بناء پرخدائے متعال کے قول:(فقل تعالوا ندع أبناء نا و أبناء کم و نساء نا و نساء کم و أنفسنا و أنفسکم)میں''أبناء نا ''سے حسن وحسین(علیہما السلام)''نساء

[1] انعام،۸۴۔۵
[2] البرہان ،ج۱،ص۲۸۹،مؤسسہ مطبو عاتی اسماعیلیان

نا ‘‘سے فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ’’أنفسنا ‘‘ سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں[1]۔ شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا سے ایک گفتگو صاحب تفسیر ’’المنار‘‘ پہلے تو فرماتے ہیں کہ ’’روایت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہلہ کے لئے علی (ع) وفاطمہ (س) اوران کے دو نوں بیٹوں کہ خدا کا ان پر درود و سلام ہو کا انتخاب کیا اور انھیں میدان میں لائے اور ان سے فرمایا: ’’اگر میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا ‘‘ روایت کو جاری رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ مسلم اور ترمذی کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں :استاد امام (شیخ محمد عبدہ) نے کہا ہے: اس سلسلہ میں روایتیں متفق علیہ ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباہلہ کے لئے علی (ع) فاطمہ (س) اوران کے بیٹوں کو منتخب کیا ہے اور آیہء شریفہ میں لفظ ’’نساءنا ‘‘ فاطمہء کے لئے اور لفظ ’’أنفسنا ‘‘ کا استعمال علی کے لئے ہوا ہے۔

لیکن ان روایتوں کا سرچشمہ شیعہ منابع ہیں (اور انہوں نے یہ احادیث گھڑلی ہیں) اور اس سے ان کا مقصد بھی معلوم ہے۔ وہ حتی الامکان ان احادیث کو شائع و مشہور کرنا چاہتے ہیں اور ان کی یہ روش بہت سے سنّیوں میں بھی عام ہو گئی ہے! لیکن جنہوں نے ان روایتوں کو گھڑا ہے، وہ ٹھیک طریقہ سے ان روایتوں کو آیتوں پر منطبق نہیں کر سکے ہیں کیونکہ لفظ ’’نساء ‘‘ کا استعمال کسی بھی عربی لغت میں کسی کی بیٹی کے لئے نہیں ہوا ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ خود اس کی بیویاں موجود ہوں، اور یہ عربی لغت کے خلاف ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ ’’أنفسنا ‘‘ سے مراد علی (ع) کو لیا جائے[2] استاد محمد عبدہ کی یہ بات کہ جن کا شمار بزرگ علماء اور مصلحین میں ہوتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے ان روایتوں کی کثرت اور ان کے متفق علیہ ہونے کو تسلیم کیا ہے، پھر بھی انھیں جعلی اور من گھڑت کہا ہے۔

کیا ایک عام مسلمان، چہ جائیکہ ایک بہت بڑا عالم اس بات کی جرائت کر سکتا ہے کہ ایک ایسی حقیقت کو آسانی کے ساتھ جھٹلا دے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح و معتبر سنّت میں مستحکم اور پائدار بنیاد رکھتی ہو؟! اگر معتبر صحاح اور مسانید میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل ہوئی ہے وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں کہ جو اہل سنّت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد دو معتبر ترین کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی

[1] المنار، ج ۳، ص۳۲۲، دار المعرفۃ بیروت
[2] الاختصاص، ص۵۶، من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ

ہے،اس طرح بے اعتبارکی جائے،تومذاہب اسلامی میں ایک مطلب کوثابت کرنے یامستردکرنے کے سلسلہ میں کس منبع و ماخذپراعتماد کیا جا سکتا ہے ؟اگر ائمہ مذاہب کی زبانی متوا تراحادیث معتبرنہیں ہو ں گی توپھرکونسی حدیث معتبرہوگی؟! کیاحدیث کوقبول اورمستردکرنے کے لئے کوئی قاعدہ و ضابط ہے یاہرکوئی اپنے ذوق وسلیقہ نیزمرضی کے مطابق ہرحدیث کوقبول یامستردکرسکتاہے؟کیایہ عمل سنّت رسول ﷺ کے ساتھ زیادتی اوراس کامذاق اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟شیخ محمد عبدہ نے آیہء شریفہ کے معنی پردقت سے توجہ نہیں کی ہے اورخیال کیاہے کہ لفظ ''نساء نا''حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا)کے بارے میں استعمال ہواہے۔جبکہ''نساء نا''خوداپنے ہی معنی میں استعمال ہواہے،رہاسوال رسول خدا ﷺ کی بیویوں کا کہ جن کی تعداداس وقت نو تھی ان میں سے کسی ایک میں بھی وہ بلند مرتبہ صلاحیت موجودنہیں تھی اورخاندان پیغمبر ﷺ میں تنہاعورت،جوآپؐ کے اہل بیت میں شمارہوتی تھیں اورمذکورہ صلاحیت کی مالک تھیں،حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) تھیں،جنھیںآنحضرت ﷺ اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے۔ انفسنا''کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بحث ہوچکی ہے انشا اللہ بعد والے محور میں

بھی اس پرتفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔[1]

ایک جعلی حدیث اوراہل سنّت کااس سے انکارمذکورہ روایتوں سے ایک دوسرامسئلہ جوواضح ہوگیاوہ یہ تھاکہ خامس آل عبا (پنجتن پاک علیہم السلام)کے علاوہ کوئی شخص میدان مباہلہ میں نہیں لایاگیا تھا۔مذکورہ باتوں کے پیش نظربعض کتابوں میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کی گئی روایت کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہے،جس میں کہاگیاہے کہ پیغمبراکرم ﷺ ابوبکراوران کے فرزندوں،عمراوران کے فرزندوں،عثمان اوران کے فرزندوں اورعلی علیہ السلام اوران کے فرزندوں کواپنے ساتھ لائے تھے۔ ایک تویہ کہ علماء و محققین،جیسے آلوسی کی روح المعانی!میباداہانی کے مطابق،یہ حدیث جمہورعلماء کی روایت کے خلاف ہے،اس لئے قابل اعتماد نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی سندمیں چند ایسے افرادہیں جن پرجھوٹے ہونے کاالزام ہے،جیسے:سعیدبن عنبسہ رازی،کہ

---

[1] اس سلسلہ میں بحث ،آیہء تطہیرکی طرف رجوع کیا جائے ۔

ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال[1] میںیحییٰ بن معین کے حوالے سے کہاہے کہ: ''وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے''اورابوحاتم نے کہاہے کہ: ''وہ سچ نہیں بولتاہے۔''اس کے علاوہ اس کی سند میںھیثم بن عدی ہے کہ جس کے بارے میں ذہبی کا سیرا علام النبلاء میں کہناہے:ابن معین اورابن داؤدنے کہاہے: ''وہ انتہائی جھوٹ بولنے والاہے''اس کے علاوہ نسائی اوردوسروں نے اسے متروک الحدیث جانا ہے۔افسوس ہے کہ مذکورہ جعلی حدیث کا جھوٹا مضمون حضرت امام صادق اورحضرت امام باقر (علیہما السلام)سے منسوب کر کے نقل کیاگیاہے!

چھوتھا محور علی(ع)نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیںگزشتہ بحثوں میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ ''أنفسنا''سے مراد کاخودپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوسکتے ہیں اورچونکہ مذکورہ احادیث کی بناء پرمباہلہ میں شامل ہونے والے افراد میں صرف علی،فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام تھے،لہذاآیہء شریفہ میں ''أنفسنا''کامصداق علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتاہے۔یہ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی واضح بلکہ برترین فضیلتوں میں سے ہے۔قرآن مجیدکی اس تعبیرمیں علی علیہ السلام نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے پہنچوائے گئے ہیں۔چونکہ ہرشخص کاصرف ایک نفس ہوتا ہے،اس لئے حضرت علی علیہ السلام کاحقیقت میں نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بے معنی ہے۔معلوم ہوتاہے کہ یہ اطلاق،اطلاق حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مانند اور مماثلت ہے۔چونکہ یہاں پریہ مماثلت مطلق ہے اس لئے اس اطلاق کاتقاضاہے کہ جوبھی خصوصیت اور منصبی کمال پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں موجود ہے وہ حضرت علی علیہ السلام میں بھی پایاجانا چاہئے،مگر یہ کہ دلیل کی بناء پرکوئی فضیلت ہو،جیسے آپ پیغمبر نہیں ہیں۔

رسالت و پیغمبری کے علاوہ دوسری خصوصیات اورکمالات میں آپ رسول کے ساتھ شریک ہیں،من جملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے قیادت وزعامت اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سارے جہاں،یہاں تک گزشتہ انبیاء پرافضلیت۔اس بناء پرآیہء شریفہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پردلالت کرنے کے علاوہ بعد از پیغمبر ان کی امت کے علاوہ تمام دوسرے انبیاء سے بھی افضل ہونے

[1] میزان الاعتدال،ج۲،ص۱۵۴،دارالفکر

پر دلالت کرتی ہے۔آیت کے استدلال میں فخررازی کا بیان فخررازی نے تفسیر کبیرمیں لکھاہے'':شہرری میں ایک شیعہ اثناعشری شخص،یا معلم تھا اس کاخیال تھاکہ حضرت علی(علیہ السلام)حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء(علیہم السلام)سے افضل وبرترہیں،اوریوں کہتا تھا:جوچیزاس مطلب پردلالت کرتی ہے،وہ آیہء مباہلہ میں خداوندمتعال کا یہ قول(وأنفسنا وأنفسکم)ہے کیونکہ ''أنفسنا'' سے مرادپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں،کیونکہ انسان خودکونہیں پکارتاہے۔اس بناء پر نفس سے مرادآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہے اوراس بات پر اجماع ہے کہ نفس سے مرادعلی بن ابیطالب(علیہ السلام) ہیں لہذاآیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس علی(علیہ السلام)سے مراد درحقیقت نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے،اس لئے نا چار آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس علی نفس رسول کے مانندہے اوراس کالازمہ یہ ہے کہ ا۔یہ بزرگ مرد،کہ جس کے بارے میں فخررازی نےیوں بیان کیاہے،جیسے کہ اس کی زندگی کے حالات کی تشریح کتابوں میں کی گئی ہے،شیعوں کے ایک بڑے مجتہداورعظیم عقیدہ شناس اورفخر رازی کے استاد تھے۔مرحوم محدث قمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:شیخ سدید الدین محمودبن علی بن الحسن حمصی رازی،علاّمہ فاضل،متکلم اور علم کلام میں کتاب ''التعلیق العراقی''کے مصنف تھے۔شیخ بہائی سے ایک تحریرکے بارے میں روایت کرتاہے کہ وہ شیعہ علماء ومجتہدین میں سے تھے اورری کے حمص نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے،کہ اس وقت وہ گاؤں ویران ہوچکاہے[1]۔

مرحوم سیدمحسن امین جبل عاملی کتاب''التعلیق العراقی،یاکتاب المنقذ من التقلید''کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لکھا گیا تھا:''أنہامن إملاء مولانا الشیخ الکبیر العالم سدید الدین حجتا لاسلام والمسلمین لسان الطائفتوا لمتکلمین اسد المناظرین محمودبن علی بن الحسن الحمصی ادام اللہ فی العزّبقاء ہ وکبت فی الذّل حسدتہ واعداہ''یعنی:یہ نسخہ استاد بزرگ اوردانشورسدیدالدین حجتا لاسلام والمسلمین، مذہب شیعیت کے ترجمان اور متکلمین،فن مناظرہ کے ماہر محمود بن علی بن الحسن الحمصی کااملا ہے کہ خدائے متعال اس کی عزت کو پائدار بنادے اور اس کے حاسدوں اور دشمنوں کو نابودکردے[2]۔

---

[1] سفینۃ البحار،ج۱،ص۳۴۰،انتشارات کتاب خانہ محمودی

[2] اعیا الشیعہ ،ج۱۰،ص۱۰۵،دارالتعارف للمطبو عات،بیروت

فیروزآبادی کتاب ''القاموس المحیط''میں کہتاہے: ''محمودبن الحمصی متکلم اخذ عنہ الامام فخر الدین''[1]،فیروزآبادی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم عقیدہ شناس فخررازی کا استاد تھالیکن فخررازی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ نفس تمام جہت سے اس نفس کے برابرہے۔اوراس کلیت سے صرف دوچیزیں خارج ہیں:ایک نبوت اوردوسرے افضلیت،کیونکہ اس پر سب کااتفاق ہے کہ علی(علیہ السلام)پیغمبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پیغمبر ﷺ سے افضل ہیں۔ان ومطالب کے علاوہ،دوسرے تمام امور ومسائل میں یہ اطلاق اپنی جگہ باقی ہے اوراس پراجماع ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے الٰہی سے افضل ہیں،لہذا علی(علیہ السلام)بھی ان سب سے افضل ہوں گے۔''مزید اس نے کہاہے'':اس استدلال کی ایک ایسی حدیث سے تائید ہوتی ہے،جس کو موافق ومخالف سب قبول کرتے ہیں اوروہ حدیث وہ قول پیغمبراکرم ﷺ ہے کہ جس میںآپ نے فرمایا:جوآدم(علیہ السلام)کو ان کے علم میں،نوح(علیہ السلام)کوان کی اطاعت میں اورابراھیم(علیہ السلام)کو ان کی خُلت میں،موسیٰ(علیہ السلام)کوان کی ہیبت میں اورعیسیٰ(علیہ السلام) کو ان کی صفوت میں دیکھنا چاہے تواسے علی بن ابیطالب(علیہ السلام)پرنظرڈالنا چاہئے۔''

فخررازی نے اپنی بات کوجاری رکھتے ہوئے مزید لکھاہے'':شیعہ علماء مذکورہ آیہء شریفہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی(علیہ السلام)تمام اصحاب سے افضل ہیں۔کیونکہ جب آیت دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام)نفس رسول ﷺ کے مانند ہے،سواء اس کے جو چیزدلیل سے خارج ہے اورنفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اصحاب سے افضل ہے،لہذا نفس علی(علیہ السلام)بھی تمام اصحاب سے افضل قرار پائیگا''فخررازی نے اس استدلال کے ایک جملہ پراعتراض کیا ہے کہ ہم اس آیہء شریفہ سے مربوط سوالات کے ضمن میں آیندہ اس کاجواب دیں گے۔علی(ع)کونفس رسولﷺ جاننے والی احادیث حضرت علی علیہ السلام کونفس رسول ﷺ کے طورپرمعرفی کرنے والی احادیث کوتین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے:پہلاگروہ:وہ حدیثیں جوآیہء مباہلہ کے

---

[1] القاموس المحیط،ج۲،ص۲۹۹،دار المعرفۃ،بیروت

ذیل میں بیان ہوئی ہیں:ان احادیث کا ایک پہلو خامس آل عبا علیہم السلام کے مباہلہ میں شرکت سے مربوط تھا کہ جس کو پہلے بیان کیا گیاہے اوریہاں خلاصہ کے طورپر ہم پیش کرتے ہیں:الف:ابن عباس آیہء شریفہ کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''وعلی نفسہ'' ''علی (ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں۔''یہ ذکرآیہء مباہلہ میںآیاہے[1]۔ اب:شعبی،اہل بیت،علیہم السلام کے بارے میں جابر بن عبداللہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''أبناء نا'' سے حسن وحسین (علیہم السلام) ''نساء نا'' سے جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور ''أنفسنا'' سے علی بن ابیطالب (علیہ السلام) مراد ہیں[2]۔

ج:حاکم نیشابوری،عبداللہ بن عباس اوردیگر اصحاب سے،پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مباہلہ میں علی،فاطمہ،حسن اور حسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لانے والی روایت کومتواتر جانتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ ''أبناء نا'' سے حسن وحسین علیہم السلام، ''نساء نا'' سے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور ''أنفسنا'' سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مراد ہیں[3]۔

د۔حضرت علی علیہ السلام کی وہ حدیث،جس میںآپ (ع) اصحاب شوریٰ کوقسم دے کراپنے فضائل کا ان سے اقرار لیا ہے آپ فرماتے ہیں'' :نشدتکم اللہ ہل فیکم أحد أقرب إلیر سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الرحم ومن جعلہ رسول اللہ نفسہ وإبناء ہ غیری[4]؟'' ''یعنی:میں تمھیں خداکی قسم دیتاہوں!کیا تم لوگوں میں قرابت اور رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی ہے جومجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو؟کوئی ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نفس اورا سکے بیٹوں کواپنا بیٹا قرار دیا ہو؟انھوں نے جواب میں کہا:خدا شاہد ہے کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔''دوسرا گروہ:وہ حدیثیں جوقبیلہء بنی ولیعہ سے مربوط ہیں:یہ احادیث اصحاب کے ایک گروہ جیسے ابوذر،جابربن عبداللہ اورعبداللہ بن حنطب سے نقل ہوئی ہیں۔ان حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے(ابوذر کے بقول) فرمایا'' :ولینتھین بنوولیعہ أولأبعثن إلیھم رجلاًکنفسی یمضی فیھم أمری فیقتل المقا تلہ ولیسبی الذریۃ[5] قبیلہء بنی ولیعہ کواپنے امور سے باز

---

[1] معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت
[2] اسباب النزول،ص۴۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت
[3] معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت
[4] تاریخ مدینتہ دمشق،ج۴۲،ص۴۳۱،دارالفکر
[5] السنن الکبیر للنسائی،ج۵،ص۱۲۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت.

آجانا چاہئے،اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو میں ان کی طرف اپنے مانند ایک شخص کو بھیجوں گا جو میرے حکم کو ان میں جاری کرے گا ۔جنگ کرنے والوں کو وہ قتل کرے گا اوران کی ذرّیت کو اسیر بنائے گا ۔عمر،جو میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے انھوں نے کہا :آنحضرت ﷺ کا اس سے مراد کون ہے؟میں نے جواب دیا تم اور تمہارا دوست (ابوبکر) اس سے مراد نہیں ہے تو اس نے اس کے محقق نے اس ضمن میں کہا ہے:اس حدیث کی سند میں موثق راوی موجود ہیں ۔المنصف لأبن أبی شیبتہ،ج۶،ص۷۴،۳، دارالتاج، المعجم الأوسط للطبرانی،ج۴،ص۷۷۴،مکتبۃ المعارف،الریاضی ۔یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ ''المعجم الاوسط ''میں عمداً یا غلطی سے ''کنفسی''کے بجائے ''لنفسی''آیا ہے،اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی سے ''کنفسی''روایت کی ہے۔ مجمع الزوائد ۔ مجمع الزوائد ھیثمی ،ج۷،ص۱۱۰،دارالکتاب العربی و ص۲۴۰،دارالفکر ۔کہا کون مراد ہے؟میں نے کہا :اس سے مراد وہ ہے جو اس وقت اپنی جوتیوں کو پیوند لگانے میں مصروف ہے ۔کہا تو پھر علی (علیہ السلام)ہیں جو اپنی جوتیوں کو ٹانکے میں مصروف ہیں ۔تیسرا گروہ :وہ حدیثیں جو پیغمبر (ص)کے نزدیک محبوب ترین افراد کے بارے میں ہیں ۔

بعض ایسی حدیثیں ہیں کہ جس میں پیغمبر اکرم صل ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟جواب کے بعد آنحضرت ﷺ سے علی (علیہ السلام)کی محبوبیت یا افضلیت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے ۔پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ''إن ہذا یسألنی من النفسی ''یعنی:یہ سوال مجھ سے خود میرے بارے میں ہے یعنی علی (علیہ السلام)میرا نفس ہے[1]۔ان میں سے بعض احادیث میں،حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا)پیغمبر اسلام ﷺ سے سوال کرتی ہیں،کیا آپ نے علی (علیہ السلام)کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا ہے؟آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''؛علیّ نفسی فمن رأیتہ أن یقول فی نفسہ شیئا[2]''یعنی:علی (علیہ السلام)میرا نفس ہے تم نے کس کو دیکھا ہے،جو اپنے نفس کے بارے میں کچھ کہے؟یہ احادیث عمرو عاص،عائشہ اور جد عمرو بن شعیب جیسے بعض اصحاب سے نقل ہوئی ہیں ۔اس طرح کی حدیثیں

[1] جامع الاحادیث،سیوطی،ج۱۶،ص۲۵۷۔۲۵۶،دارالفکر،کنز العمال،ج۱۳،ص۱۴۳۔۱۴۲،مؤسسہ الرسالہ
[2] مناقب خوارزمی،ص۱۴۸،مؤسسہ النشر الاسلامی،مقتل الحسین علیہ السلام،ص۴۳،مکتبہ المفید۔

مختلف زبانوں سے روایت ہوئی ہیں اوران کی تعدادزیادہ ہے۔جس سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ علی علیہ السلام،نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اورآیہء شریفہ کی دلالت پرتاکید کرتی ہے، سواء اس کے کہ کوئی قطعی ضرورت اورخارجی دلالت کی وجہ سے اس اطلاق سے خارج ہوا جائے(جیسے نبوت جواس سے خارج ہے)لہذاآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے تمام عہدے من جملہ تمام امت اسلامیہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت نیز قیادت وزعامت اس اطلاق میں داخل ہے۔

پانچواں محورآیت کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات آلوسی سے ایک گفتگو:آلوسی،اپنی تفسیر ''روح المعانی۱ ''میں اس آیہء شریفہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتاہے'':اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل اللہ ہونے کی فضیلت کے بارے میں اس آیہء شریفہ کی دلالت کسی بھی مومن کے لئے ناقابل انکارہے اوراگرکوئی اس فضیلت کوان سے جداکرنے کی کوشش کرتا ہے تویہ ایک قسم کی ناصبیت وعنادہے اورعناد و ناصبیت ایمان کے نابود کرنے کا سبب ہے۔''شیعوں کااستدلااس کے بعد (آلوسی)آیہء مذکورہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام کی بلافصل خلافت کے سلسلہ میں شیعوں کے استدلال کوبیان کرتاہے اوراس روایت سے استناد کرتاہے کہ آیہء کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لئے علی،فاطمہ،اورحسنین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لائے،اس کے بعدکہتاہے'':اس طرح سے ''أبناء نا ''کا مراد سے حسن وحسین (علیہما السلام)،''نساء نا ''سے مرادفاطمہ (سلام اللہ علیہا)اور ''أنفسنا ''سے مرادعلی (علیہ السلام)ہیں۔

جب علی(علیہ السلام)نفس رسول قرار پائیں گے تو اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال محال ہو گا(کیونکہ۱۔روح المعانی،ج۳،ص۱۸۹،داراحیاء التراث العربی حقیقت میں علی علیہ السلام خودرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہو سکتے ہیں) لہذا قہراً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی اورمماثل ہیں۔چونکہ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امور مسلمین میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں افضل اوراولیٰ ہیں،لہذا جو بھی ان کے مماثل ہو گاوہ بھی ایسا ہی ہوگا۔اس طرح سے پوری امت کے حوالے سے حضرت علی(علیہ السلام)کی افضیلت اورامت پر ان کی سرپرستی اس آیہء شریفہ سے ثابت ہوتی ہے۔''شیعوں کے استدلال کے سلسلہ

یہآلوسی کاپہلااعتراض اس کے بعدآلوسی شیعوں کے استدلال کاجواب دیتے ہوئے کہتاہے:شیعوں کے اس قسم کے استدلال کاجواب یوں دیاجاسکتاہے:ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ''أنفسنا''سے مراد حضرت امیرالمؤمنین (علیہ السلام)ہوں گے،بلکہ نفس سے مرادخودپیغمبر ﷺہی ہیں اور حضرت امیر (علیہ السلام) ''أبناء نا''میں داخل ہیں کیونکہ داماد کوعرفاًبیٹا کہتے ہیں۔اس کے بعدشیعوں کےایک عظیم مفسرشیخ طبرسی کابیان نقل کرتاہے کہ انہوں نے کہاہے کہ''أنفسنا''سے مرادخودپیغمبر ﷺ نہیں ہو سکتے ہیں،کیونکہ انسان کبھی بھی اپنے آپ کونہیں بلاتاہے،اس نے(شیخ کی)اس بات کوہذیان سے نسبت دی ہے؟!

اس اعتراض کاجواب آلوسی اپنی بات کی ابتداء میں اس چیز کو تسلیم کرتاہے کہ آیہء کریمہ پیغمبر ﷺ کے خاندان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس فضیلت سے انکار کوایک طرح کے بغض و عناد سے تعبیر کرتاہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم فضیلت کوآنحضرت ﷺ کے خاندان سے منحرف کرنے کے لئے کس طرح وہ خودکوشش کرتاہے اوراپنے اس عمل سے اس سلسلہ میں بیان کی گئی تمام احادیث کی مخالفت کرتا ہے اورجس چیز کوابن تیمیہ نے بھی انجام نہیں دیاہے(یعنی''أنفسنا''کے علی علیہ السلام پرانطباق سے انکارکرنا)اسے انجام دیتا ہے۔

اگرچہ ہم نے بحث کی ابتداء میں''أنفسنا''کے بارے میں اوریہ کہ اس سے مراد خودپیغمبراسلام ﷺ نہیں ہو سکتے ہیں،بیان کیاہے،لیکن یہاں پر بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر ''أنفسنا''سے مرادخودپیغمبراسلام ﷺہوں اور علی علیہ السلام کو''أبناء نا''کے زمرے میں داخل کر لیا جائے تو یہ غلط ہے اور دوسرے یہ کہ خلاف دلیل ہے۔اس کا غلط ہونااس لحاظ سے ہے کہ آیہء شریفہ میں''بلانا اپنے''،حقیقی معنی میں ہے۔اور جوآلوسی نے بعض استعمالات جیسے''دعتہ نفسہ''کورائج ومرسوم جا ناہے،اس نے اس نکتہ سے غفلت کی ہے کہ اس قسم کے استعمالات مجازی ہیں اوران کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آیہء مذکورہ میں کوئی ایسا قرینہ موجودنہیں ہے،بلکہ یہاں پر''دعتہ نفسہ''کے معنی اپنے آپ کو مجبوراور مصمم کرناہے نہ اپنے آپ کو بلانااورطلب کرنا۔ اس کے علاوہ''أبناء نا'' کے زمرے میں امیرالمؤمنین(علیہ السلام)کو شامل کر نا صرف اس لئے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے

داماد تھے گویالفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں ہے اور لفظ کواس کے معانی مجازی میں بغیر قرینہ کے حمل کر تاہے۔اس لئے ''أبناء نا''کا حمل حسنین علیہما السلام کے علاوہ کسی اورذات پر درست نہیں ہےاور ''أنفسنا''کا لفظ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اورپر منطبق نہیں ہو تاہے۔اگرکہاجائے کہ:کونسامرجح ہے کہ لفظ ''ندع''کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہو اور ''أنفسنا''کااستعمال حضرت علی علیہ السلام پر مجازی ہو؟بلکہ ممکن ہے کہا جائے ''أنفسنا''خودانسان اوراس کی ذات پراطلاق ہو جوحقیقی معنی ہےاور ''ندع''کے معنی میں تصرف کر کے ''نحضر''کے معنی لئے جائیں یعنی اپنے آپ کوحاضرکریں۔جواب یہ ہے کہ:اگر ''ندع''کا استعمال اپنے حقیقی معنی میں ہوتوایک سے زیادہ مجاز درکارنہیں ہےاوروہ ہے ''أنفسنا''کا حضرت علی علیہ السلام کی ذات پراطلاق ہونا لیکن اگر ''ندع''کو اس کے مجازی معنی پر حمل کریں تو اس سے دوسرے کا مجاز ہونا بھی لازم آتاہے یعنی علی علیہ السلام کا ''أبناء نا''پراطلاق ہونا،جوآنحضرت صلی ﷺ کے داماد ہیں اوراس قسم کے مجاز کے لئے کوئی قرینہ موجودنہیں ہے۔

لفظ ''أنفسنا''کے علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونے کا قرینہ ''ندع''و''أنفسنا''کے درمیان پائی جانے والی مغایرت ہے کہ جوعقلاًوعرفاً ظہور رکھتی ہے۔اس فرض میں''ندع''بھی اپنے معنی میں استعمال ہواہے اور ''أبناء نا''بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہواہے۔ لیکن یہ کہ آلوسی کی بات دلیل کے خلاف ہے،کیونکہ اتنی ساری احادیث جونقل کی گئی ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ ''أنفسنا''سے مراد علی علیہ السلام ہیں اوریہ دعویٰ تواتر کے ذریعہ بھی ثابت ہے لہذاوہ سب احادیث اس قول کے خلاف ہیں۔شیعوں کے استدلال پرآلوسی کادوسرااعتراض شیعوں کے استدلال پرآلوسی کادوسراجواب یہ ہے:اگر فرض کریں کہ ''أنفسنا''کا مقصداق علی(علیہ السلام)ہوں،پھربھی آیہء شریفہ حضرت علی(ع)کی بلافصل خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔کیونکہ ''أنفسنا''کااطلاق حضرت علی(ع)پراس لحاظ سے ہے کہ نفس کے معنی قربت اورنزدیک ہونے کے ہیں اوردین و

---

[1] معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

آئین میں شریک ہونے کے معنی میں ہے اوراس لفظ کا اطلاق حضرت علی (ع) کے لئے شاید اس وجہ سے ہوان کا پیغمبر ﷺ کے ساتھ دامادی کا رشتہ تھا اوردین میں دونوں کا اتحاد تھا۔اس کے علاوہ اگر مقصودوہ شخص ہوجوپیغمبراکرم ﷺ کے مساوی ہے توکیامساوی ہونے کا معنی تمام صفات میں ہے یابعض صفات میں؟اگر تمام صفات میں مساوی ہونامقصود ہے تواس کالازمہ یہ ہوگاکہ علی(علیہ السلام)پیغمبر ﷺ کی نبوت اورخاتمیت اورتمام امت پرآپکی بعثت میں شریک ہیں اوراس قسم کامساوی ہونامتفقہ طورپرباطل ہے۔اوراگرمساوی ہونے کامقصدبعض صفات میں ہے یہ شیعوں کی افضلیت وبلا فصل امامت کے مسئلہ پردلالت نہیں کرتاہے۔

اس اعتراض کا جواب آلوسی کے اس اعتراض واستدلال کا جواب دیناچند جہتوں سے ممکن ہے :سب سے پہلے تو یہ کہ:''نفس کے معنی قربت و نزدیکی''اوردین وآئین میں شریک ہوناکسی قسم کی فضیلت نہیں ہے،جبکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتاہے کہ یہ اطلاق حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہےاور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے ایک حدیث کے مطابق سعدبن ابی وقاص نے معاویہ کے سامنے اسی معنی کوبیان کیااوراسے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سبّ وشتم سے انکارکی دلیل کے طورپرپیش کیاہے۔دوسرے یہ کہ:نفس کے معنی کا اطلاق دین وآئین میں شریک ہونایارشتہ داری وقرابتداری کے معنی مجازی ہے اوراس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اوریہاں پرایسا کوئی قرینہ موجودنہیں ہے۔تیسرے یہ کہ:جب نفس کے معنی کااطلاق اس کے حقیقی معنی میں ممکن نہ ہوتواس سے مرادوہ شخص ہے جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہواوریہ جانشینی اورمساوی ہونا مطلقاًہےاوراس میں پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف اورعہدے شامل ہیں،صرف نبوت قطعی دلیل کی بناءپراس دائرہ سے خارج ہے۔چوتھے یہ کہ:اس صورت میں آلوسی کی بعد والی گفتگو کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ مساوات تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں،کیونکہ مساوات تمام صفات میں اس کے اطلاق کی وجہ سے ہے،صرف وہ چیزیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کو قطعی دلیلوں کے ذریعہ خارج و مستثنیٰ کیا گیا ہے جیسے نبوت و رسالت ۔

لہذا پیغمبر اکرم ﷺ کی افضیلت اور امت کی سر پرستی نیز اسی طرح کے اور تمام صفات میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے شریک نیز ان کے برابر کے جانشین ہیں ۔شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا تیسرا اعتراض آلوسی کا کہنا ہے:اگر یہ آیت حضرت علی (علیہ السلام) کی خلافت پر کسی اعتبار سے دلالت کرتی بھی ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ: حضرت علی (ع) پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں امام ہوں اور یہ متفقہ طورپر باطل ہے۔اگر یہ خلافت کسی خاص وقت کے لئے ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ اس قید کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اہل سنت بھی اسے قبول کرتے ہیںیعنی حضرت علی (ع)ایک خاص وقت، میں کہ جوان کی خلافت کا زمانہ تھا،اس میں وہ اس منصب پر فائز تھے۔

اس اعتراض کا جواب سب سے پہلی بات یہ کہ : حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی آنحضرت صل ﷺ کے زمانہ میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے لئے واضح ترین حدیث،حدیث منزلت ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر ﷺ کی نسبت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، واضح رہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے جانشین تھے کیوں کہ قرآن مجید حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا ''أخلفني في قومي[1]''''تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔''اس بناء پر جب کبھی پیغمبر اکرم ﷺ حاضر نہیں ہوتے تھے حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوتے تھے (چنانچہ جنگ تبوک میں ایسا ہی تھا)اس مسئلہ کی حدیث منزلت میں مکمل وضاحت کی گئی ہے[2]۔دوسرے یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کا نفس پیغمبر ﷺ قرار دیا جانا جیسا کہ آیہء شریفہ مباہلہ سے یہ مطلب واضح ہے،اور اگر کوئی اجماع واقع ہو جائے کہ آنحضرت کی زندگی میں حضرت علی علیہ السلام آپ کے جانشین نہیں تھے،تو یہ اجماع اس اطلاق کو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مقید و محدود کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ اطلاق آنحضرت ﷺ کی رحلت کے وقت اپنی پوری

[1] اعراف ,۱۴۲۲۔

[2] اس سلسلہ میں مصنف کا پمفلٹ''حدیث غدیر،ثقلین ومنزلت کی روشنی میں امامت''ملاحظ فرمائیں۔

قوت کے ساتھ باقی ہے۔ لہذا یہ واضح ہوگیا کہ آلوسی کے تمام اعتراضات بے بنیاد ہیں اور آیہء شریفہ کی دلالت حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلا فصل خلافت پر بلا مناقشہ ہے۔ فخر رازی کا اعتراض: فخر رازی نے اس آیہء شریفہ کے ذیل میں محمود بن حسن حمصی[۱] کے استدلال کو، کہ جو انھوں نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، نقل کرنے کے بعد (ان کے استدلال کو تفصیل سے ذکر کیا ہے) اپنے اعتراض کو یوں ذکر کیا ہے: ایک تو یہ کہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر پیغمبر سے افضل ہو تا ہے۔ دوسرے: اس بات پر بھی اجماع ہے کہ (علی علیہ السلام) پیغمبر نہیں تھے۔ مذکورہ ان دومقدموں کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہء شریفہ حضرت علی (علیہ السلام) کی گزشتہ انبیاء (علیہم السلام) پر افضلیت کو ثابت نہیں کرتی ہے۔

فخر رازی کے اعتراض کا جواب ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں: پہلی بات یہ کہ اس پر اجماع ہے کہ ہر ''نبی غیر نبی سے افضل ہے'' اس میں عمومیت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت کریں کہ ہر نبی دوسرے تمام افراد پر حتی اپنی امت کے علاوہ دیگر افراد پر بھی فوقیت وبرتری رکھتا ہے بلکہ جو چیز قابل یقین ہے وہ یہ کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ کہا جائے: ''مرد عورت سے افضل ہے'' اور یہ اس میں معنی ہے کہ مردوں کی صنف عورتوں کی صنف سے افضل ہے نہ یہ کہ مردوں میں سے ہر شخص تمام عورتوں پر فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔ اس بناء پر اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ: مذکورہ مطلب پر اجماع کا واقع ہونا ثابت نہیں ہے، کیونکہ شیعہ علماء نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے اور وہ اپنے ائمہ معصومین (علیہم السلام) کو قطعی دلیل کی بناء پر گزشتہ انبیاء سے برتر جانتے ہیں۔ ابوحیان اندلسی نے تفسیر ''البحر المحیط[۲]'' میں شیعوں کے استدلال پر آیت میں نفس سے مراد تمام صفات میں ہم مثل اور مساوی ہو

[۱] شیعوں کاایک بڑا عقیدہ شناس عالم جس کا پہلے ذکرآیا ہے۔
[۲] البحرالمحیط،ج۲،ص۴۸۱،مؤسسہ التاریخ العربی ،داراحیاء التراث العربی

ناہے)فخررازی[1] کا ایک اور اعتراض نقل کیا ہے جس میں یہ کہا ہے ''نفس کے اطلاق میں یہ ضروری نہیں ہے تمام اوصاف میں یکسانیت ویکجہتی ہو،چنانچہ متکلمین نے کہا ہے:'' صفات نفس میں یک جہتی اوریک سوئی یہ متکلمین کی ایک اصطلاح ہے،اورعربی لغت میں یکسانیت کا بعض صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔عرب کہتے ہیں:''ہذا من أنفسنا''یعنی:یہ ''اپنوں میں سے ہے،یعنی ہمارے قبیلہ میں سے ہے۔''اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صفات یا بعض صفات میں یکسانیت ویکجہتی یہ نہ تو لغوی بحث ہے اور نہ ہی کلامی بلکہ یہ بحث اصول فقہ سے مربوط ہے،کیونکہ جب نفس کا اس کے حقیقی معنی میں استعمال نا ممکن ہو تو اسے اس کے مجازی معنی پر عمل کرنا چاہئے اور اس کے حقیقی معنی سے نزدیک ترین معنی کہ جس کو اقرب المجازات سے تعبیرکیا جاتا ہے)کواخذ کر نا چاہئے اور ''نفس''کے حقیقی معنی میں اقرب المجازات مانند و مثل ہوناہے۔یہ مانند و مثل ہونا مطلق ہے اوراس کی کوئی محدودیت نہیں ہے اوراس اطلاق کاتقاضاہے کہ علی علیہ السلام تمام صفات میں پیغمبراکرم صلى الله عليه وآله وسلم کے مانند و مثل ہیں،صرف نبوت ورسالت جیسے مسائل قطعی دلائل کی بناپراس مانند و مثل کے دائرے سے خارج ہیں۔

اس وضاحت کے پیش نظرتمام اوصاف اورعہدے اس اطلاق میں داخل ہیں لہذامن جملہ تمام انبیاء پر فضیلت اورتمام امت پر سرپرستی کے حوالے سے آپ (علیہ السلام)علی الاطلاق رسول صلى الله عليه وآله وسلم کے مانند ہیں۔ابن تیمیۃ کا اعتراض ابن تیمیۃ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پرعلامہ حلی کے استدلال کوآیہء مباہلہ سے بیان کرتے ہوئے کہتاہے ''یہ کہ پیغمبراکرم صلى الله عليه وآله وسلم مباہلہ کے لئے علی،فاطمہ اورحسن وحسین (علیہم السلام)کواپنے ساتھ لے گئے یہ صحیح حدیث میںآیاہے،لیکن یہ علی (علیہ السلام)کی امامت اوران کی افضلیت پردلالت نہیں کر تاہے،کیونکہ یہ دلالت اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب آیہء شریفہ علی (علیہ السلام)کے پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کے مساوی ہونے پردلالت کرے حالانکہ آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کے مساوی نہیں ہے،نہ علی (علیہ السلام)اورنہ ان کے علاوہ کوئی اور۔دوسرے یہ کہ ''أنفسنا''کالفظ عربی لغت میں مساوات کا معنی میں

[1] اگرابوحیان کارازی سے مقصودوہی فخررازی ہے توان اعتراضات کواس کی دوسری کتابوں سے پیداکرناچاہئے،کیونکہ تفسیرکبیرمیں صرف وہی اعتراضات بیان کئے گئے ہیں جوذکرہوئے۔

نہیںآیاہے اورصرف ہم جنس اور مشابہت پر دلالت کرتاہے۔اس سلسلہ میں بعض امور مشابہت،جیسے ایمان یا دین میں اشتراک کافی ہے اوراگرنسب میں بھی اشتراک ہوتواور اچھا ہے۔ اس بناپرآیہء شریفہ (۔أنفسنا وأنفسکم۔)میں ''أنفسنا '' سے مرادوہ لوگ ہیں جودین اورنسب میں دوسروں سے زیادہ نزدیک ہوں۔اس لحاظ سے آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم ۔ بیٹوں میں سے حسن وحسین(علیہما السلام)اور عورتوں میں سے فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا)اورمردوں میں سے علی(علیہ ا لسلام)کواپنے ساتھ لے گئے اورآنحضرت(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے لئے ان سے زیادہ نزدیک ترکوئی نہیں تھا۔دوسرے یہ کہ مباہلہ اقرباءسے انجام پاتاہے نہ ان افرادسے جوانسان سے دورہوں،اگرچہ یہ دوروالے افرادخداکے نزدیک افضل وبرترہوں۔ا۔ابن تیمیہ نے قبول کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں ''انفسنا ''مذکورہ حدیث کے پیش نظر علی علیہ السلام پرانطباق کرتاہے

۲۔ابن تیمیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مجید کی پانچ آیتوں کوبیان کیاہے،من جملہ ان میںیہ آیتیں ہیں:الف۔ (و لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسہم خیراً [1] ''آخرایسا کیوں نہ ہواکہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کوسناتومومن ومومنات اپنے بارے میں خیرکاگمان کرتے''،مقصودیہ ہے کہ کیوں ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پراچھاگمان نہیں رکھتے ہیں۔ب۔ ''ولا تلمزوا أنفسکم [2]'' ''آپس میں ایک دوسرے کوطعنے بھی نہیں دینا ''ابن تیمیہ کہ جس نے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک ہونے کا ذکرکیاہے اوردوسری طرف پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کے چچاحضرت عباس کہ جورشتہ داری کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ قریب تھے اورزندہ تھے۔ کے بارے میں کہتاہے'': عباس اگرچہ زندہ تھے،لیکن سابقین اولین(دعوت اسلام کو پہلے قبول کرنے والے) میں ان کا شمارنہیں تھااورپیغمبراکرم صلى الله عليه وآله وسلم کے چچیرے بھائیوں میں بھی کوئی شخص علی(علیہ السلام)سے زیادہ آپ سے نزدیک نہیں تھا۔اس بنا پرمباہلہ کے لئے علی(علیہ السلام)کی جگہ پُر کرنے والاپیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کے خاندان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کوآپ انتخاب کرتے یہ مطلب کسی بھی جہت سے علی(علیہ السلام)کے آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم سے مساوی ہونے پردلالت نہیں

[1] نور،۱۲
[2] حجرات،۱۱

کرتاہے۔ ''ابن تیمیۃ کے اعتراض کا جواب ابن تیمیہ کا جواب چند نکتوں میں دیا جاسکتاہے:۱۔ اس کا کہناہے: ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی ومانند کوئی نہیں ہوسکتا ہے''۔اگر مساوی ہونے کا مفہوم و مقصد تمام صفات،من جملہ نبوت و رسالت میں ہے تو یہ صحیح ہے۔لیکن جیسا کہ بیان ہوا مساوی ہونے کا اطلاق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی دلیلوں کی وجہ سے مقید ہے اوراس کے علاوہ دوسرے تمام امورمیں پیغمبر کے مانند و مساوی ہونا مکمل طورپراپنی جگہ باقی ہے اوراس کے اطلاق کو ثابت کرتا ہے دوسری طرف سے اس کی یہ بات کہ ''أنفسنا ''کا لفظ عربی لغت میں مساوات کے معنی کا اقتضاء نہیں کرتا ہے'' صحیح نہیں ہے اگرچہ اس نے قرآن مجید کی چند ایسی آیتوں کو بھی شاہد کے طورپر ذکرکیا ہے جن میں ''أنفسھم یاأنفسکم ''کا لفظ استعمال ہوا ہے،حتی کہ ان آیتوں میں بھی مساوی مراد ہے۔مثلاًلفظ ''ولاتلمزوا أنفسکم ''یعنی ''اپنی عیب جوئی نہ کرو''جب لفظ ''أنفس''کا اطلاق دوسرے افرادپر ہوتاہے،تومعنی نہیں رکھتاہے وہ حقیقت میں خودعین انسان ہوں۔ناچاران کے مساوی اور مشابہ ہونے کا مقصد مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت میں ہے اور معلوم ہے کہ وہ جہت اس طرح کے استعمالات میں کسی ایمانی مجموعہ یاقبیلہ کے مجموعہ کا ایک جزو ہے۔اس بناء پران اطلاقات میں بھی مساوی ہونے کا لحاظ ہوا ہے،لیکن اس میں قرینہ موجودہے کہ یہ مساوی ایک خاص امر میں ہے اوریہ اس سے منافات نہیں رکھتاہے اور اگر کسی جگہ پر قرینہ نہیں ہے تومساوی ہونے کا قصد مطلق ہے،بغیراس کے کہ کوئی دلیل اسے خارج کرے۔

۲۔ابن تیمیہ نے قرابت یا رشتہ داری کو نسب سے مرتبط جانا ہے،یہ بات دودلیلوں سے صحیح نہیں ہے:سب سے پہلے بات تو یہ، مطلب آیہء شریفہ ''نساء نا ونساء کم''سے سازگار نہیں ہے،کیونکہ ''نساء نا ''کا عنوان نسبی رشتہ سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔البتہ یہ منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر گرامی تھیں اورآپ سے نسبی قرابت رکھتی تھیں،کیونکہ واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''بنا تنا'' ''ہماری'' بٹیاں(جو نسبی قرابت کی دلیل ہے)کے ذریعہ تعبیر نہیں کیا گیا ہے،بلکہ ''نساء نا ''کی تعبیر آئی ہے،اس لحاظ سے چونکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس خاندان کی عورتوں میں سے ہیں اس لئے اس مجموعہ

میں شامل ہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور عورت کہ جو اس لائق ہوکہ مباہلہ میں شریک ہو سکے وجود نہیں رکھتی تھی ۔ا
دوسرے یہ کہ اگرمعیارقرابت نسبی اور رشتہ داری ہے توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس(ع)اس جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نزدیک تھے لیکن اس زمرے میں انھیں شریک نہیں کیاگیاہے!ا۔جیساکہ پہلے بیان کیاگیاہے۔اس لحاظ سے قرابت،یعنی نزدیک ہونے سے مرادپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معنوی قرابت ہے۔جس کاابن تیمیہ نے مجبورہوکراعتراف کیاہے اورکہتاہے'':علی(علیہ السلام)سابقین اوراولین میں سے تھے،اس لحاظ سے دوسروں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نزدیک تھے۔''احادیث کی روسے مباہلہ میں شامل ہونے والے افرادپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص رشتہ دار تھے کہ حدیث میں انھیں اہل بیت رسول علیہم السلام سے تعبیر کیاگیاہے۔

ان میں سے ہرایک اہل بیت پیغمبر (علیہم السلام)ہونے کے علاوہ ایک خاص عنوان کا مالک ہے،یعنی ان میں سے بعض ''أبناء نا''کے عنوان میں شامل ہیں اوربعض''نساء نا''کے عنوان میں شامل ہیں اوربعض دوسرے ''أنفسنا''کے عنوان میں شامل ہیں۔ مذکورہ وضاحت کے پیش نظریہ واضح ہوگیاکہ ''أنفسنا''کے اطلاق سے نسبی رشتہ داری کا تبادر وانصراف نہیں ہوتاہے اور علی علیہ السلام کاپیغمبرخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانندومساوی ہوناتمام صفات،خصوصیات اورعہدوں سے متعلق ہے،مگریہ کہ کوئی چیز دلیل کی بنیادپراس سے خارج ہوئی ہو۔اہل بیت علیہم السلام کے مباہلہ میں حاضر ہونے کامقصدواضح ہوگیاکہ مباہلہ میں شریک ہونے والے افرادکی دعارسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاکے برابرتھی اوران افراد کی دعاؤں کا بھی وہی اثرتھاجوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاکاتھااوریہ اس مقدس خاندان کے لئے ایک بلندوبرترمرتبہ ومقام ہے۔

تیسرا باب

امامت آیہ اولی الامر کی روشنی میں:

امامت آیہ اولی الامر کی روشنی میں (یا أیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول واولی الأمر منکم فإن تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ و الرّسول إن کنتم تؤمنون با اللہ و الیوم الأخر، ذلک خیر و أحسن تأویلا[1]) ''اے صاحبان ایمان! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور اولوا الامر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو۔ یہی تمھارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔'' خداوند متعال نے اس آیہ شریفہ میں مومنین سے خطاب کیا ہے اور انھیں اپنی اطاعت، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ پہلے مرحلہ میں خداوند متعال کی اطاعت، ان احکام کے بارے میں ہے کہ جو خداوند متعال نے انھیں قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان احکام کو لوگوں تک پہنچایا ہے، جیسے کہ یہ حکم: (أقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی اطاعت دو حیثیت سے ممکن ہے: ۱۔ وہ فرمان جو سنّت کے عنوان سے آنحضرت (ص) کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں: یہ اوامر اگرچہ احکام الٰہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بصورت وحی نازل ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے، لیکن جن مواقع پر یہ اوامر ''أمرکم بکذا اوأنہاکم من ہذا'' (میں تم کو اس امر کا حکم دیتا ہو یا اس چیز سے منع کرتا ہوں) کی تعبیر کے ساتھ ہوں (کہ فقہ کے باب میں اس طرح کی تعبیریں بہت ہیں) ان اوامر اور نواہی کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر و نواحی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے نتیجہ کے طور پر ان کی اطا عت آنحضرت کی اطاعت ہوگی، چونکہ مذکورہ احکام خدا کی طرف سے ہیں، اس لئے ان احکام پر عمل کرنا بھی خدا کی اطاعت ہوگی۔

۲۔ وہ فرمان، جو آنحضرت (ص) نے مسلمانوں کے لئے ولی اور حاکم کی حیثیت سے جاری کئے ہیں۔

[1] نساء، ۵۹

یہ وہ احکام ہیں جو تبلیغ الٰہی کا عنوان نہیں رکھتے ہیں بلکہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لحاظ سے جاری فرمایا ہے کہ آپ مسلمانوں کے ولی، سرپرست اور حاکم تھے، جیسے جنگ و صلح نیز حکومت اسلامی کو ادارہ کرنے اور امت کی سیاست کے سلسلہ میں جاری کئے جانے والے فرامین۔ آیہء شریفہ میں (وأطیعوا الرّسول) کا جملہ مذکورہ دونوں قسم کے فرمانوں پر مشتمل ہے۔ تمام اوامر و نواہی میں پیغمبر (ص) کی عصمت پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عصمت کو ثابت کرنے کے بارے میں علم کلام میں بیان شدہ قطعی دلائل کے پیش نظر، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہر شی کا حکم دینے یا کسی چیز سے منع کرنے کے سلسلہ میں بھی معصوم ہیں۔ آپ (ع) نہ صرف معصیت و گناہ کا حکم نہیں دیتے ہیں، بلکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم امر و نہی میں بھی خطا کرنے سے محفوظ ہیں۔ ہم اس آیہء شریفہ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت مطلق اور کسی قید و شرط کے بغیر بیان ہوئی ہے۔ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے امر و نہی کرنے کے سلسلہ میں کوئی خطا ممکن ہوتی یا اس قسم کا احتمال ہوتا تو آیہء شریفہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کا حکم قید و شرط کے ساتھ ہوتا اور خاص مواقع سے مربوط ہوتا۔ ماں باپ کی اطاعت جیسے مسائل میں، کہ جس کی اہمیت پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت سے بہت کم ہے، لیکن جب خدائے متعال والدین سے نیکی کرنے کا حکم بیان کرتا ہے، تو فرماتا ہے: (و وصّینا الأنسان بوالدیہ حسناً و إن جاہدک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما[1]) ''اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کی وصیت کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ تم کو میرا شریک قرار دینے پر مجبور کریں کہ جس کا تمھیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا۔''

جب احتمال ہو کہ والدین شرک کی طرف ہدایت کریں تو شرک میں ان کی اطاعت کرنے سے منع فرماتا ہے، لیکن آیہء کریمہ (أولی الأمر) میں پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کو کسی قید و شرط سے محدود نہیں کیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کو کسی قید و شرط کے بغیر تائید و تاکید کرنے کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت خداوند متعال کی اطاعت کے ساتھ اور لفظ ''أطیعوا'' کی تکرار کے بغیر ذکر ہوئی ہے۔ آیہء شریفہ (وأطیعوا اللہ و الرّسول لعلّکم ترحمون) یعنی ''خدا اور رسول

---

[1] عنکبوت۔۸

کی اطاعت کروتاکہ موردرحمت قرارپاؤ ''مذکورہ میں صرف ایک لفظ ''أطیعوا'' کا خدااور پیغمبرؐ دونوں کے لئے استعمال ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا واجب ہوناخداکی اطاعت کے واجب ہونے کے مانند ہے۔اس بناء پر پیغمبر ﷺ کے امرپراطاعت کرنا قطعی طورپراطلاق رکھتا ہےاورناقابل شک وشبہ ہے۔أولوالامرکی اطاعت ائمہ علیہم السلام کی امامت عصمت کے سلسلہ میں آیۂمذکورہ سے استفادہ کر نے کے لئے مندرجہ چندابعادپرتوجہ کرناضروری ہے:۱۔اولوالامرکامفہوم ۲۔اولوالامرکامصداق ۳۔اولوالامراو رحدیث ''منزلت''حدیث''اطاعت''اورحدیث''ثقلین''۴۔شیعہ اورسنی منابع میں اولوالامرکے بارے میں چنداحادیث اولوالامرکامفہوم اولو الامر کا عنوان ایک مرکب مفہوم پر مشتمل ہے۔اس جہت سے پہلے لفظ ''اولوا''اورپھرلفظ ''الامر''پرتوجہ کرنی چاہئے:اصطلاح ''اولوا''صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اورلفظ ''امر''دومعنی میںآیاہے:ایک ''فرمان'' کے معنی میں دوسرا ''شان اورکام'' کے معنی میں۔ ''شان وکام''کامعنی زیادہ واضح اور روشن ہے،کیونکہ اسی سورۂ نساء کی ایک دوسری آیت میں لفظ ''اولی الامر''بیان ہواہے:(و إذجاء ہم أمر من الأمن أو ا لخوف أذاعوا بہ و لورذوہ إلی الرّسول و إلی أولی الأمر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم[1])''اورجب ان کے پاس امن یاخوف کی خبرآتی ہے توفوراًنشرکردیتے ہیں حالانکہ اگررسولؐاورصاحبان امرکی طرف پلٹادیتے توان میں ایسے افراد تھے کہ جوحقیقت حال کاعلم پیداکر لیتے''...

اس آیہء شریفہ میں دوسرامعنی مقصودہے،یعنی جولوگ زندگی کے اموراوراس کے مختلف حالتوں میں صاحب اختیارہیں،اس آیت کے قرینہ کی وجہ سے ''اولی الامر''کالفظ موردبحث آیت میں بھی واضح ہوجاتاہے۔موردنظرآیت میں اولوالامرکے مفہوم کے پیش نظر ہم اس نکتہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ''اولوالامر''کا لفظ صرف ان لوگوں کو شامل ہے جو درحقیقت فطری طورپراموری سرپرستی اورصاحب اختیارہونے کے لائق ہیں اورچونکہ خداوندمتعال ذاتی طورپرصاحب اختیارہے اورتمام امورمیں سرپرستی

[1] نساء،۸۳

کا اختیار رکھتا ہے،اس لئے اس نے یہ سرپرستی انھیں عطاکی ہے ۔خواہ اگر بظاہر انھیں اس عہدے سے محروم کر دیاگیا ہو،نہ ان لوگوں کوجوزوروزبردستی اورناحق طریقہ سے مسلط ہوکرلوگوں کے حکمران بن گئے ہیں۔اس لئے کہ صاحب خانہ وہ ہے جو حقیقت میں اس کامالک ہو چا ہے وہ غصب کر لیا گیا ہو،نہ کہ وہ شخص جس نے زورو زبر دستی یامکروفریب سے اس گھرپر قبضہ کر لیا ہے۔

اولوالامرکا مصداق اولوالامرکے مصادیق کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال پیش کئے ہیں۔اس سلسلہ میں جونظریات ہمیں دستیاب ہوئےہیں وہ حسب ذیل ہیں:۱۔امراء۲۔اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۔مہاجرین وانصار۴۔اصحاب اورتابعین۵۔چاروخلفاء۶۔ابوبکروعمر ۷۔علماء۸۔جنگ کے کمانڈر۹۔ائمہء معصومین(علیہم السلام)۱۰۔علی(علیہ السلام)۱۱۔وہ لوگ جوشرعی لحاظ سے ایک قسم کی ولایت اورسرپرستی رکھتے ہیں۔۱۲۔اہل حل وعقد۱۳۔امرائے حق ان اقوال پر تحقیق اورتنقید کرنے سے پہلے ہم خودآیہء کریمہ میں موجودنکات اورقرائن پر غورکرتے ہیں:آیت میں اولوالامرکامرتبہ بحث کے اس مرحلہ میںآیہء شریفہ میں اولوالامرکی اطاعت کرنے کی کیفیت قابل توجہ ہے:پہلانکتہ:اولوالامرکی اطاعت میں اطلاق آیہء شریفہ میں اولوالامرکی

اطاعت مطلق طور پرذکرہوئی ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قیدوشرط بیان نہیں ہوئی ہے،جیساکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں اس بات کی تشریح کی گئی۔یہ اطلاق اثبات کرتاہے کہ اولوالامرمطلق اطاعت کے حامل و سزاوارہیں اوران کی اطاعت خاص دستور،مخصوص حکم یا کسی خاص شرائط کے تحت محدودنہیں ہے،بلکہ ان کے تمام اوامرونواہی واجب الاطاعت ہیں۔دوسرانکتہ:اولوالامرکی اطاعت،خدااوررسولؐ کی اطاعت کے سیاق میںیعنی ان تین مقامات کی اطاعت میں کوئی قیدوشرط نہیں ہےاوریہ سیاق مذکورہ اطلاق کی تاکیدکرتاہے۔تیسرانکتہ:اولوالامرمیں ''أطیعوا ''کاتکرارنہ ہونا۔

گزشتہ نکات سے اہم تراس نکتہ کامقصدیہ ہے کہ خدا ورسولؐ کی اطاعت کے لئے آیہء شریفہ میں ہرایک کے لئے الگ سے ایک ''أطیعوا''لایاگیاہے اور فرمایاہے: (۔۔۔أطیعوااللہ وأطیعواالرّسول)لیکناولوالامرکی اطاعت کے لئے ''أطیعوا''کے لفظ کی

---

[1] تفسیر البحر المحیط،ج۳،ص۲۷۸،التفسیر الکبیر

تکرار نہیں ہوئی ہے بلکہ اولی الامر ''الرسول'' پر عطف ہے،اس بناپر وہی ''أطیعوا''جو رسول کے لئے آیا ہے وہ اولی الامر سے بھی متعلق ہے۔اس عطف سے معلوم ہوتاہے کہ ''اولوالامر''اور ''رسول''کے لئے اطاعت کے حوالے سے دو الگ الگ واجب نہیں ہیں بلکہ وجوب اطاعت اولوالامر وہی ہے جو وجوب اطاعت رسولؐ ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اولوالامر کی اطاعت تمام امر ونہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے مانند ہے اوراس کا نتیجہ گناہ وخطا سے اولوالامر کی عصمت،تمام اوامر ونواہی میں رسولؐ کے مانند ہے۔اس برہان کی مزید وضاحت کے لئے کہا جاسکتاہے:آیہء شریفہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراولوالامر کی اطاعت کے لئے ایک ''أطیعوا''سے زیادہ استعمال نہیں ہوا ہے اوریہ ''أطیعوا''ایک ہی وقت میں مطلق بھی ہواورمقید بھی یہ نہیں ہوسکتاہے یعنی یہ نہیں کہا جاسکتاہے کہ یہ ''أطیعوا''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلق ہے اوراولوالامر کے بارے میں مقیّد ہے،کیونکہ اطلاق اور قید قابل جمع نہیں ہیں۔اگر ''أطیعوا'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلق ہے اورکسی قسم کی قید نہیں رکھتا ہے،(مثلاًاس سے مقیّد نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امرونہی گناہ یا اشتباہ کی وجہ سے نہ ہو)تواولوالامر کی اطاعت بھی مطلق اوربلا قید ہونی چاہئے ورنہ نقیضین کا جمع ہونا لازم ہوگا۔

ان نکات کے پیش نظریہ واضح ہوگیاکہ آیہء کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں ''اولوالامر'' پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند معصوم ہیں۔یہ مطلب کہ ''اولوالامر کی اطاعت''آیہء کریمہ میں مذکورہ خصوصیات کے پیش نظر،اولوالامر کی عصمت پر دلالت ہے،بعض اہل سنّت[1] مفسرین،من جملہ فخررازی کی توجہ کا سبب بنا ہے۔اس لحاظ سے یہاں پران کے بیان کا خلاصہ جواس مطلب پر قطعی استدلال ہے کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے:آیہء اولوالامر کے بارے میں فخررازی کا قولفخررازی نے بھی ''اولوالامر''کی عصمت کوآیہء شریفہ سے استفادہ کیا ہے ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے'':خداوند متعال نے آیہء کریمہ میں ''اولوالامر''کی اطاعت کو قطعی طورپرضروری جانا ہے،اورجس کسی کے لئے اس قسم کی اطاعت واجب ہواس کا خطاواشتباہ سے معصوم ہونا ناگزیر

---

[1] غرائب القرآن،نیشا بوری،ج۲،ص۴۳۴،دارالکتب العلمیۃ بیروت،تفسیرالمنار،شیخ محمدعبدہ ورشیدرضا،ج۵،ص۱۸۱دارالمعرفۃبیروت

ہے،کیونکہ اگر وہ خطاواشتباہ سے معصوم نہ ہو اور بالفرض وہ خطا کا مرتکب ہو جائے تو ،اس آیت کے مطابق اس کی اطاعت کرنی ہوگی!اوریہ ایک امر خطا واشتباہ کی اطاعت ہوگی،جبکہ خطااوراشتباہ کی نہی کی جاتی ہے لہذا انہیں چاہئے کر اس کے امر کی پیروی کیجائے،کیونکہ اس قسم کے فرض کا نتیجہ فعل واحد میں امرونہی کا جمع ہونا ہے (جو محال ہے[1]) ۔

فخررازی اولوالامرکی عصمت کوآیہء سے استدلال کرنے کے بعد،یہ مشخص کرنے کے لئے کہ اولوالامر سے مراد کون لوگ ہیں کہ جن کا معصوم ہونا ضروری ہے کہتا ہے:

۲۔ فخررازی کا جواب یہ بات کہ اولوالامر سے مراد اہل حل وعقد ہیں اور وہ اپنے حکم اور فیصلہ میں معصوم ہیں،مندرجہ ذیل دلائل کے پیش نظر صحیح نہیں ہے:ا۔آیہء کریمہ میں ''اولوالامر ''کا لفظ جمع اور عام ہے کہ جو عمومیت و استغراق پر دلالت کرتا ہے۔اگر اس سے مراد اہل حل وعقد ہوں گے تو اس کی دلالت ایک مجموعی واحد پر ہوگی اور یہ خلاف ظاہر ہے۔وضاحت یہ ہے کہ آیہء کریمہ کاظاہریہ بتاتاہے کہ ایسے صاحبان امرکی اطاعت لازم ہے جن میں سے ہر کوئی، واجب الاطاعت ہو ،نہ یہ کہ وہ تمام افراد (ایک مشترک فیصلہ کی بنیاد پر)ایک حکم رکھتے ہوں اور اس حکم کی اطاعت کرنا واجب ہو ۔

۲۔ عصمت،ایک تحفظ الٰہی ہے،ایک ملکہ نفسانی اور حقیقی صفت ہے اوراس کے لئے ایک حقیقی موصوف کا ہوناضرودری ہے اوریہ لازمی طور پرایک امرواقعی پر قائم ہونا چاہئے جبکہ اہل حل وعقدایک مجموعی واحدہے اور مجموعی واحد ایک امراعتباری ہوتا ہےاورامر واقعی کا امراعتباری پر قائم ہونا محال ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ شیعوں کے ائمہ اورانبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ائمہء معصومین (ع)کی امامت پر فخررازی کے اعتراضات اس کے بعد فخررازی نے شیعہ امامیہ کے عقیدہ،یعنی''اولوالامر ''سے مرادبارہ ائمہ

[1] التفسیرالکبیر،آیت کے ذیل میں ''اولوالامر سے مرادشیعہ امامیہ کے ائمہ معصو مین علیھم السلام(ع)نہیں ہو سکتے ہیں،بلکہ اس سے مراداہل حل وعقد(جن کے ذمہ معاشرہ کے اہم مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری ہے)کہ جواپنے حکم اورفیصلے میں معصوم ہوتے ہیں اوران کے فیصلے سوفیصد صحیح اورمطابق واقع ہوتے ہیں''۔

معصومین ہیں،کے بارے میں چنداعتراضات کئے ہیں:پہلا اعتراض:ائمہء معصومین (علیہم السلام) کی اطاعت کا واجب ہونا یا مطلقاً ہے یعنی اس میں ان کی معرفت وشناخت نیزان تک رسائی کی شرط نہیں ہے،تو اس صورت میں تکلیف مالایطاق کا ہونا لازم آتا ہے،کیونکہ اس فرض کی بنیاد پر اگر ہم انھیں نہ پہچان سکیں اوران تک ہماری رسائی نہ ہو سکے،تو ہم کیسے ان کی اطاعت کریں گے؟یا ان کی شناخت اور معرفت کی شرط ہے،اگر ایسا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے،کیونکہ اس بات کا لازمہ ان کی اطاعت کا واجب ہونامشروط ہوگا،جبکہ آیہء شریفہ میں ان کی اطاعت کا واجب ہو نا مطلقاً ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قیدوشرط نہیں ہے۔ جواب:ائمہء معصومینؑ کی اطاعت کے واجب ہونے میں ان کی معرفت شرط نہیں ہے تاکہ اگرکوئی انھیں نہ پہچانے تواس پران کی اطاعت واجب نہ ہو،بلکہ ان کی اطاعت بذات خودمشروط ہے۔نتیجہ کے طور پر انھیں پہچاننا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جا سکےاوران دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

مزیدوضاحت:بعض اوقات شرط، شرط وجوب ہے اوربعض اوقات شرط،شرط واجب ہے۔مثلاً وجوب حج کے لئے استطاعت کی شرط ہے اورخوداستطاعت وجوب حج کی شرط ہے۔اس بناء پر اگر استطاعت نہ ہو توحج واجب نہیں ہو گا۔لیکن نمازمیں طہارت شرط واجب ہے،یعنی نماز جو واجب ہے اس کے لئے طہارت شرط ہے۔اس بناء پر اگرکسی نے طہارت نہیں کی ہے تووہ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے،وہ گناہ کا مرتکب ہوگا،کیونکہ اس پر واجب تھاکہ طہارت کرے تاکہ نماز پڑھے۔لیکن حج کے مسئلہ میں،اگراستطاعت نہیں رکھتا ہے تواس پرحج واجب نہیں ہے اور وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔اس سلسلہ میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورامام(ع)دونوں کی اطاعت کے لئے ان کی معرفت کی شرط ہے۔اس لحاظ سے ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جا سکے۔پس ان کی اطاعت کاوجوب مطلقاً ہے،لیکن خوداطاعت مشروط ہے۔

خدائے متعال نے بھی قطعی دلالت سے اس معرفت کے مقدمات فراہم کئے ہیں۔جس طرح پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعی دلائل کی بناپرپہچانے جاتے ہیں،اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کو بھی جوآپ کے جانشین ہیں قطعی اورواضح دلائل کی بناپر جیسا کہ شیعوں کے

کلام اورحدیث کی کتابوں میں مفصل طورپرآیاہے اوران کے بارے میں معرفت اورآگاہی حاصل کرناضروری ہے۔

دوسرااعتراض:شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ہرزمانہ میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے،جبکہ ''اولوالامر''جمع ہے اورمتعددااموں کی اطاعت کوواجب قراردیتاہے۔جواب:اگرچہ ہرزمانے میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتاہے،لیکن ائمہ کی اطاعت مختلف ومتعددزمانوں کے لحاظ سے ہے،اوریہ ہرزمانہ میں ایک امام کی اطاعت کے واجب ہونے کے منافی نہیں ہے۔نتیجہ کے طورپر مختلف زمانوں میں مومنین پرواجب ہے کہ جس آئمہ معصوم کی طرف سے حکم ان تک پہنچے،اس کی اطاعت کریں۔

تیسرااعتراض:اگرآیہء شریفہ میں ''اولوالامر''سے مراد آئمہ معصومین ہیں توآیہء شریفہ کے ذیل میں جوحکم دیاگیاہے کہ اختلافی مسائل کے سلسلہ میں خدائے متعال اوررسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کریں،اس میں ائمہ معصومین(ع)کی طرف لوٹنے کا بھی ذکرہوناچاہئے تھا جبکہ آیت میںیوں کہاگیاہے:(فان تنازعتم فی شیء فردّوہ إلی اللہ والرّسول)''پھراگرآپس میں کسی بات میں اختلاف

ہوجائے تواسے خدااور رسولؐ کی طرف ارجاع دو۔''جبکہ یہاں پر ''اولوالامر''ذکرنہیں ہواہے۔

جواب:چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام اختلافات کو حل کرنے اوراختلافی مسائل کے بارے میں حکم دینے میں قرآن مجیداورسنّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرتے ہیں اورکتاب وسنّت کے بارے میں مکمل علم وآگاہی رکھتے ہیں،اس لئے اختلافی مسائل میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرناخدا اوررسولؐ کی طرف رجوع کرناہے۔اسی لئے ''اولوالامر''کاذکر اور اس کی تکرارکرنایہاں پرضروری نہیں تھا۔جملہء شرطیہ میں ''فائے تفریع''ایک اورنکتہ جو''اولوالامر''کے معنی کو ثابت کرنے کے لئے بہت مؤثرہے وہ جملہء شرطیہ میں(أطیعوا اللہ وأطیعوالرّسول وأولی الأمر)کےبعد ''فائے تفریع''کا پایا جا نا ہے۔

یہ جملہء شرطیہ یوںآیاہے:(فإن تنازعتم فی شیء فردّوہ إلی اللہ و رسول)اختلافی مسائل کوخدائے متعال اوررسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹانے کا وجوب،خدا،رسولؐاوراولی الامرکی اطاعت کے وجوب پر متفرع ہواہے،اوراس بیان سے بخوبی سمجھ میں آتاہے کہ اختلافی

مسائل کوخدااوررسول ﷺ ی طرف پلٹانے میں اولوالامرکی اطاعت دخالت رکھتی ہے۔یہ تفریع دوبنیادی مطلب کی حامل ہے:

ا۔اولوالامرکی عصمت :اس لحاظ سے کہ اگراولوالامرخطااورگناہ کامرتکب ہوگااور اختلافی مسائل میں غلط فیصلہ دے گا تواس کے اس فیصلہ کاکتاب وسنت سے کوئی ربط نہیں ہوگاجبکہ تفریع دلالت کرتی ہے کہ چونکہ اولی الامرکی اطاعت ضروری ہے لہذا چاہیئے کہ،اختلافی مسائل کوخدااوررسول ﷺ کی طرف پلٹا یا جائے۔

۲۔کتاب وسنت کے بارے میں کامل ووسیع معلومات:اس لحاظ سے اگراولی الامر کتاب وسنت کے ایک حکم سے بھی جاہل ہواوراس سلسلہ میں غلط حکم جاری کرے تواس حکم میں اس کی طرف رجوع کرناگویاکتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کرنے کے مترادف ہے۔جبکہ ''فائے تفریع''سے یہ سمجھ میں آتاہے کہ اولی الامرکی اطاعت مسلسل اختلافی مسائل کوکتاب وسنت کی طرف پلٹانے کاسبب ہے۔اس لئے آیہء شریفہ میں فائے تفریع،کاوجوداولی الامر کے تعین کے لئے کہ جس سے مرادائمہ معصومین (ع)واضح قرینہ ہے۔مذکورہ نکات سے استفادہ کی صورت میں اب تک درج ذیل چند مطالب واضح ہوگئے:

ا۔آیہء شریفہ میں ''اولی الامر''سے مرادجوبھی ہیں ان کاامرونہی کرنے میں گناہ اورخطاسے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۲۔اولی الامرکا انطباق اہل حل وعقدپر صحیح ودرست نہیں ہے۔(جیساکہ فخررازی کا نظریہ ہے)

۳۔اب تک جوکچھ ثابت ہوچکا ہے اس کے پیش نظراگر''اولی الامر''کے بارے میں ہمارے بیان کئے گئے گیارہ اقوال رنظرڈالیں،توآیہء کریمہ کی روشنی میں ''اولی الامر''سے مرادتنہاشیعہ امامیہ کا نظریہ قابل قبول ہے اوریہ امران کے علاوہ دوسروں کے عدم عصمت پراجماع ہونے کی بھی تاکید کرتاہے۔

ظالم حکام اولوالامرنہیں ہیں اولوالامرکے مفہوم میں اشارہ کیاگیاکہ اولوالامرمیں صرف وہ لوگ شامل ہیں،جوامت کی سرپرستی ان کے امورکے مالک ہوں،اوریہ عنوان ان پر بھی صادق ہے کہ جنھیں ظلم اورناحق طریقہ سے امت کی سرپرستی سے علیحدہ کیاگیاہے۔اس

کی مثال اس مالک مکان کی جیسی ہے،جس کے مکان پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسے نکال باہر کر دیا گیا ہو۔دوسرا نکتہ جو ''اولوالامر'' کے مقام کی عظمت اور اس کے بلند مرتبہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ ''اولوالامر''کا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے او پر عطف ہونا ہے۔مطلقاً وجوب اطاعت میں خدا ورسول کے ساتھ یہ اشتراک و مقارنت ایک ایسا رتبہ ہے جو ان کے قدر و منزلت کے لائق افراد کے علاوہ دوسروں کے لئے میسر نہیں ہے۔

یہ دواہم نکتے(مفہوم ''اولوالامر''اوروجوب اطاعت کے سلسلہ میں الوالامر کا خدا اور رسولؐ پر عطف ہونا) خود ''اولوالامر'' کے دائرے سے ظالم حکام کے خارج ہونے کو واضح کرتا ہے۔زمخشری کا تفسیر الکشاف۱ میں اس آیہء شریفہ کے ذیل میں کہنا ہے:

''خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظالم حکام سے بیزار ہیں اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت کے واجب ہونے پر عطف کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ان کے لئے شائستہ ترین نام ''اللصوص المتغلبۃ''ہے۔

یعنی ایسے راہزن کہ جو لوگوں کی سر نوشت پر زبردستی مسلط ہوگئے ہیں۔''اس بیان سے معروف مفسر قرآن،طبری کے نظریہ کا قابل اعتراض ہونا واضح ہوجاتاہے،جس نے ظالم کام کو بھی اولوالامر کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے ان کی اطاعت کے ضروری ہونے کی طرف اشارہ کیاہے۔اولوالامر کے بارے میں طبری کا قول مناسب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں طبری کے بیان اوراستدلال کی طرف اشارہ کریں:أولی الأقوال فی ذلک بالصواب قول من قال:''ہم الأمراء اولو لاتصحۃ الأخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالأمر بطاعۃ الأئمۃ والولاۃ فیما کان طاعۃ وللمسلمین مصلحۃ''کالذی حدثنی علی بن مسلم الطوسی قال:ثنا ابن أبی فدیک قال:ثنی عبداللہ ابن محمد بن عروۃ،عن ہشام بن عروۃ،عن أبی صالح السمان،عن أبی ہریرۃ:أن النبیّ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم۔قال:سیلیکم بعدی ولاۃ،فیلیکم البرّ ببرّہ،والفاجر بفجورہ۔فاسمعوا لہم وأطیعوا فی کل ما وافق الحق وصلّوا وراء ہم!فإن أحسنوا فلکم ولہم،وإن أساؤوا فلکم وعلیہم!وحدثنا ابن المثنی قال:ثنا یحیی بن عبیداللہ قال:أخبرنی نافع،عن عبداللہ،عن النبیّ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔قال:علی المرء المسلم الطاعۃ فیما أحبّ وکرہ إلّا أن یؤمر

بمعصیۃ،فمن أمر بمعصیۃ فلا طاعۃ۔ حدثنا ابن المثنی قال:ثنی خالد بن عبید اللہ،عن نافع،عن أبی عمر،عن النبیؐ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نحوہ[1]۔طبری نے تمام اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ جس میں ''اولوالامر'' سے مراد مطلق حکام(نیک وبد)لیا گیاہے۔اوراس سلسلہ میں ان دواحادیث سے استدلال کیا ہے،جن میں حکمران اور فرمانرواؤں کی اطاعت کو مطلق طور پر ضروری جا ناکیا گیا ہے۔نہ صرف ''اولی الامر''کا مفہوم اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عطف ہونا اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے،بلکہ ایسی صورت میں طبری کے نظریہ پر چند اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں:پہلا اعتراض:یہ احادیث قابل اعتبار اور حجت نہیں ہیں،کیونکہ حدیث کی سند میں پہلے ابن ابی فدیک کا نام ہے کہ اہل سنّت کے رجال وحدیث کے ایک امام،ابن سعدکا اس کے بارے میں کہنا ہے: ''کان کثیرالحدیث ولیس بحجۃ''[2]''اس سے کافی احادیث رو ایت ہوئی ہیں اور(اس کی بات) حجت نہیں ہے'' ابن حبان نے اسے خطا اوراشتباہ کرنے والا جانا ہے[3]۔اس کے علاوہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عروۃ ہے کہ جس کا علم رجال کی معروف کتابوں میں موثق ہونا ثابت نہیں ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں بھی بعض ضعیف اور مجہول افراد پائے جاتے ہیں،جیسے یحییٰ بن عبیداللہ،کہ متعلق اہل سنت کے ائمہء رجال جیسے ابوحاتم،ابن عیینہ، یحییٰ القطان،ابن معین ،ابن شیبہ،نسائی اوردار قطبنی نے اسے ضعیف اور قابل مذمت قراردیا ہے[4]۔ دوسرااعتراض:ان احادیث کا آیہء ''اولی الامر'' سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ احادیث اس آیت کی تفسیر نہیں کرتی ہیں۔تیسرا اعترض:طبری کی یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیات سے تناقص رکھتی ہے،من جملہ یہ آیہء شریفہ:(ولا تطیعواأمرالمسرفین الذین یفسدون فی الأرض ولا یصلحون[5])''اورزیادتی کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو،جوزمین میں فساد برپاکرتے ہیں اوراصلاح کے درپی نہیں ہیں''علماء بھی اولوالامر نہیں ہیں''اولوالامر''کا مفہوم سرپرستی اورولایت کو بیان کرتا ہے اور علماء کا

---

[1] تفسیر طبری،ج۵،ص۹۵،دارالمعرفۃ،بیروت
[2] الطبقات الکبری،ج۵،ص۴۳۷،داربیروت للطباعۃوالنشر
[3] کتاب الثقات،ج۹،ص۴۲،مؤسسۃالکتب الثقافیۃ
[4] تہذیب التہذیب ،ج۱۱،ص۲۲۱،دارالفکر
[5] شعراء،۱۵۲۔۱۵۱

کردار لوگوں کووضاحت اور آگاہی دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ : ایک تو، ''اولوالامر ''کے عنوان سے صاحبان علم وفقہ ذہن میں نہیں آتے ہیں مگر یہ کہ خارج سے اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود ہو جس کے روسے علماء اوردانشوروں کو سر پرستی حاصل ہو جائے اوریہ دلالت آیت کے علاوہ ہے جنہوں نے اس قول کو پیش کیاہے،وہ اس لحاظ سے ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے معاملات میں علماء کی اطاعت کرکے ان کی راہنمائی سے استفادہ کریں۔ دوسرے یہ کہ:اس آیہء شریفہ سے قبل والی آیت میں خداوند متعال نے حکام کے فرائض بیان کئے ہیں:(وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل) ''جب کوئی فیصلہ کرو توانصاف کے ساتھ کرو''

زیر بحث آیت میں ''اولوالامر ''کی نسبت لوگوں کی ذمہ داریوں کوبیان کیا گیا ہے اوراس سے واضح ہوتا ہے کہ ''اولوالامر ''سے مراد مذکورہ صفات کے حامل وہی حکام ہیں،نہ علماء تیسرے یہ کہ:اگراس سے مراد علماء ہیں توکیا یہ علماء بہ طور عام اور بہ حیثیت مجموعی مراد ہیں یا یہ کہ بہ حیثیت استغراقی،ان میں ہرفرد ولی امر ہے اوراس کی اطاعت واجب ہے؟اگر پہلا فرض مراد ہے،تواس پر اعتراض اہل حل وعقد والے قول اورفخررازی کے نظریہ کے سلسلہ میں بیان ہوچکاہے،اوراگردوسری صورت مراد ہے توآیہء شریفہ میں مطلقا طور پر کس طرح ان کی اطاعت واجب ہوئی ہے،جبکہ اگرایسا ہے تواس کے ضوابط اور شرائط قرآن وحدیث میں بیان ہونے چاہئے تھے۔

چوتھے یہ کہ: پچھلی آیت میں ''فائے تفریع ''کی وضاحت میں آیہء شریفہ کے بعد والے جملہ میں آیاہے:(فإن تنازعتم فی شیء فردّوہ إلی اللہ والرّسول) یہ جملہ فائے تفریع کے ذریعہ پہلے والے جملہ سے مربوط ہے کہ اس کے معنی اختلافی صورت میں خدا اوررسول کی طرف رجوع کرنا خدا ورسول نیز اولی الامر کی مطلقاً اطاعت کے وجوب پر متفرع ہے۔ اس جملہ سے واضح ہو جا تاہے کہ اختلافی مسائل میں خدااوررسول کی طرف رجوع کر نا ضروری ہے،یہ رجوع کر نا 'اولوالامر''کی اطاعت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔اوربعد والے جملہ میں لفظ ''اولوالامر''کو نہ لانے کا مقصد بھی اسی مطلب کو واضح کرتا ہے یعنی تنہا ''اولوالامر'' ہے جوکتاب وسنت کے معانی و مفاہیم نیز تمام پہلوؤں سے آگاہ ہے لہذا اختلافی مسائل میں اس کی طرف رجوع کر نا درحقیقت خدااوررسولؐ کی طرف رجوع کر

نا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مطلقاً یعنی بہ طور کلی علماء ایسے نہیں ہیں سواء ان لوگوں کے کہ جو منجانب اللہ گناہ وخطاء سے محفوظ ہیں۔ آیہء کریمہ کے بارے میں چند دیگر نکاتاس قول کے بارے میں کہ ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہیں، مفسرین کے بیانات میں بعض قابل غور باتیں دیکھنے میں آتی ہیں ،شائستہ نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیت میں غور وخوص ان اعتراضات کو واضح کر دیتا ہے پہلا نکتہ: (فإن تنازعتم)میں مخاطبین وہی ہیں جو (یاایھا الذین آمنوا)میں مخاطبین ہیں۔ ''آیت میں مخاطب مومنین ''کا اولوالامر کے درمیان تقابل کا قرینہ متقاضی ہے کہ ''الذین آمنوا''''اولوالامر'' کے علاوہ ہوں کہ جس میں حاکم و فرمانرواولوالامر اور مطیع وفرمانبردار مومنین قرار دیئے جائیں ۔دوسرا نکتہ:اس نکتہ کے پیش نظر،مومنین کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہیں نہ ان کے اور اولوالامر کے درمیان کے اختلافات۔

تیسرا نکتہ: یہ کہ مومنین سے خطاب مورد توجہ واقع ہو اور اس کو اولی الامر کی طرف موڑ دیا جائے ،یہ سیاق آیت کے خلاف ہے اوراس توجہ کے بارے میں آیہء شریفہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔چند نظریات پر تنقید قرطبی اور جصاص نے جملہ (فإن تنازعتم فی شیء فردّوہ إلی اللہ والرّسول)کواس پر دلیل قراردیا کہ ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہیں،اورچونکہ جو علماء نہیں ہیں وہ خدا ورسولؐ کی طرف پلٹانے کی کیفیت کو نہیں جانتے ہیں،اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے علماء کوخطاب کیا ہے اورانھیں جھگڑے اوراختلاف کی صورت میں حکم دیاہے کہ اختلافی مسئلہ کو خدا اور رسول کی طرف پلٹادیں[1]۔ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں اس قول کو پیش کیا ہے اورمذکورہ دومفسروں نے جوکچھ کہا ہے،اس کے خلاف ہے:جملہء ''فإن تنازعتم ''اس کی دلیل ہے کہ اولوالامر سے مراد علماء نہیں ہو سکتے ہیں،کیونکہ مقلد مجتہد کے حکم کے بارے میں اس سے اختلاف نہیں کرسکتا ہے،مگر یہ کہ ہم کہیں کہ جملہ ''فإن تنازعتم ''کا مقلدین سے کوئی ربط نہیں ہے اوریہ خطاب صرف علماء سے ہے اوراس سلسلہ میں کسی حد تک التفات ملاحظہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی بعید ہے[2]۔قرطبی اورجصّاص کے لئے یہ اعتراض ہے کہ وہ التفات(توجہ) کے قائل ہوئے ہیں اور جملہ ''فتنازعتم'' کو علماء سے

---

[1] جامع احکام القرآن،ج۵،ص۲۶۰،دارالفکر۔احکام القرآن جصاص،ج۲،ص۲۱۰،دارالکناف العربی۔
[2] ارشاد العقل السلیم ،تفسیر ابوالسعود،ج۲،ص۱۹۳،داراحیاء التراث العربی ،بیروت۔

خطاب جاناہے جبکہ بظاہر یہ ہے کہ '' تنازعتم '' کا خطاب تمام مومنین سے ہے اوراس التفات کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ابوالسعود کا اشکال یہ ہے کہ اس نے آیہء شریفہ میں اختلاف کو ''اولوالامر'' سے مراد علماء ہونے کی صورت میں اختلاف بین علماء اور مقلدین سمجھا ہے ،جبکہ مؤمنین سے خطاب ہے،چونکہ مؤمنین آیہء شریفہ میں اولوالامر کے مقابلہ میں قراردئے گئے ہیں ،لہذاان کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہوں گے،نہ کہ علماء کے فرض کرنے کی صورت میں اولوالامر کے ساتھ یہاں تک واضح ہوا کہ مذکورہ نکات کے پیش نظر ''اولوالامر'' سے مرادعلمائنہیں ہوسکتے ہیں۔قرطبی اورجصاص کا نظریہ بھی صحیح نہیں ہے،جنھوں نے التفات کا سہارالے کر اس قولکو صحیح قراردینے کی کوشش کی ہے اورابوالسعود کا نظریہ بھی درست نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مستردہونا واضح ہے۔

اصحاب اور تابعین بھی اولوالامر نہیں ہیں۔آیہء شریفہ میں چند دوسرے ایسے نکات بھی موجود ہیں کہ جن کی روشنی میں اصحاب یا اصحاب وتابعین یا مہاجرین وانصار کا اولوالامر نہ ہوناثابت کیا جاسکتا ہے ۔آیہء شریفہ میں عموماً مؤمنین سے خطاب کیا گیا ہے اور ایسے افراد کہ جن کی اطاعت کرنا مؤمنین کے لئے بطور مطلق واجب ہے،ان کا ذکر ہے لہذا مؤمنین وہ لوگ ہیں کہ جن کی شان اطاعت وفرمانبرداری ہے اورخدا ورسولؐ نیز اولوالامر کی شان مومنین کے اوپر مطلقاًاختیار اور فرمانروائی ہے ،ان دونوں کا (مفہوم)ایک دوسرے کے مدمقابل واقع ہونا واضح قرینہ ہے کہ مؤمنین ''اولوالامر'' کے علاوہ ہیں۔مؤمنین کی حیثیت صرف فرمانبرداری ہے،اوران کے مقابل یعنی خدااوررسولؐ نیزاولوالامر کی حیثیت فرماں روائی ہے۔یہ مغایرت جس چیزکی تاکید کرتی ہے ،وہ یہ ہے کہ اولوالامرکا تذکرہ خدااوررسولؐ کے ساتھ ایک سیاق میں واقع ہے اورآیت میں خدا اوررسولؐ کی حیثیت سواء مطاع (جس کی اطاعت کی جائے)کے کچھ نہیں ہے،لہذا اولوالامرکی بھی وہی حیثیت ہونی چاہئے۔

اس مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ اولوالامر،اصحاب ،تابعین یا مہاجرین وانصارکے زمرے سے نہیں ہوں گے کیوں کہ ایسی صورت میں مذکورہ مغایرت موجود نہیں رہے گی،حالانکہ جو مؤمنین آیہء شریفہ کے نزول کے وقت اس کے مخاطب واقع ہوئے ہیں وہ،وہی

اصحاب ،مہاجرین اور انصا رہیں۔ ۲۔دوسرانکتہ یہ ہے کہ اگر اولوالامر کے مصداق اصحاب ہوگے، تو کیا یہ تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی ہیں یا بنحواستغراقی ؟مزید واضح لفظوں میں کیا اصحاب میں سے ہر ایک فرد بہ طور مستقل اولوالامر ہے او ر قوم کی سرپرستی کا اختیار رکھتاہے، یا تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی اس عہدے کے مالک ہیں؟ فطری بات ہے کہ دوسری صورت کے اعتبار پر سب کا اجماع اور اتفاق ہوگا؟دوسرا فرض (یعنی عام بہ حیثیت مجموع) ظاہر کے خلاف ہے، جیسا کہ فخررازی کے بیان میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے ،او ر پہلا فرض یعنی اصحاب میں سے ہر ایک بہ طور مستقل صاحب ولایت ہوگا، یہ بھی ظاہر اور اصحاب کی سیرت کے خلاف ہے ۔ کیونکہ اصحاب کے زمانہ میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ ہر ایک دوسرے کے لئے (وہ بھی مطلقاً) وجوب اطاعت کا مالک ہوا ۔

اس کے علاوہ اصحاب علمی اور عملی لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے۔ان میں کافی تعداد میں ایسے افراد بھی تھے جن میں علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔مثال کے طور پر ولیدبن عقبہ کے فاسق ہونے کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ جس کی خبر کی تحقیق واجب وضروری ہے ان حالات کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ ''اولوالامر''کے مصداق بہ طور مطلق اصحاب یا مہاجرین و انصار ہوں؟سریہ کے سردار بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:اسی طرح''اولوالامر'' کے مصداق سریہ کے کمانڈو بھی نہیں ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا، اس کے علاوہ ''اولوالامر'' کا رسول ﷺ پر عطف ہونا، ''اولوالامر''کی مطلق اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہےاور جملہ ''فإن تنازعتم''کامتفرع ہونا، خدا و

۱۔ اصحاب کے بارے میں مصنف کی کتاب ''عدالت صحابہ در میزان کتاب و سنت '' ملاحظہ ہوجن جنگوں میں پیغمبراکرم صلی للہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طورپر شرکت نہیں کی ہے،انھیں سریہ کہتے ہیں۔پیغمبرؐ اور اولوالامرکی مطلق اطاعت نیز''اولوالامر''کی عصمت پر دلیل ہیں ۔سریہ کے کمانڈ معصوم نہیں ہیں،اس سلسلہ میں اصحاب اورتابعین کی طرف سے کچھ آثار نقل ہوئے ہیں جواس مطلب کی تائید کرتے ہیں۔ہم یہاں پر ان آثار میں سے چند کی طرف اشارہ کررہے ہیں:۱۔ابن عباس سے ایک حدیث میں روایت

کی گئی ہے:آیہء ''اولی الامر''ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے،کہ جسے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ میں(سرپرست و سر براہ کے عنوان سے) بھیجا تھا[1]۔اس حدیث کی سند میں حجاج بن محمد کا نام آیا ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے'':کان قد تغیّر فی آخر عمرہ''،یعنی:آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔اورابن حجر نے کہا ہے کہ اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے[2]فطری بات ہے کہ اس کیفیت و حالت کے پیش نظر اس کی روایت معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔

۲۔ایک دوسری حدیث میں میمون بن مہران سے روایت ہوئی ہے کہ ''اولوالامر'' وہ لوگ ہیں جو سریہ (جنگوں) میں شرکت کرتے تھے[3]۔اس حدیث کی سند میں عنبسۃ بن سعید ضریس کا نام ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے'':کان یخطی[4]''،یعنی :وہ مسلسل خطا کا مرتکب ہوتا تھا۔''طبری نے ایک حدیث میں سدی سے نقل کیا ہے [5] کہ اس نے آیہء ''اولوالامر''کو اس قضیہ سے مرتبط جانا ہے کہ ایک سریہ (جنگ) میں خالد بن ولید کوکمانڈر مقرر کیا گیا تھااورس سریہ میں عماریاسر بھی موجود تھے اور انہوں نے ایک مسلمان کوجو گرفتار ہوگئے تھے،امان دی تھی ،اس سلسلہ میں خالد سے اختلاف رای کا اظہارکیا تھا[6]۔ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے،کیونکہ ایک تو یہ مرسل ہے اوردوسرے سدی کے بارے میں یحیٰ بن معین ا ور عقیلی سے نقل ہوا ہے کہ وہ ضعیف ہے اورجوزجانے اسے کافی جھوٹا بتا یا ہے[7]۔

۳۔بخاری نے آیہء ''اولوالامر''کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ یوں ہے'':حدثنا صدقۃ بن الفضل،أخبرنا حج ابن محمد،عن ابن جریج،عن یعلی بن مسلم،عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: ''أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم''قال:نزلت فی عبداللہ بن حذافۃ ابن قیس بن عدی اذ بعثہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی سریۃ[8]۔اس حدیث میں سعید بن جبیر ان نے ابن عباس سے روایت کی ہے

---

[1] تفسیر طبری،ج۵،ص۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت
[2] تہذیب التہذیب،ج۲،ص۱۸۱
[3] تفسیر طبری ،ج۵،ص۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت
[4] تہذیب التہذیب،ج۸،ص۱۳۸
[5] تفسیر طبری ،ص۹۲،دارالمعرفۃ
[6] تفسیر طبری ،ص۹۲،دارالمعرفہ
[7] تہذیب التہذیب،ج۱،ص۲۷۳
[8] صحیح بخاری،ج۳،ص۳۷۶،کتاب التفسیر،باب قولہ(أطیعو اللہ---)ح۱۰۱،دارالقلم

کہ آیہء (أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول وأولی الأمر منکم) عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جب رسول خدا ﷺ نے اس سے ایک سریہ کے لئے روانہ کیا۔چونکہ یہ حدیث فتح الباری میں ابن حجر کے کلام سے اخذ کی گئی ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ روایت سنید بن داؤد مصیصی سے روایت ہوئی ہو جیسا کہ ابن سکن سے منقول ہے نہ کہ صدقہ بن بیرو تفضل سے جیسا کہ اکثر نے نقل کیا ہے اور موجودہ صحیح بخاری میں بھی اسی کے حوآلے سے آیا ہے اور سنید بن داؤد کو ابی حاتم ونسائی نے ضعیف جانا ہے۔[1] اس بنا پر ایک تو یہ بات مسلّم ویقینی نہیں ہے کہ بخاری میں موجود روایت صدقہ بن فضل سے ہوگی،بلکہ ممکن ہے سنید سے ہو جبکہ وہ ضعیف شمار ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ:اس کی سند میں حجاج بن محمد ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے''کان قد تغیر فی آخر عمرہ''' یعنی:آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔''اور ابن حجر نے کہاہے:اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے[2]۔ابوبکر اور عمر بھی اولوا الامر کے مصداق نہیں ہیں مذکورہ وجوہ کے پیش نظر واضح ہوگیا کہ ابوبکر اور عمر بھی ''اولوا الامر'' کے مصداق نہیں ہیں نیز ان وجوہ کے علاوہ دین وشریعت سے متعلق سوالات کے جوابات میں ان کی لا علمی ناتوانی اور احکام الٰہی کے خلاف ان کا اظہار نظر بھی اس کا بین ثبوت ہے کہ جو تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کثرت سے درج ہے۔اس سلسلہ میں کتاب الغدیر کی جلد ۶اور ۷ کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے۔اہل سنت کی بعض کتابوں میں درج یہ حدیث کہ جس میں ان کی اقتداء کرنے کا اشارہ ہواہے:''إقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر''کئی جہات سے باعث نزاع ہے۔من جملہ یہ کہ اس کی سند میں عبدالملک بن عمیر ہے کہ تہذیب الکم[3] میں احمد بن حنبل سے اس کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے:عبد الملک بن عمیر بہت زیادہ مضطرب البیان ہے اس سے منقول میں نے ۵۰۰سو وایتیں دیکھی ہیں کہ جن میں اکثر غلط ہیں عبدالملک بن عمیر مضطرب الحدیث جداً۔أأری لہ خمساًۃ حدیث،وقد غلط فی کثیر منھا'' اور احمد بن خلیل نے بھی اس کے ضعیف ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔اور ابو حاتم سے نقل کیا ہے:(عبدالملک) لیس

---

[1] فتح الباری،ج۸،ص۲۵۳
[2] تہذیب التہذیب،ج۲،ص۱۸۱
[3] سنن ترمذی ،ج۵،ص۵۷۰،ح۳۶۶۳

بحاف*۔ تغیر حفظہ قبل موتہ''عبدالملک کا حافظ درست نہیں ہے اور موت سے پہلے اس کا حافظ کھو گیا تھا۔ اور ترمذی کی سند میں سالم بن علاء مرادی ہے کہ ابن معین اور نسائی نے اسے ضعیف جانا ہے[1]۔ اس کے علاوہ ترمذی کی سند میں سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی ہے کہ ابن حجر نے صالح بن محمد سے نقل کیا ہے: ''إنّہ کان یغلط''یعنی: ''وہ مسلسل غلطی کرتا تھا[2]۔'' اس کے علاوہ اگر اس قسم کی احادیث ثابت ہوتیں تو ابو بکر اور عمر سقیفہ میں ان سے استدلال کرتے اور خلافت کے لئے اپنی صلاحیت ثابت کرتے جبکہ اس قسم کی کوئی چیز قطعی طور پر نقل نہیں ہوئی ہے اور یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ مذکورہ حدیث صادر نہیں ہوئی ہے اور جعلی ہے۔ اولیاء شرعی (باپ) بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں: باپ، دادا وغیرہ کہ جو ولایت شرعی رکھتے ہیں وہ بھی بہ طور مطلق ''اولوالامر'' نہیں ہیں۔ گزشتہ موارد میں ذکر شدہ مطالب سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

''اولوالامر''اور حدیث نزلت، حدیث اطاعت اور حدیث ثقلین حدیث منزلت: حاکم حسکانی[3] نے ''شواہد التنزیل[4]''میں آیہء اولوالامر کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے اور اپنی سند سے مجاہد سے روایت کی ہے '': ۔وأولی الأمر منکم''قال: نزلت فی أمیر المؤمنین حین خلفہ رسول اللہ بالمدینۃ، فقال: أتخلفنی علی النساء والصبیان؟ فقال: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلۃ ہارون من موسی، حین قال لہ ''أخلفنی فی قومی وأصلح''فقال اللہ: ''۔وأولی الأمر منکم۔'' فقال: ہو علی بن ابی طالب، ولآہ اللہ الامر بعد محمد فی حیاتہ حین خلفہ رسول اللہ بالمدینۃ، فأمر اللہ العباد بطاعتہ وترک خلافہ''''(آیہء شریفہ کے بارے میں) (۔وأولی الأمر منکم۔) مجاہد نے یوں کہا ہے: آیہء شریفہ امیرالمؤمنین علی (علیہ السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس وقت علی (علیہ السلام) نے کہا: کیا مجھے عورتوں اور بچوں پر جانشین قرار دے رہے ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تمہاری نسبت میرے الحکانی القاضی المحدث ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ محمد بن حساکان القرشی

---

[1] میزان الاعتدال، ج۲، ص۱۱۲، دار الفکر

[2] تہذیب التہذیب، ج۴، ص۸۶

[3] حاکم حسکانی اہل سنّت کے بڑے محدثین میں سے ہے۔ ذہبی اس کے بارے میں کہتاہے:

[4] شواہد التنزیل، ج۲، ص۱۹۰، مؤسسہ الطبع والنشر

العامری اللینسا بوری الحنفی الحاکم، و یعرف با بن الحذاء، شیخ متقن ذو عنایۃ تامۃ بعلم الحدیث، حسکانی،قاضی محدث ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ... محمد بن حسکانی قرشی عامری نیشابوری حنفی مذہب وحاکم ،ابن خداء کے نام سے معروف ہے۔ وہ علم حدیث کے بارے میں قوی اور متقن استاد (شیخ) ہے۔ساتھ وہی ہے جو ہارون کی نسبت موسیٰ (علیہ السلام) سے تھی جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا (أخلفنی فی قومی) ''میری قوم میں میرے جانشین ہو اور اصلاح کرو'' (اس آیہء شریفہ میں) خدا وند متعال نے فرمایا ہے: (وأولی الأمر منکم) ''اولوالامر'' (کا مصداق) علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں کہ خداوند متعال نے انھیں پیغمبر ﷺ کی حیات میںآپ کے بعدامت کے لئے سرپرست قرار دیاہے،جب انھیں مدینہ میں اپناجانشین مقرر فرمایا۔لہذا خداوند متعال نے اپنے بندوں کوان کی اطاعت کرنے اوران کی مخالفت ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔اس حدیث میں،اس مجاہد نامی تابعی دانشور اور مفسر نے آیہء شریفہ ''اولی الامر'' کی شان نزول کے لئے وہ وقت جانا ہے کہ جب پیغمبراکرم ﷺ نے امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین قراردیا تھا۔اس حدیث میں ہارون کی وہ تمام منزلتیں جو وہ موسیٰ کے حوالے سے رکھتے تھے،علی علیہ السلام کے لئے رسول خدا ﷺ کے حوالے سے قرار دی گئی ہیں۔من جملہ ان میں سے ایک موسیٰ (علیہ السلام) کی نسبت سے ہارون کی جانشینی ہے۔یہ جانشینی،جس کا لازمہ پوری امت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کا واجب ہونا ہے،علی علیہ السلام کے لئے معین کی گئی ہے۔یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس ان نزول سے قطع نظر،حدیث منزلت فریقین (شیعہ وسنی) کے درمیان ثابت اور مسلّم احادیث میں سے ہے،اس طرح کہ حدیث منزلت کو بیان کرنے کے بعد مذکورہ شان نزول کے سلسلہ میں حاکم حسکانی کا کہنا ہے'': وہذا ہوحدیث المنزلۃ الذی کان شیخنا ابوحازم الحافظ یقول: خرجتہ بخمسۃآلاف إسناد''یہ وہی حدیث منزلت ہے کہ ہمارے شیخ (ہمارے استاد) ابوحازم حافظ (اس کے بارے میں) کہتے ہیں: میں نے اس (حدیث) کو پانچ ہزار اسنادسے استخراج کیا ہے۔''لہذا،اس حدیث کے معتبر ہونے کے سلسلے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ ابن عساکر جیسے

بڑے محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے اصحاب کی ایک بڑی تعداد سے نقل کیا ہے[1]۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل اور سب سے اعلم نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور آپؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کے جانشین ہیں۔

حدیث اطاعت:

دوسری دلیل جو''اولوالامر''کو علی علیہ السلام پر منطبق کرنے کی تاکید کرتی ہے،وہ ''حدیث اطاعت'' ہے۔یہ حدیث گوناگوں طریقوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے:حاکم نیشا پوری نے اپنی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین''[2] میں اسے نقل کیا ہے اور ذہبی نے ذیل صفحہ تلخیص کرتے ہوئے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے۔حدیث کا متن یوں ہے '':قال رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن أطاع علیاً فقد أطاعنی ومن عصی علیاً فقد عصانی''، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی(معصیت)کی گویا اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے علی (علیہ السلام) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جو نے علی(علیہ السلام) سے نافرمانی کرے گا اس نے مجھ سے نافرمانی کی ہے۔اس حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے متلازم قرار دیا ہے اوراپنی اطاعت کوخدا کی اطاعت سے متلازم جانا ہے۔اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کیا ہے اوراپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قراردیا ہے۔یہ حدیث واضح طور پر علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند واجب الاطاعت ہونے کی دلیل ہے۔اس کا مضمون آیہء شریفہ ''اولوالامر'' کے مضمون کی طرح ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اولوالامر کی اطاعت گویا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث آیہء شریفہء اولی الامر کے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام پر انطباق کے لئے مفسر ہے۔

[1] شواہد التنزیل ،ج۲،ص۱۹۵،مؤسسۃ الطبع والنشر
[2] المستدرک ،ج۳،ص۱۲۱،دارالمعرفۃ،بیروت
ہے۔

اسی طرح یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی عصمت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اطاعت حکم اورامر پر متفرع ہے کیونکہ جب تک کوئی حکم و امر نہیں ہوگا اطاعت موضوع و معنی نہیں رکھتی ہے اور حکم وامر ارادہ پر موقوف ہے،اورارادہ شوق نیز درک مصلحت در فعل کا معلول ہے۔جب حدیث کے تقاضے کے مطابق علی علیہ السلام کی اطاعت پیغمبر ﷺ کی اطاعت کے ملازم بلکہ اس کا ایک حصہ ہے،تواس کا امر بھی پیغمبر ﷺ کا امر اور اس کا ارادہ بھی آنحضرت ﷺ کا ارادہ اوراس کا درک مصلحت بھی عین درک مصلحت پیغمبراکرم ﷺ ہوگا اوریہ حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔

حدیث ثقلین:

ایک اور دلیل جو آیہ شریفہ ''اولوالامر''کو پیغمبراسلام ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام (ائمہء معصوم)پرانطباق کی تاکید کرتی ہے،وہ حدیث ثقلین ہے۔یہ حدیث شیعہ وسنی کے نزدیک مسلّم اور قطعی ہے اور بہت سے طریقوں اور اسناد سے احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اگر چہ یہ حدیث متعدد مواقع پر مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے،لیکن اس میں دوجملے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اوریہ دوجملے حسب ذیل ہیں'':إنّی تارک فیکم الثقلین:کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ماإن تمسکتم بہما لن تضلّوا ابداً۔وإنّہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض [1]''میں تم میں دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:ایک کتاب خدااور دوسرے میری عترت کہ جواہل بیت (علیہم السلام)ہیں اگر تم انھیں اختیار کئے رہوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثرپرمیرے پاس وارد ہوں گے۔''ابن حجر نے اپنی کتاب''الصواق المحرقۃ''میں اس حدیث کے بارے میں کہاہے'':ثقلین سے تمسک کرنے کی حدیث کے بارے میں بہت سے طریقے ہیں۔یہ حدیث بیس سے زیادہ اصحاب سے نقل ہوئی ہے۔ان طریقوں میں سے بعض میں آیاہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اس وقت مدینہ میں ارشاد فرمایا کہ جب آپؐ بستر علالت پر تھے

---

[1] صحیح ترمذی، ج۵، ص۶۲۱۔۶۲۲دارالفکر۔ مسنداحمد، ج۳، ص۱۷و۵۹وج۵، ص۱۸۱و۱۸۹دارصادر، بیروت۔مستدرک حاکم ج۳،ص۱۰۹۔۱۱۰،دارالمعرفۃ،بیروت۔حضائص النسائی ،ص۹۳،مکتبۃنینویٰ۔اس کے علاوہ اس اسلسلہ میں دوسرے بہت سے منا بع کے لئے کتاب اللہ واہل البیت فی حدیث ثقلین''کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

[2] الصواعق المحرقۃ،ص۱۵۰،مکتبۃ القاہرۃ

اوراصحاب آپؐ کے حجرۂ مبارک یاآپؐ کے گرد جمع تھے۔بعض دوسرے طریقوں سے نقل ہواہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے غدیر خم میں بیان فرمایا ہے۔بعض دوسرے منابع میںآیاہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے طائف سے واپسی کے موقع پر فرمایاہے۔ان سب روایتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔کیونکہ ممکن ہے قرآن وعترت کی اہمیت کے پیش نظران تمام مواقع اور ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی اس حدیث کوبیان فرمایا ہوگا۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم،علامہ بحرانی نے اپنی کتاب ''غایۃالمرام'[1] میں حدیث ثقلین کو اہل سنت کے ۳۹ طریقوں سے اور شیعوں کے ۸۲ طریقوں سے نقل کیا ہے۔اس حدیث شریف میں پہلے، امت کوگمراہی سے بچنے کے لئے دوچیزوں(قرآن جیداورپیغمبر ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام)سے تمسک اور پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے،جو اس بات پر دلالت ہے کہ اگر ان دونوں کی یاان میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی گئی تو ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہونا یقینی ہے اور یہ کہ پیغمبراسلام ﷺ کے اہل بیت(علیہم السلام) اور قرآن مجید یک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اورہرگزایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔یہ دو جملے واضح طورپر دلالت کرتے ہیں کہ ،اہل بیت علیہم السلام ،جن میں سر فہرست حضرت علی علیہ السلام ہیں ،لوگوں کوچاہیئے وہ قرآن مجید کے مانندان سے متمسک رہیں اوران کے اوامر کی اطاعت کریں ۔اور یہ کہ وہ قرآن مجید سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ،واضح طورپر ان کی عصمت کی دلیل ہے ،کیونکہ اگروہ گناہ وخطا کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ قرآن مجید سے جدا ہوجائیں گے،جبکہ حدیث ثقلین کے مطابق وہ کبھی قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے۔

شیعہ وسنی منابع میں اولوالامر سے متعلق حدیثیں آیہء شریفہ ''اولوالامر'' کے علی علیہ السلام اورآپ (ع)کے گیارہ معصوم فرزندوں (شیعوں کے بارہ اماموں)پرانطباق کی دلائل میں سے ایک اوردلیل،وہ حدیثیں ہیں،جو شیعہ و سنی کی حدیث کی کتابوں میں درج ہوئی

---

[1] غایۃالمرام،ج۲،ص۳۶۷۔۳۰۴

ہیں اور اولوالامر کی تفسیر علی (علیہ السلام)،اور آپ (ع) کے بعد آپ (ع) کے گیارہ معصوم اماموں کی صورت میں کرتی ہیں۔ ہم یہاں پر ان احادیث میں سے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

پہلی حدیث:ابرھیم بن محمد بن مؤید جومنی[1] کتاب ''فرائد السمطین''[2] میں اپنے اسناد سے اور شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کتاب ''کمال الدین''[3] میں سلیم بن قیس سے روایت کرتے ہیں'' :میں نے خلافت عثمان کے زمانہ میں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھا کہ حضرت علی (علیہ السلام) مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ لوگ آپس میں گفتگو کرنے میں مشغول تھے۔وہ قریش اوران کے فضائل نیز ان کے سوابق اور جو کچھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے بارے میں فرمایا ہے،کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اوراسی طرح انصار کی فضیلت اوران کے شاندار ماضی اور قرآن مجید میں ان کے بارے میں خدا وند متعال کی تعریف و تمجید کا ذکر رہے تھے اور ہر گروہ اپنی اپنی فضیلت گنوا رہا تھا۔اس گفتگو میں دو سو سے زیادہ لوگ شریک تھے ان میں حضرت علی (علیہ السلام) سعد بن ابی وقاص،عبدالرحمن بن عوف،طلحہ،زبیر،مقداد،ابوذر،حسن و حسین (علیہما السلام) اور ابن عباس بھی شامل تھے۔

''ابراھیم بن محمد۔الامام الکبیر المحدث شیخ المشایخ'' یعنی:بہت بڑے امام محدث اور استادالاساتذہ ۶۴۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۲۲ھ ہجری میں خراسان میں وفات پائی۔ابن حجر کتاب ''الدررالکامنہ'' ج۱،ص۶۷ میں کہتے ہیں:''وسمع بالحلة وتبریز۔ولہ رحلة واسعة وعنی بہذاالشأن وکتب وحصل۔وکان دینا وقوراً ملیح الشکل جید القراء ہ۔''یعنی: حلہ اور تبریز میں (حدیث کے اساتذہ کے دوسرے شہروں کے بارے میں) سنا ہے۔ علم حدیث کے بارے میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔اور متدین ،باوقار،خوبصورت اوراچھی قرائت کے مالک تھے۔فرائد السمطین،فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین لأبی عبداللہ ابراھیم بن سعد الدین محمد بن أبی بکر بن محمد بن حمویہ الجوینی۔

---

[1] ذہبی ،کتاب''المعجم المختص بالمحدثین''ص۶۵ ،طبع مکتبۃالصدیق سعودی،طائفمیں لکھاہے:

[2] فرائدالبطین ،ج۱،ص۲۱۲ ،مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر،بیروت اسماعیل با شا کتاب ایضاح المکنون میں کشف الظنون،ج۴،ص۱۸۲ ،دارالفکر کے ذیل میں کہتا ہے:

[3] کمال الدین،ص۲۷۴

فرغ منہ ستة١٦١، یہ جلسہ صبح سے ظہرتک جاری رہا اور علی (علیہ السلام) بدستور خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے آپ (ع) کیطرف مخاطب ہوکر آپ سے کچھ فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: تم دونوں گروہوں میں سے ہرایک نے اپنی فضیلت بیان کی اور اپنی گفتگو کا حق ادا کیا۔ میں قریش وانصار دونوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں: خدا وند متعال نے یہ فضیلت تمھیں کس کے ذریعہ عطا کی ہے؟ کیا تم لوگ اپنی اور اپنے بیلے کی خصوصیات کی وجہ سے ان فضیلتوں کے مالک بنے ہو؟ یا کسی دوسرے کی وجہ سے یہ فضیلتیں تمھیں عطا کی گئی ہیں؟ انہوں نے کہا: خدا وند متعال نے محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت (علیہم السلام) کے طفیل میں ہمیں یہ فضیلتیں عطا کی ہیں۔

حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: صحیح کہا تم لوگوں نے اے گروہ انصار وقریش! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جو کچھ تم کو خیر دینا آخرت سے ملا ہے وہ صرف ہم اہل بیت (ع) کی وجہ سے تھا؟ اس کے بعد حضرت علی (علیہ السلام) نے اپنے اور اپنے اہل بیت (علیہم السلام) کے بعض فضائل گنوائے اور ان کی تصدیق اور گواہی چاہی انہوں نے گواہی دی، آپ (ع) نے من جملہ رمایا: فأنشدکم اللہ، أتعلمون حیث نزلت (یاأیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم[1]) وحیث نزلت (إنما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤ تون الزکوۃ وھم راکعون)[2] وحیث نزلت (أم حسبتم أن تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاہدوا منکم ولم یتخذ وا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجۃ[3])۔ قال الناس: یا رسول اللہ، خاصۃ فی بعض المؤمنین أم عامۃ لجمیعھم؟ فأمر اللہ عزّوجلّ نبیہ ﷺ أن یعلّمھم ولاۃ أمرھم وأن یفسّر لھم من الولایۃ مافسّر لھم من صلاتھم وزکاتھم وحجھم، فینصبنی للناس بغدیر خم۔ ثمّ خطب وقال: أیہا الناس، إن اللہ أرسلنی برسالۃ ضاق بہا صدری وظننت أن الناس مکذبی۔ فاوعدنی لأ بلغھا أو لیعذبنی۔ ثمّ أمر فنودی بالصلاۃ جامعۃ۔ ثمّ خطب فقال: أیہا الناس، أتعلمون أن اللہ عزّوجل مولای أنا مولی المؤمنین، وأنا أولی بھم من أنفسھم؟ قالوا: بلی یا رسول اللہ۔ قال: قُم یا علیّ۔ فقمت فقال: ''من کنت مولاہ فھذا علیّ مولاہ، اللّھمّ وال من والاہ، وعاد من عاداہ۔'' فقام سلمان

---
[1] نساء، ۵۹
[2] مائدہ، ۵۵
[3] توبہ، ۱۶

فقال: یارسول اللّٰہ،ولاء کماذا؟فقال: ولاء کولایتی، منکنت أولی بہ من نفسہ فأنزل اللّٰہ تعالی ذکرہ: (الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً [1]) فکبّر النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال: اللّٰہ أکبر بتمام نبوّتی وتمام دین اللّٰہ علیٌّ بعدی۔ فقام أبوبکر وعمر فقالا: یارسول اللّٰہ،ہؤلاء آلآیات خاصّتفی علیّ؟قال: بلی،فیہ وفی أوصیائی إلی یوم القیامۃ۔ قالا: یارسول اللّٰہ،بیّنھم لنا۔ قال: علیّ أخی ووزیری ووارثی ووصیّی وخلیفتی فی اُمّتی وولیّ کلّ مؤمن بعدی۔ ثمّ ابنی الحسن ثمّ الحسین ثمّ تسعۃ من ولدابنی الحسین واحد بعد واحد،القرآن معھم وھم مع القرآن لایفارقونہ لایفارقھم حتی یردوا علیّ الحوض۔ فقالوا کلھم: اللّھمّ نعم،قد سمعنا ذلک وشھدنا کما قلت سواء۔

وقال بعضھم: قد حفظنا جلّ ماقلت ولم نحفظہ کلّہ،وہؤلاء الذّین حفظوا أخیارنا وأفاضلنا۔ یعنی: میں تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں،کیا تم جانتے ہو کہ جب خداوندمتعال کا یہ فرمان: (یا أیہاالذین آمنوا أطیعوااللّٰہ وأطیعوا الرّسول واولی الأمر منکم)نازل ہوا اورجب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: (إنّما ولیّکم اللّٰہ ورسول۔)(یعنی بس تمہاراولی اللّٰہ ہے اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نمازقائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)اسی طرح جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: (أم حسبتم أن تترکوا۔۔)(یعنی: کیاتمہارا خیال ہے کہ تم کواسی طرح چھوڑدیا جائے گا جب کہ ابھی ان لوگوں نے کہ جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہےاور خدا و رسول نیز مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا محرم راز نہیں بنا یا ہے مشخص نہیں ہوئے ہیں؟ تو لوگوں نے کہا: یارسول اللّٰہ!کیا یہ آیتیں بعض مؤمنین سے مخصوص ہیں یا عام ہیں اوران میں تمام مؤمنین شامل ہیں؟خداوند متعال نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا: تاکہ ان(مومنین) کے امور کے سلسلہ میں ان کے سرپرست کا اعلان کردیں اورجس طرح نماز،زکوٰۃ،وحج کی ان کے لئے تفسیربیان کی ہے،مسئلہ ولایت وسرپرستی کو بھی ان کے لئے واضح کردیں۔ (اورخدا نے حکم دیا)تاکہ غدیر خم میں مجھے اپنا جانشین منصوب کریں۔

اس کے بعدپیغمبر خدا صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھااورفرمایا'': اے لوگو!خدا وند متعال نےمجھے ایک ایسی رسالت سونپی ہے کہ جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگی محسوس کر رہا ہے اورمیں نے گمان کیا کہ لوگ میری اس رسالت کو جھٹلادیں گے۔ پھرمجھے خدا

[1] مائدہ،۳

نے تہدید دی کہ یا میں اس(رسالت) کوپہنچاؤں یا اگر نہیں پہونچاتا تووہ مجھے عذاب کرے گا۔''اس کے بعد پیغمبراکرم ﷺ نے حکم دیا اورلوگ جمع ہوگئے اورآپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: اے لوگو!کیاتم جانتے ہوکہ خداوند متعال میرا مولا(میرا صاحب اختیار)ہے اورمیں مؤمنین کامولاہوں اورمجھے ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق ہے؟انہوں نے کہا:ہاں،یارسول اللہ۔فرمایا:اے علی(علیہ السلام)کھڑے ہوجاؤ!میں کھڑا ہوا۔فرمایا:جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی(ع)بھی مولا ہیں۔خداوندا!اس کو دوست رکھ جو علی(ع)کودوست رکھے اوراس کو اپنا دشمن قرار دے جوعلی(ع)سے دشمنی کرے۔

سلمان اٹھے اورکہا:یارسول اللہ!یہ کونسی ولایت ہے؟پیغمبر ﷺ نے فرمایا:یہ ولایت وہی ہے جو میں رکھتاہوں ۔جس کی جان کے بارے میں،میں اولیٰ ہوں علی(ع)بھی اسی طرح اس کی جان کے بارے میں اولیٰ ہے۔اس کے بعدخدا وند متعال نے یہ آیہء شریفہ نازل فرمائی:(الیوم أکملت لکم دینکم۔)یعنی:''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیااوراپنی نعمتوں کوتمام کردیاہے اورتمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''اس کے بعد ابوبکر وعمر اٹھے اورکہا:یارسول اللہ!کیا یہ آیتیں علی(ع)سے مخصوص ہیں؟فرمایا:جی ہاں،یہ علی(ع)اور میرے قیامت تک کے دوسرے اوصیاء سے مخصوص ہیں۔انہوں نے کہا:یارسول اللہ!ان کو ہمارے لئے بیان کر دیجئے آنحضرت نے فرمایا: میرا بھائی علی،امت کے لئے میراوزیر،وارث،وصی اورجانشین ہے اورمیرے بعد ہرمؤمن کا سرپرست ہے۔

اس کے بعد میرے فرزند حسن وحسین(ع)اس کے بعد یکے بعد دیگرے میرے حسین(ع)کے نوفرزند ہیں۔قرآن مجید ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن مجید کے ساتھ ہیں۔وہ قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے ورقرآن مجیدان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثرپرمجھ سے ملیں گے۔اس کے بعد علی علیہ السلام نے اس مجمع میں موجود ان لوگوں سے،کہ جومیدان غدیر میں موجود تھے اورپیغمبراکرم ﷺ کی ان باتوں کواپنے کانوں سے سن چکے تھے،کہا کہ اٹھ کراس کی گواہی دیں۔زیدبن ارقم،براء بن عازب،سلمان،ابوذراورمقداداپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا :ہم شہادت دیتے ہیں اورپیغمبر ﷺ کے بیانات یاد ہیں کہ

آنحضرتؐ منبر پر کھڑے تھے اوران کے ساتھ آپ(ع) بھی ان کی بغل میں کھڑے تھے اورآنحضرتؐفرمارہے تھے'':اے لوگو! خداوند متعال نےمجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے امام کہ جو میرے بعد تم لوگوں کی رہنمائی اور سر پرستی کرے اور میرا وصی اورجانشین ہو،کو نصب کروں،اس کو نصب کروں جس کی اطاعت کوخداوند متعال نےاپنی کتاب میں واجب قراردیا ہے نیزاس کی اطاعت کواپنی اور میری اطاعت کے برابر قراردیا ہے کہ جس سے(آیہ اولوالامرکی طرف اشارہ ہے) اے لوگو!خداوند متعال نے تمھیں نماز،زکوٰۃ،روزہ اورحج کا حکم دیا ۔میں نے تمہارے لئے اس کی تشریح ووضاحت کی ۔اوراس نے تمھیں ولایت(کا ایمان رکھنے) کا بھی حکم دیااورمیں، تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ ولایت اس(شخص)سے مربوط ہے (یہ جملہ بیان فرماتے وقت آنحضرتؐ اپنادست مبارک علی(ع)کے شانہ پر رکھے ہوئے تھے)اوران کے بعداس کے دونوں بیٹوں(حسن وحسین(ع)اوران کے بعد ان کے فرزندوں میں سے ان کے جانشینوں سے مربوط ہے''...حدیث مفصل و طولانی ہے۔ہم نے اس میں سے فقط اتنے ہی حصہ پراکتفا کیا کہ جوآیہء شریفہ ''اولوالامر''سے مربوط ہے ۔ محققین مذکورہ منابع میں مفصل حدیث کا مطلعہ کر سکتے ہیں۔

دوسری حدیث:

یہ وہ حدیث ہے جسے مرحوم شیخ صدوق نے ''کمال الدین'[1] میں جابر بن یزید جعفی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے'':میں نے سنا کہ جابر بن عبداللہ انصاری کہتے تھے:جب خدا وند متعال نے اپنے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر یہ آیہء شریفہ:(یاایھاالذین آمنواأطیعواللّہ وأطیعواالرسول واولی الأمر منکم)نازل فرمائی،تو میں نے کہا:یارسول اللہ!ہم نے خدا اوراس کے رسولؐ کو پہچان لیا ۔اب وہ ولوالامرکہ جن کی اطاعت کو خداوندمتعال نے آپؐ کی اطاعت سے مربوط قراردیا ہے،وہ کون ہیں؟

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:''اے جابر!وہ میرے جانشین ہیں اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں۔ان میں سب سے پہلے لی بن ابیطالب، پھر حسن وحسین،پھر علی بن حسین،پھر محمد بن علی،جوتوریت میں باقر کے نام سے معروف ہیں اوراے جابر!تم جلدی

---

[1] کمال الدین،ص۲۵۳

ہی اس سے ملاقات کروگے لہذا جب انھیں دیکھنا تو انھیں میرا سلام پہنچانا ۔ پھر صادق جعفر بن محمد،پھر موسیٰ بن جعفر،پھر علی بن موسیٰ،پھر محمد بن علی،پھر علی بن محمد،پھر حسن بن علی،پھر میرا ہم نام اور ہم کنیت (جو) زمین پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے اس کے بندوں کے درمیان باقی رہنے والا حسن بن علی (عسکری) کا فرزند ہے،جس کے ذریعہ خدا وند متعال مشرق ومغرب کی زمین کو فتح کرے گا ۔ وہ شیعوں اور ان کے چاہنے والوں کی نظروں سے غائب ہوگا ۔ وہ ایسی غیبت ہوگی کہ ان کی امامت پر خدا کی طرف سے ایمان کے سلسلہ میں آزمائے گئے دلوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہے گا''

تیسری حدیث:

یہ حدیث اصول کافی[1] میں برید عجلی سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں ''امام باقر (علیہ السلام) نے فرمایا: خدا وند متعال نے (آیہء شریفہ) (یا أیّہا الذین آمنوا أطیعو اللّٰہ و أطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم) کے بارے میں صرف ہمارا قصد کیا ہے۔ تمام مؤمنین کو قیامت تک ہماری (ائمہ معصومین) اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔'' اس کے علاوہ شیعہ وسنی منابع میں اور بھی احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں ''اولوالامر'' سے مراد ائمہء معصومین کو لیا گیا ہے۔ اہل تحقیق، ''فرائد السمطین'' اور ''ینا بیع المودۃ''، جیسی سنی تابوں اور ''اصول کافی''، ''غایۃالمرام'' اور ''منتخب الاثر''، جیسی شیعوں کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

[1] اصول کافی،ج۱،ص۲۱۷

چوتھا باب

امامت آیہء ولایت کی روشنی میں :

(إنّما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصلوٰۃویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون[1]) ''بس تمہارا ولی اللہ ہے اوراس کا رسول اوروہ صاحبان ایمان ہیں،جونماز قائم کرتے ہیں اورحالت رکوع میں زکوٰۃدیتے ہیں''۔امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی امامت اوربلافصل ولایت کے سلسلہ میں شیعہ امامیہ کی ایک اوردلیل آیہء شریفہ ولایت ہے۔آیہء شریفہ کے استدلال کی تکمیل کے سلسلہ میں پہلے چند موضوعات کا ثابت کرنا ضروری ہے:

۱۔آیہء شریفہ میں ''إنما'' حصر کے لئے ہے۔

۲۔آیہء شریفہ میں لفظ ''ولی'' حص کے معنی اولی بالتصرف اورصاحب اختیار نیز سرپرست ہونے کے ہے۔

۳۔آیت میں ''راکعون''سے مراد نماز میں رکوع ہے،نہ کہ خضوع وخشوع۔

۴۔اس آیہء شریفہ کے شان نزول میں، کہ جوامیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ہے، ذکر ہواہے کہ حضرت(ع)نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃدی ،(یعنی اپنے مال کوخداکی راہ میں انفاق کیاہو)ثابت ہو۔اس باب میں ہم ان موضوعات کوثابت کرنے کی کوشش کریں گے اورآخر پر اس آیہء شریفہ سے مربوط چند سوالا ت کا جواب دیں گے۔

لفظ ''إنما''کی حصرپر دلالتعلما ئے لغت اورادبیات نے اس بات کی تاکید کیہے کہ لفظ ''إنما''حصرپر دلالت کرتا ہے۔یعنی عربی لغت میں یہ لفظ حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

---

[1] مائدہ۵۵

ابن منظور نے کہا ہے:اگر ''إن''پر ''ما''کا اضافہ ہو جائے تو تعیین و تشخیص پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے خداوند متعال کا قول ہے: (إنّما الصدقات للفقراء والمساکین۔[1] چونکہ اس کی دلالت اس پر ہے کہ حکم مذکور کو ثابت کرتا ہے اور اس کے غیر کی نفی کرتا ہے[2]۔ جوہری نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے[3]۔ فیروزآبادی نے کہا ہے: ''أنّما''، ''إنّما'' کے مانند مفید حصر ہے۔ اور یہ دونوں لفظ آیہء شریفہء: (قل إنّما یوحی إلیّ أنّما إلٰہکم إلٰہ واحد[4]) میں جمع ہوئے ہیں[5]۔ ابن ہشام نے بھی ایسا ہی کہا ہے[6]۔ اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ ''إنّما'' کو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی قرینہ موجو ہو تو اس قرینہ کی وجہ سے غیر حصر کے لئے استفادہ کیا جا سکتا ہے، لیکن اس صورت میں ''إنّما'' کا استعمال مجازی ہوگا۔ ''ولیّ'' کے معنی کے بارے میں تحقیق ''ولیّ'' ولایت سے مشتق ہے۔ اگرچہ یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے موارد استعمال کی جستجو و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی معنی سرپرستی، اولویت دار الکتب العلمیۃ بیروت اور صاحب اختیار ہونے کے ہے۔

ابن منظور کا ''لسان العرب'' میں کہنا ہے[7]: ''ولیّ الیتیم الذی یلی أمرہ ویقوم بکفایتہ، وولیّ المرءۃ الذی یلی عقد النکاح علیہا۔ وفی الحدیث: أیّما امرءۃ نکحت بغیر إذن مولیہا فنکاحہا باطل۔ وفی روایۃ: ''ولیّہا'' أی متولّی أمرہا''، یتیم کا ولی وہ ہے جو یتیم کے امور اور اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور اس کے امور کی نگران کرتا ہے۔ عورت کا ولی وہ ہے کہ جس کے اوپر اس کے عقد ونکاح کی ذمہ داری ہو۔ حدیث میں آیا ہے: جو بھی عورت اپنے مولا (سرپرست) کی اجازت کے بغیر شادی کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ ایک روایت میں لفظ ''ولیہا'' کے بجائے لفظ ''مولیہا'' آیا ہے کہ جس کے معنی سرپرست اور صاحب اختیار کے ہیں۔ فیومی ''المصباح لمنیر'' میں کہتا ہے'': الولیّ فعیل بہ معنی فاعل من ولیہ إذ قام بہ۔ ومنہ (اللّٰہ ولیّ الذین آمنوا)، والجمع أولیاء، قال

---

[1] توبہ،٦٠

[2] لسان العرب،ج١،ص٢٤٥

[3] صحاح اللغۃ،ج٥،ص٢٠٧٣

[4] انبیاء،١٠٨

[5] القاموس المحیط،ج٤،ص١٩٨،دار المعرفۃ،بیروت۔

[6] مغنی اللبیب ،ج١،ص٨٨،

[7] لسان العرب ،ج١٥،ص١٠٤،دار احیاء التراث العربی ،بیروت

ابن فارس:وکلّ من ولی أمرأحد فھوولیہ۔وقد یطلق الولیّ أیضاً علی المعتق والعتیق،وابن العم والناصر۔والصدیق۔ویکون الولیّ بمعنی مفعول فی حق المطیع،فیقال:المؤمن ولیّ اللہ"[1]۔"فعیل(کے وزن پر)ولی فاعل کے معنی میں ہے[2]۔(کہا جاتا ہے)ولیہ یہ اس "فیومی نے اپنے بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "فعیل"فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ مؤمن کو کہا جاتا ہے"ولی خدا"یعنی جس کے امور کی تدبیر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے اپنے الطاف سے نوازتا ہے۔

صورت میں ہے جب کسی کے امور کے لئے عملاً قیام کرے اس کے کام کو اپنے ذمہ لے لے۔آیہء شریفہ:(اللہ ولیّ الذین آمنوا)میں ولایت اسی کی ہے۔یعنی خداوند متعال مؤمنین کے امور کے حوالے سے صاحب اختیارا ور اولی بالتصرف ہے۔ابن فارس نے کہا ہے:جو بھی کسی کے امور کا ذمہ دار ہوگا وہ اس کا "ولی"ہوگا۔اور بعض اوقات"ولی"(دوسرے معانی میں جیسے)غلام کو آزاد کرنے والا،آزاد شدہ غلام،چچازاد بھائی،یاور اور دوست کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ان بزرگ ماہرین لغت کے بیان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ یاور اور دوست جیسے معانی "ولی" کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس قسم کا استعمال مجازی ہے۔"ولی"کے معنی میں یہ جملہ معمولاً لغت[3] کی کتابوں میں بہ کثرت نظر آتا ہے وہ ناقابل اعتناء ہے"من ولی أمر أحد فھوولیہ"یعنی:"جو کسی کے کام کی سر پرستی اپنے ذمہ لے لے وہ اس کا ولی ہے"ان معانی کے پیش نظر،ایسا لگتا ہے کہ لفظ"ولی"کا حقیقی اور معروف ومشہور معنی وہی صاحب اختیار وسرپرست ہونا ہے۔ قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر جستجو وتحقیق بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے۔ہم لفظ"ولی"کے قرآن مجید میں استعمال ہونے کے بعض موارد کا ذکر کرکے بعض دوسرے موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں[4]:چند بنیادی نکات کی یاد دہانیہاں پر چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:پہلا نکتہ:عام طور پر لغت کی کتابوں میں ایک لفظ کے لئے بہت سے موارد استعمال اور مختلف معانی ذکر کئے جاتے ہیں۔اس کا

[1] المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰،طبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر

[2] فعیل"صفت مشبہ ہے۔کبھی فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتاہے،جیسے"شریف"اورکبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔

[3] لسان العرب،ج۱۵،ص۴۱۰،المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰طبع مصطفی البابی الحلبی بمصر،النہا یۃج۵،ص۲۲۸المکتبۃ العلمیۃ،بیروت،منتہی الارب ،ج۴،ص۱۳۳۹،انتشارات کتابخانہ سنائی،مجمع البحرین،ج۲ص۵۵۴،دفتر نشر فرہنگ اسلامی،الصحاح،ص۲۵۲۹،دارالعلم للملابین ،المفردات،ص۵۳۵،دفتر نشر کتابمعجم مقا ییس اللغۃ،ج۶،ص۱۴۱۔

[4] قرآن مجید میں لفظ"ولی"کے استعمال کے مواقع:

یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لفظ ہر معانی کے لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہے اوروہ لفظ مشترک ہے اوران معانی میں سے ہرایک اس کا حقیقی معنی ہے لفظی اشتراک(یعنی ایک لفظ کے کئی معانی ہوں اور ہر معنی حقیقی ہو)اصول کے خلاف ہے۔اور علم لغت اورادبیات کے ماہرین نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اصل عدم اشتراک ہے۔

الف۔(ألله ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات إلی النور[۱])''اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے وہ انہیں تاریکوں سے نکال کرروشنی میں لے آتاہے۔''

ب۔(إن ولی اللہ الذی نزل الکتاب و ہویتولی الصالحین[۲])''بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کاولی ووارث ہے۔'

'ج۔(ام إتخذ وا من دونہ أولیاء فاللہ ہوالولی وہو یحیی الموتی(شوریٰ۹)''کیاان لوگوں نے اس کے علاوہ کو اپنا سرپرست بنایا

ہے جب کہ وہی سب کا سرپرست ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔''

د۔(قل أغیراللہ أتخذوا ولیاً فاطرالسموات والارض ہو یطعم ولا یطعم[۳]۔)''آپ کہئے کہ کیا میں خدا کے علاوہ کسی اورکواپنا ولی بنالوں جب کہ زمین وآسمان کاپیدا کرنے والا وہی ہے،وہی سب کوکھلاتاہے اس کوکوئی نہیں کھلاتاہے۔''

ہ ۔(و انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیرالغافرین[۴])''توہمارا ولی ہے،ہمیں معاف کردے اورہم پررحم کر کہ توبڑابخشنے والاہے۔''و۔(فإن کان الذی علیہ الحق سفیہاًاو ضعیفاًاولا یستطیع ان یمل ہو فلیملل ولیہ بالعدل[۵])''اب اگر حق اس کے خلاف ہو اوروہ نادان یاکمزور ہو اور اس کو لکھنے کی صلاحیت نہ ہو تو اس کے ولی کو چاہئیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ اسے لکھے۔

[۱] بقرہ۲۵۷
[۲] اعراف۱۹۶
[۳] انعام۱۴
[۴] اعراف۱۵۵
[۵] بقرہ۲۸۲

ز۔(ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً[1])''جو مظلوم قتل ہوتاہے ہم اس کے ولی کوبدلہ کااختیار دیتے ہیں۔ *دوسری آیات:

یوسف۱۰۱،ہود۱۱۳،شوریٰ۴۶،فصلت۳۱،نحل۶۳،بقرہ۱۰۷و۱۲۰،توبہ۷۴و۱۱۶،عنکبوت۲۲،شوریٰ۸و۳۱،نساء۱۲۳،۸۹،۷۵،۴۵و

۱۷۳،احزاب۱۷و۶۵،فتح۲۲(مذکورہ ۵آیات میں ولی اورنصیرایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں نساء۱۱۹، مریم۴۵،سباء۴۱، نمل

۴۹،نساء۱۳۹،یونس۶۲،اسراء۹۷،الزمر۳،شوریٰ۶،ممتحنہ۱،آلعمران۱۷۵،انفال۴۰،محمد۱۱،البقرہ۲۸۶،توبہ۵۱،حج۷۸۔کتاب''مغنی

اللبیب''کے مصنف،جمال الدین ابن ہشام مصری،جواہل سنت میں علم نحو کے بڑے عالم مانے جاتے ہیں جب آیہء شریفہ(إن

اللّٰہ وملائکتہ یصلّون علی النّبی[2])میں قرائت رفع(ملائکۃ)کی بنیاد پر بعض علمائے نحو جو''إن''کی خبر(یصلّی ہے)کومحذوف اورمقدر

جانتے ہیں،نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں'':وامّاقول الجماعۃفبعیدمن جہات:إحداہااقتضاؤہ للإشترا والأصل عدمہ لما فیہ من الإلباس حتّیٰ

إن قوماًنفوہ۔ثمّ المثبتون لہ یقولون:متی عارضہ غیرہ ممایخالف الأصل کالمجاز قدم علیہ[3]''''ان کی بات کئی جہتوں سے حقیقت سے بعید

ہے۔اول اس لحاظ سے کہ ان کے بیان کا لازمہ یہ ہے کہ صلاۃ کو مشترک لفظی تسلیم کریں جبکہ اشتراک خلاف اصل ہے یہاں تک کہ

بعض نے اسے بنیادی طور پر مسترد کیا ہے اور جنہوں نے اسے ثابت جانا ہے انھوں نے اسے مجاز اور اشتراک کی صورت میں

مجاز کو اشتراک پر مقدم جانا ہے۔''فیروزآبادی،صاحب قاموس نے بھی صلوٰت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے کہ جس میں

آیہء شریفہ(إن اللّٰہ وملا ئکتہ یصلّون علی النبیّ)کے بارے میں تحقیق کی ہے اورمذکورہ بیان کو ابن ہشام سے نقل کیا ہے۔[4]

اس بناء پر،ولایت کے مفہوم میں(جوکئی معانی ذکر ہوئے ہیں)سے جو معنی قدر متیقن اوریقینی ہیں وہ سرپرستی اورصاحب اختیار ہو

نے کے ہیں،اور دوسرے معانی جیسے،دوستی اوریاری اس کے حقیقی معنی کے حدود سے خارج ہیں اور ان کے بارے میں

اشتراک لفظی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لہذا اگر مادۂ''ولی''قرینہ کے بغیر استعمال ہو تو وہ سرپرستی اورصاحب اختیار ہونے کے

معنی میں ہوگا۔

---

[1] اسراء۳۳
[2] احزاب۵۶
[3] مغنی اللبیب،ج۲،باب پنجم،ص۳۶۵
[4] الصلوۃوالبشرفی الصلوۃ علی خیرالبشر،ص۳۳،دار الکتب العلمیۃ،بیروت

دوسرا نکتہ بعض اہل لغت نے مادہ ''و ی''کو ایک اصل پر مبنی جانا ہے اور مفہوم کا اصلی ریشہ (جڑ) کو ''قرب'' قرار دیا ہے۔اور بعض مفسرین نے کلمہ ''ولی''کو اسی بنیاد پر ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں چند مطالب کی طرف توجہ کر نا ضروری ہے: سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ لغوی معنی کے اس طرح کی تحلیل اوراس کا تجزیہ ایک حدس وگمان اور خوامخواہ کے اجتہاد کے سواء کچھ نہیں ہے اوراس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ وہ چیز جو معنی کے سمجھنے اوراس لفظ سے تبادر کے لئے معیار ہے وہ اس کے استعمال کا زمانہ ہے۔بیشک بہت سے مواقع پر ''ولی''کے معنی سے قرب کا مفہوم ذہن میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔بعض مواقع پرکہ جہاں قرینہ موجود ہو جیسے ''المطرالولی''(وہ بارش جوپہلی بارش کے بعدیااس کے بہت قریب واقع ہوئی ہو)میں اس قسم کے استعمال کوقبول کیا جاسکتا ہے۔

اس بناپراگر فرض بھی کر لیاجائے کہ ''قرب''اس معنی کی اصلی بنیاد تھی اورآغاز میں لفظ ''ولی''کامفہوم ''قرب''کے معنی میں استعمال ہوتا تھا،لیکن موجودہ استعمال میں وہ معنی متروک ہوچکا ہے اوراب اس کا استعمال نہیں ہے۔تیسرا بعض اہل لغت جیسے ابن اثیرنے ''النہایۃ[1]''میں اورابن منظورنے ''لسان العرب[2]''میں ''ولی''کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ولی'' خداکے ناموں میں سے ایک نام ہے اوریہ ناصرکے معنی میں ہے اورکہاگیاہے کہ اس کے معنی امورجہان کے متولی و منتظم کے ہیں۔ اس بیان سے استفادہ ہوتاہے کہ ''ولی''جوخداکے ناموں میں سے ایک نام ہے،ان کے نزدیک ناصرکے معنی میں ہے،جبکہ مطلب صحیح نہیں ہےکیو نکہ اگر''ولی''کے معنی ناصرکے ہوں گے(چونکہ ''ولی''کاایک مادہ اورایک ہیئت ہے،اوراس کامادہ ''ولی''''ول ی''وہیئت فعیل ہے)تواس کاتقاضایہ ہے کہ مادہ ''ولی''نصرکے معنی میں اوراس کی ہیئت(ہیئت فعیل) فاعل کے معنی میں ہے۔ایک بات یہ کہ یہ دونوں نظریہ،بغیردلیل کے ہیں اوردوسرے یہ کہ:فعیل صفت مشبہ ہے جس کی دلالت ثبوت پرہے جبکہ فاعل حدوث پردلالت کرتاہے اوریہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے متغائیرہ ہیں۔

---

[1] النہا یۃ،ج۵،ص۲۲۸
[2] لسان العرب ،ج۱۵،ص۱۰۶

اس لئے ''ولی''،اسم الٰہی،اسی صاحب اختیاراور کائنات کے امور میں متولی کے معنی میں ہے کہ جس کو دونوں اھل لغت نے اپنے مختار نظریہ کے بعد ''قیل'' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔چوتھا نکتہ:قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں ''ولی''،''نصیر'' کے مقابلہ میں آیا ہے، جیسے(ومالکم من دون اللّٰہ من ولیّ ولانصیراً [1] تمھارے لئے اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست ہے اورنہ مددگار''اگر ''نصیر''،''ولی'' کے معنی میں ہوتا تو اس کے مقابلہ میں قرار نہیں دیا جاتا اوران دونوں لفظوں کاایک دوسرے سے مقابلہ میں واقع ہونااس بات کی دلیل ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔پانچواں نکتہ:بعض افراد نے قرآن مجید کی بہت سی آیات کے بارے میںیہ تصور کیا ہے کہ ولی اورولایت نصرت اورمدد کے معنی میں استعمال ہوا ہے،جیسے:(مالکم من ولایتھم من شیء [2])جب کہ ولایت سے مراد ''نصرت کی ولایت''ہوسکتاہے نہ یہ کہ ولایت ''نصرت'' کے معنی میں ہے،کیونکہ نصرت ومدد ولایت و سرپرستی کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اس لحاظ سے ولایت کامعنی سرپرستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اوراس سے نصرت ویاری میں سرپرستی مراد ہے۔

''ولی'' کے معنی کے سلسلہ میں جوکچھ بیان کیاگیا،اس کے پیش نظرآیہء کریمہ میں صرف سرپرست اورصاحب اختیارہی والا معنی مراد ہے۔اس کے علاوہ آیہء شریفہ میں قطعی ایسے قرینہ موجودہیں کہ جس سے مراد ''دوست''اور ''یاور''نہیں ہو سکتے ہیں۔اس کی مزیدوضاحت سوالات کے جواب میںآئے گی۔ رکوع کے معنی لغت میں''رکوع'' کے معنی جھکنااورخم ہوناہے۔اسی لئے نمازمیں جھکنے کو''رکوع'' کہتے ہیں۔ [3]زبیدی ''تاج العروس [4]'' میں کہتا ہے'':اگررکوع کوتنگدستی اور مفلسی کے لئے استعمال کیا جائے اور ایسے شخص کوجوامیری کے بعد فقیری اورتنگدستی میں مبتلا ہو جائے اورزوال سے دوچارہو تواسے ''رکع الرجل'' کہتے ہیں اوریہ استعمال مجازی ہے۔''

---

[1] بقرہ،۱۰۷

[2] انفال،۷۲

[3] الصاح جوہری،ج۳،ص۱۲۲۲،دارالعلم للملابین،القاموس المحیط،فیروزآبادی،ج۳،ص۳۱،دارالمعرفہ،بیروت،المنیر،فیومی،ص۲۵۴،ط مصر،جمھرۃ اللغۃ،ابن درید،ج۲،ص۱۷۷۰کتاب العین،خلیل بن احمد فراہیدی،ج۱،ص۲۰۰

[4] تاج العروس،ج۲۱،ص۱۲۲،دارالہدایۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

اس لئے رکوع کا حقیقی معنی وہی جھکنا اور خم ہونا ہے اور اگر اسے دوسرے کسی معنی، جیسے زوال اور خضوع میں استعمال کیا جائے تو یہ اس کے مجازی معنی ہیں اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔ آیہء ولایت کی شان نزول شیعہ اور اہل سنّت تفسیروں کے منابع میں موجود بہت سی احادیث کے مطابق یہ آیہء شریفہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور (الذین آمنوا۔) سے مراد وہی حضرت (ع) ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں ایک حدیث کو درج کرتے ہیں، جس کو ثعلبی[1] نے اپنی تفسیر[2] میں سنی محدثین اور مفسرین سے نقل کیا ہے اور شیعوں کے بڑے مفسر شیخ طبرسی نے بھی اس کو ''مجمع البیان[3]'' میں درج کیا ہے:

''۔عن عبایة بن الربعی قال:بینا عبداللہ بن عباس جالس علی شفیر زمزم إذا أقبل رجل متعمّم بالعمامة، فجعل ابن عباس لایقول: ''قال رسول اللہ ﷺ إلاّ قال الرجل:قال رسول اللہ ﷺ''!!فقال ابن عباس:سألتک باللہ،من أنت؟قال:فکشف العمامة عن وجہه وقال:یا أیّھا الناس،من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فأنا'' جندب من جنادة البدری،أبوذر الغفاری،سمعت رسول اللہ ﷺ بھاتین وإلاّ صمّتا،ورأیته بھاتین وإلاّ فعمیتا یقول:علیّ قائد البررة،وقاتل الکفرة،منصور من نصره،مخذول من خذله۔أمّا إنّی صلّیت مع رسول اللہ ﷺ یوماً من الأیّام صلاة الظھر،فدخل سائل فی المسجد فلم یعط أحد،فرفع السائل یده إلی السّماء وقال:اللّھمّ أشھد إنّی سألت فی مسجد رسول اللہ فلم یعطنی احد شیئاً وکان علیّ راکعاً فأومی إلیه بخنصره الیمنی وکان یتختّم فیھا فأقبل السائل حتیأخذ الخاتم من خنصره،وذلک بعین النبیّ۔ فلمّا فرغ النّبیّ ﷺ من الصلاة رفع یده إلی السّماء وقال:اللّھمّ إن أخی موسی سألک فقال:(رب اشرح لی صدری ویسّرلی امری،وأجعل لی وزیراً من أھلی ھارون أخی اشدد به أزری)۔فأنزلتَ علیه قرآناً ناطقاً۔(سنشدّ عضدک بأخیک ونجعل لکما سلطاناً)۔ اللّھمّ وأنا محمد نبیّک وصفیک۔اللّھمّ فاشرح لی صدری ویسّرلی أمری،وأجعل لی وزیراً من أھلی علیّاً اشدد به ظھری۔قال أبوذر:فواللہ مااستتم رسول اللہ الکلمة حتیٰ اُنزل علیه جبرئیل من عنداللہ،فقال یا محمد إقرأ،فقال:وماأقرأ؟قال:إقرأ:. ''إنّما ولیّکم اللہ ورسوله إلی راکعون''،الآیة۔ ''عبایہ بن ربیع سے روایت ہے کہ اس نے کہا:اس وقت جب عبداللہ بن عباس (مسجد الحرام میں) زمزم کے

[1] ثعلبی کے بارے میں ذہبی کا قول دوسرے اعتراض کے جواب میں بیان کیاجائے گا

[2] ''الکشف والبیان''ج۴،ص۸۱۔۸۰،داراحیاء التراث العربی

[3] مجمع البیان،ج۳،ص۳۲۴

کنارے بیٹھے تھے (اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کررہے تھے)اچانک ایک عمامہ پوش شخص آپھونچا (اوررسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح حدیثیں نقل کرنا شروع کیں)کہ جب عبداللہ ابن عباس کہتے تھے: ''قال رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''وہ شخص بھی کہتا تھا: ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ''ابن عباس نے کہ: تمھیں خدا کی قسم ہے یہ بتاؤکہ تم کون ہو؟اس شخص نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اورکہا :اے لوگو!جو مجھے پہچانتاہے،وہ پہچانتاہے،اور جو مجھے نہیں پہچانتا میں اسے اپنے بارے میں بتادینا چاہتا ہوں کہ میں جندب،جنادۂ بدری کا بیٹا،ابوذرغفاری ہوں۔میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ان دونوں(کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)کانوں سے سنا اگریہ بات صحیح نہ ہو تو (میرے کان)بہرے ہو جائیں اوران دونوآنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آنکھوں سے دیکھا اگر یہ بات درست نہ ہو تو میری آنکھیں اندھی ہوجائیں(میں نے سنا اور دیکھا) فرما رہے تھے: علی (علیہ السلام) نیکوں کے پیشوااور کافروں کے قاتل ہیں۔جوان کی مددکرے گااس کی خدا نصرت کرے گا،اور جوانھیں چھوڑدے گاخدااسے بھی چھوڑدے گا۔ایک دن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہرکی نمازپڑھ رہاتھاکہ ایک سائل نے اہل مسجد سے سوال کیا،کسی نے اس کی حاجت پوری نہیں کی۔سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اورکہا:خداوندا! تو گواہ رہناکہ میں نے مسجدالنبیؐ میں سوال کیااورکسی نے میری حاجت پوری نہیں کی۔علی(علیہ السلام)رکوع کی حالت میں تھے،اپنی چھوٹی(انگلی جس میں انگوٹھی تھی)سے اس کی طرف اشارہ کیا۔سائل نے سامنے سے آکرانگوٹھی آپ(ع)کے ہاتھ سے نکال لی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقع کے شاہد اور گواہ ہیں جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازسے فارغ ہوئے آسمان کی طرف رخ کرکے عرض کی:خداوندا!میرے بھائی موسیٰ(علیہ السلام) نے تجھ سے سوال کیا اور کہا ''پروردگارا!میرے سینے کوکشادہ کردے،میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہوں کوکھول دے،تاکہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کومیراوزیرقراردیدے،اس سے میری پشت کومضبوط کردے،اسے میرے کام میں شریک بنادے۔''(اس کی درخواست کو بر لا)اور تو نے اس داستان کے بارے میں قرآن مجیدمیںیوں فرمایا:''ہم تمھارے بازؤں کوتمھارے

بھائی (ہارون) سے مضبوط کردیں گے اور تمھیں ان پر مسلط کردیں گے۔ ''خداوندا! میں تیرا برگزیدہ پیغمبر ہوں، خداوندا! میرے سینے کو کشادہ کردے، میرے کام کو آسان کر، میرے اہل میں سے میرے بھائی علی (ع) کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر۔ (ابوذر کہتے ہیں:) خدا کی قسم رسول خدا ﷺ نے ابھی اپنی بات تمام بھی نہیں کی تھی کہ جبرئیل امین خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور کہا: اے محمدؐ! پڑھئے! (آنحضرتؐ نے) کہا: کیا پڑھوں؟ (جبرئیل نے کہا) پڑھئیے: (إنّما ولیکم اللہ ورسولہ۔ '' (شیخ طبرسی نے اس حدیث کے خاتمہ پر کہا ہے: اس روایت کو ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسی سند سے (کہ جیسے میں نے ذکر کی ہے) نقل کیا ہے۔ اس شان نزول کو بیان کرنے والی بہت ساری حدیثیں ہیں ان میں سے بعض کو ہم دوسری مناسبتوں کے سلسلہ میں بیان کریں گے اور ان میں سے بعض دوسری احادیث کے حوالہ ابن تیمہ کے جواب کے ذیل میں عرض کریں گے۔ ان احادیث کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ یہ شان نزول قطعی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ آیہء ولایت کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات آیہء ولایت کے بارے میں چند سوالات کئے جاتے ہیں، مناسب ہے ہم اس باب میں ان کے جوابات دیں۔

۱۔ کیا آیت میں ''ولی'' کا معنی دوست نہیں ہے؟ یہ آیہء کریمہ ایسی آیات کے سیاق میں ہے کہ جس میں مومنین کے لئے یہود ونصاریٰ کو اپنے ولی قرار دینے سے نہی کی گئی ہے۔ چونکہ ان آیات میں ولی 'یاور'' یا 'دوست'' کے معنی میں ہے، اس آیت میں بھی اس کے معنی اسی سیاق کے تحت درج ہے، لہذا اسی معنی میں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ مانیں تو سیاق واحد میں تفکیک لازم آئیگی۔ اس لئے اس آیت کے معنی یوں ہوتے ہیں: ''بس تمہارا یاور یا دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت خضوع اور انکساری میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔'' جواب: اول یہ کہ: آیہء شریفہ میں سیاق کا پایا جانا منتفی ہے، کیونکہ آیہء کریمہ (چنانچہ اس کی شان نزول کے سلسلہ میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس کی مزید وضاحت آگے کی جائے گی) ایک مستقل شان نزول رکھتی ہے۔ نزول کا مستقل ہونا اس معنی میں ہے کہ یہ آیت اپنے معانی و مفاہیم کے لحاظ سے دوسری آیات سے مربوط نہیں

ہے۔بیشک قرآن مجید کی آیات کی ترتیب و تنظیم،جس طرح اس وقت موجود ہے،اسی اعتبار سے ہم اس کی قرائت کرتے ہیں باوجود اس کے کہ ان میں نزول کی ترتیب کے لحاظ سے تناقض پایا جاتا ہے۔یہاں تک بعض سورہ یا آیات کہ جو پہلے نازل ہوئی ہیں وہ موجودہ ترتیب میں قرآن کے آخر میں نظر آتی ہیں،جیسے:مکی سورے کہ جو قرآن مجید کے آخری پارے میں موجود ہیں اور بہت سی آیات اور سورے اس کے برعکس ہیں جیسے:سورۂ بقرہ کہ جو موجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے جب کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والا پہلا سورہ ہے۔

لہذا موجودہ ترتیب زمانہ نزول کے مطابق نہیں ہے،اور معلوم ہے کہ آیات کے ظہور کے پیش نظر ترتیب کا معیار زمانہ نزول ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ:آیات اور سورتوں کی تنظیم پیغمبر اکرم ﷺ کے زیر نظر انجام پائی ہے اور آنحضرت ﷺ نے آیات کی مناسبت اور معنوی نظم کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر آیہ اور سورہ کو اپنی مناسب جگہ پر قرار دیا ہے۔اس لئے موجودہ ترتیب کا زمانہ نزول سے مختلف ہونا سیاق کے لئے ضرر کا باعث نہیں ہے۔جواب میں کہا جائے:اگر چہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ موجودہ صوت میں قرآن مجید کی آیات کی تنظیم اور ترتیب آنحضرت ﷺ کی نگرانی میں انجام پائی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کوئی مصلحت تھی جس کے پیش نظر ہر آیت یا سورہ کو ایک خاص جگہ پر قرار دیا جائے،لیکن اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ مصلحت نظم و مناسبت کی رعایت اور آیات کے ایک دوسرے سے معنوی رابطہ کی وجہ سے مربوط ہے ۔ اس لحاظ سے ہر آیت کا نزول اگر اس کی پچھلی آیات سے دلیل کی بنا پر ثابت ہو جائے تو اس میں سیاق کا وجود ہے اور جس کسی آیت کا نزول مستقل یا مشکوک ہو تو اس آیت کا گزشتہ آیت سے متصل ہونا اس کے سیاق کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔ زیر بحث آیت کا نزول بھی مستقل ہے اور مذکورہ بیان کے پیش نظر اس میں سیاق موجود نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ:اگر سیاق پایا بھی جائے پھر بھی گزشتہ آیت میں ثابت نہیں ہے کہ ''ولی''کا معنی دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:(یاایھاالذین آمنوالا

تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض[1]) ''ایمان والو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا ولی و سرپرست نہ قرار دو کہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ۔ ''اس آیت میں بھی (ہمارے مذکورہ اشارہ کے پیش نظر)ولایت، سرپرستی اور صاحب اختیار کے معنی میں ہے۔تیسرے یہ کہ:اگر آیہء کریمہ میں موجود ولایت دوستی یا نصرت کے معنی میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اس کا مفہوم خلاف واقع ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے ''بس تمہارا مدد گار یا دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکواۃ دیتے ہیں۔ ''جبکہ معلوم ہے کہ مومنین کے مدد گار اور دوست ان افراد تک محدود نہیں ہیں جو رکوع کی حالت زکواۃ دیتے ہیں بلکہ تمام مومنین ایک دوسرے کے مدد گار اور دوست ہیں مگر یہ کہ آیہ کریمہ میں ''راکعون''کے معنی ''خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرنے والے کے ہیں اور یہ معنی مجازی ہیں اور رکوع کے حقیقی معنی جھکنے اور خم ہونے کے ہیں ان مطالب کے پیش نظر، سیاق کی بات یہاں پر موضوع بحث سے خارج ہے اور اس کے وجود کی صورت میں بھی معنی مقصود کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا ہے۔

۲۔مذکورہ شأن نزول (حالت رکوع میں حضرت علی (ع)کا انفاق کرنا)ثابت نہیں ہے۔بعض افراد نے آیہ شریفہ کی شأن نزول پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ (امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا نماز کی حالت میں انفاق کرنا اور اس سلسلہ میںآیت کا نازل ہونا)ثابت نہیں ہے۔رہی یہ بات کہ ثعلبی نے اس داستان کو نقل کیا ہے تو وہ صحیح اور غیر صحیح روایتوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے،اور بڑے محدثین، جیسے طبری اور ابن حاتم وغیرہ نے اس قسم کی جعلی داستانوں کو نقل نہیں کیا ہے؟!

جواب:یہ شأن نزول شیعہ و اہلسنت کی تفسیر اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کی سند معتبر ہے۔چونکہ ان سب کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے،اس لئے ہم ان میں سے بعض کے حوالے حاشیہ میں ذکر کرتے

---

[1] مائدہ۵۱

ہیں'اس قسم کے معتبر واقعہ کو جعلی کہنا،امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی مقدس بار گاہ میں جسارت اور ان بڑے محدثین کی توہین ہے کہ جنھوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے!اور ثعلبی کے متعلق اس طرح کے گستاخانہ اعتراضات کہ وہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے،جب کہ اہل سنت کے علمائے رجال نے اس کی تعریف تمجید کی ہے اور وسیع پیمانے پر اس کو سراہا اور نوازا ہے۔ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر ان میں سے صرف دو بزرگوں کے نظریات پیش کرتے ہیں:علمائے اہل سنت میں علم رجال کے ماہر نیز مشہور ومعروف عالم دین اور حدیث شناس،ذہبی،ثعلبی کے بارے میںیوں کہتے ہیں :

''الإمام الحافظ العلامۃ شیخ التفسیر کان أحد أو عیۃ العلم وکان صادقاً موثقاً بصیراً بالعربیۃ''[2]یعنی:وہ امام،حافظ،علامہ،استاد تفسیر نیز ایک علمی خزانہ ہیں۔وہ سچے،قابل اعتماد اور عربی ب کے حوالے سے وسیع معلومات اور گہری نظر رکھنے والے zیں۔''

۲۔عبد الغافر نیشابوری ''منتخب تاریخ نیشاپوری'' کہتے ہیں '':احمد بن محمد بن ابراھیم المقریء المفسر واعظ،الادیب،الثقۃ،الحافظ،صاحب صانیفا لجلیلۃ من ۷،ص۸۰،دارالفکر۔المراجعات،ص۱۷۵،۲،مرقاۃ المفاتیح،ج۱۰،ص۴۶۲،دارالفکر مطالب السؤول،ج۱،ص۸۶ و ۸۷، معالم التنزیل،ج۲،ص۴۷ ا المعجم الاوسط،ج۷،ص۲۹ او ص۳۰ ا،مکتبۃ المعارف الریاض،معرفۃ علوم الحدیث،ص۱۰۲،دارالکتب العلمیۃ

[1] احقاق الحق،ج۳،ص۳۹۹ تا۴۱۱، احکام القرآن جصاص،ج۲،ص۴۴۶، اربعین ابی الفوارس،ص۲۲مخطوط، ارجح المطالب،ص۱۶۹طبع لاہور (بہ نقل احقاق الحق) ، اسباب النزول،ص۱۳۳انتشارات شریف رضی، اصول کافی،ج۱،ص۱۴۳،ح ۷ وص۱۴۶،ح۱۶وص۲۲۸،ح۳ المکتبۃالاسلامیہ ، انساب الاشراف،ج۲،ص۳۸۱دار الفکر، البدا یۃ والنہایۃ(تاریخ ابن کثیر)،ج۷،ص۳۷۱دارالکتب العلمیہ، بحرالعلوم(تفسیر السمر قندی)،ج۱،ص۴۴۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت
البحر المحیط،ج۳،ص۵۱۴مؤ سسۃالتاریخ عربی، تاریخ مدینۃ دمشق،ج۴۲،ص۳۵۶و۳۵۷دارالفکر، ترجمۃ الامام امیرالمؤ منین،ج۲،ص۴۰۹و۴۱۰دار التعارف للمطبو عات، التسہیل لعلوم التنذیل،ج۱۰ص۱۸۱دارالفکر
تفسیرابن کثیر،ج۲،ص۷۴دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر بیضاوی،ج۱،ص۲۷۲دار الکتب العلمیہ، تفسیر الخازن،ج۱،ص۴۶۸دار الفکر، تفسیر فرات،ج۱،ص۱۲۳۔۱۲۹، تفسیر القرآن ،ابن ابی حاتم،ج۴،ص۱۱۶۲المکتبۃالاہلیہ بیروت، تفسیر کبیر فخررازی،ج۶،جزء۱۲،ص۲۶داراحیاء التراث العربی بیروت، جامع احکام القرآن ۔ج۶،ص۲۲۱و۲۲۲دارالفکر، جامع الاصول،ج۹،ص۴۷۸،ح۶۵۰۳داراحیاء التراث العربی، جامع البیان طبری،ج۴،جزء ۶،ص۱۸۶دار المعرفۃ بیروت، الجواہر الحسان،ج۲،ص۳۹۶داراحیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃالشہاب علی تفسیربیضاوی ،ج۳،ص۲۵۷دار احیاء التراث العربی بیروت، حاشیۃالصاوی علی تفسیرجلالین ،ج۱،ص۲۹۱ دار الفکر، الحاوی للفتاوی مکتبۃ القدس قاہرہ(بہ نقل احقاق الحق)، الدر المنثور،ج۳،ص۱۰۵و۱۰۶ دارالفکر، ذخائر العقبی،ص۸۸ مؤسسۃ الوفاء بیروت، روح المعانی ،ج۶،ص۱۶۷ داراحیاء التراث العربی، الریاض النضرۃ ،ج۲،ص۱۸۲دار الند وۃ الجدیدۃ، شرح المقاصد تفتازانی،ج۵،ص۲۷۰و۲۷۱، شرح المواقف جر جانی،ج۸،ص۳۶۰، شرح نہج البلاغہ،ابن ابی الحدید، شواہد التنزیل ،ص۲۰۹ تاص۲۴۸(۲۶حدیث)، غرائب القرآن نیشاپوری،ج۲،جزء۶،ص۶۰۶،دار الکتب العلمیۃ بیروت، فتح القدیر(تفسیر شوکانی)،ج۲ص۶۶،دار الکتب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین ،ابراہیم بن محمد جوینی ،ج۱،ص۱۸۷وص۱۹۵،مؤسسۃ المحمودی، الفصول المہمۃ،ص۱۲۳و۱۲۴،منثورات الا علمی تہران، الکشاف ،زمخشری،ج۱،ص۳۴۷دار المعرفۃ بیروت، کفایۃ الطالب،ص۲۴۹وص۲۵۰،داراحیاء تراث اہل البیت،
کنزالعمال،ج۱۳،ص۱۰۸وص۱۶۵،مؤسسۃالرسالۃ، اللباب فی علوم الکتاب ،ج۷،ص۳۹۰ وص۳۹۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت، مجمع الزوائد،ج
[2] سیر اعلام النبلاء،ج۱۷،ص۴۳۵،مؤسسہ الرسالۃ،بیروت

بیروت مناقب ابن مغازلی،ص۳۱۱،المکتبة الاسلامیة، مناقب خوارزمی،ص۲۶۴ وص۲۶۵وص۲۶۶،مؤسسة النشر الاسلامی، مواقف ایجی،ج۸،ص۳۶۰نظم درر السمطین،ص۸۶،مطبعة القضاء(بہ نقل احقاق الحق)،النکت والعیون

(تفسیر الماوردی)،ج۲،ص۴۹،مؤسسة الکتب الثقا فیتنورالابصار،ص۸۶ و۸۷،دارالفکر تفسیر،الحاوی لانواع الفوائد من المعانی والإشارات، وہو صحیح النقل موثق بہ[1]۔ عبد الغافر نے ان کی اس عبارت میں توصیف کی ہے کہ احمد بن محمد بن ابراھیم مقری، (علم قرات کے ماہر)، مفسر، واعظ، ادیب، قابل اعتماد، حافظ نیز معانی اوراشارات پر قابل قدر کتابوں کے مصنف تھے۔ان کی احادیث صحیح اورقابل اعتماد ہیں۔''ثعلبی کے باوثوق ہونے اوران کی عظمت کے علاوہ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے سائل کو انگوٹھی دینے کی داستان کو صرف ثعلبی ہی نے نقل نہیں کیاہے۔بلکہ یہ واقعہ شیعہ اوراہل سنت کے حدیث اور تفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔یہاں تک کہ طبری اورابن حاتم نے بھی اس داستان کونقل کیاہے،جن کے بارے میں معترض نے کہاتھا: ''یہ لوگ اس قسم کی داستانیں نقل نہیں کرتے ہیں''۔

مناسب ہے ہم یہاں پران دو نوں افراد کی روایتوں کونقل کریں:ابن کثیر نے اپنی تفسیرمیں بیان کیاہے'': قال إبن أبی حاتم وحد ثنا ابو سعید الأشج،حدثنا الفضل بن دکین ابونعیم الأحول،حدثنا موسی بن قیس عن سلمة بن کھیلقال: تصدق علی بخاتمه وھوراکع فنزلت(إنّما ولیکم اللّٰہ ورسوله والّذین آمنواالذین یقیمون الصلوٰةویؤتون الزکوٰة وھم راکعون)[2]۔اس حدیث میں ابن کثیرابن ابی حاتم کی کتاب سے صحیح سند کے ساتھ سلمة بن کہیل سے، حضرت علی علیہ السلام کے متعلق حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی کو بہ طور صدقہ دینے کا واقعہ نقل کرتاہے اورکہتاہے:اس قضیہ کے بعدآیہء شریفہ(إنّماولیکم اللّٰہ)نازل ہوئی۔ابن جریر طبری نے بھی اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے:''حدثنا محمدابن الحسین قال:حدثنا احمدبن المفضل قال:حدثناأسباط عن السدی علی بن أبی طالب مرّبه سائل وھوراکع فی المسجد فأعطاه

[1] تاریخ نیشابوری ،ص۱۰۹
[2] تفسیر ابن کثیر،ج۲،ص۷۴

خاتمہ[1] اس روایت میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حالت رکوع میں اپنی انگشتری کو راہ خدا میں دینے کو بیان کیا گیا ہے۔ ۳۔ کیا ''إنما'' حصر پر دلالت کرتا ہے؟ فخر رازی نے کہا ہے کہ ''إنما'' حصر کے لئے نہیں ہے۔ اس کی دلیل خدا وند متعال کا یہ قول ہے کہ (إنما مثل الحیاة الدنیا کماء أنزلناہ من السماء یعنی: زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا'' بیشک دینوی زندگی کی صرف یہی ایک مثال نہیں بلکہ اس کے لئے اور بھی دوسری مثالیں ہیں،اس لئے اس آیت میں ''إنما'' حصر پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

جواب: اول یہ کہ: جس آیہء شریفہ کو فخر رازی نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے،اس میں بھی ''إنما'' حصر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لیکن حصر دو قسم کا ہے: حصر حقیقی میں مخاطب کے خیال اور تصور کی نفی کی جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی کہے: ''زید کھڑا ہے'' اس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے'': إنّما قائم عمرو'' یعنی کھڑا شخص صرف عمرو ہے نہ زید۔ اس جملہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا میں کھڑے انسان عمرو میں منحصر قرار دئے جائیں،بلکہ مقصود یہ ہے کہ مقابل کے اس تصور کو زائل کیا جائے کہ زید کھڑا ہے اور اسے یہ سمجھایا جائے کہ صرف عمرو کھڑا ہے۔ آیہ کریمہ بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیا کی زندگانی کو صرف آسمان سے برسنے والے پانی کی مثال اور تشبیہ دینی چاہئے جس کے برسنے کے نتیجہ میں ایک پودا اگتا ہے اور سرانجام وہ پودا خشک ہو جاتا ہے،کیونکہ یہ مثال دنیاوی زندگی کے فانی اور منقطع ہونے کی حکایت کرتی ہے ،نہ یہ کہ اس کے لئے ایک ایسی مثال پیش کی جائے جو اس کے دوام،استمرار اور بقا کی حکایت کرتی ہو۔ دوسرے یہ کہ: لغوی وضع کے لحاظ سے ''إنما'' حصر کے لئے ہے لیکن قرینہ موجود ہونے کی صورت میں غیر حصر کے لئے بھی بہ طور مجاز استعمال ہو سکتا ہے۔ فخر رازی کی طرف سے بہ طور اعتراض پیش کی گئی آیت میں اگر ''انما'' غیر حصر کے لئے استعمال ہوا ہے تو وہ قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے بہ طور مجازی استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اس آیہء شریفہ میں ''إنما'' کا حقیقی معنی وہی حصر، مقصود ہے۔

---

[1] تفسیر طبری ،ج۶،ص۱۸۶،دار المعرفۃ،بیروت

[2] سورۂ یونس،۲۴

۴۔کیا ''الذین آمنوا ''کا اطلاق علی علیہ السلام کے لئے مجازی ہے؟اگر ''الذین آمنوا ''کہ جو جمع ہے اس سے مراد علی علیہ السلام ہوں گے تولفظ جمع کا استعمال مفرد کے معنی میں ہوگا ۔یہ استعمال مجازی ہے اور مجازی استعمال کو قرینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جواب:اول یہ کہ:شیعہ امامیہ کی احادیث کے مطابق ''الذین آمنوا ''صرف امیرالمؤمنین علیہ السلام سے مخصوص نہیں ہے,بلکہ اس میں دوسرے معصوم ائمہ بھی شامل ہیں۔ہماری احادیث کے مطابق تمام ائمہء معصومین اس کرامت وشرافت کے مالک ہیں کہ رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دیں[1]۔دوسرے یہ کہ:بالفرض اس موضوع سے ایک خاص مصداق یعنی حضرت علی علیہ السلام کاارادہ کیا گیا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے,اس مجازی استعمال کے لئے وہ احادیث قرینہ ہیں جو اس کی شأن نزول میں نقل کی گئی ہیں اور بیان ہوئیں۔

۵۔کیا حضرت علی علیہ السلام کے پاس انفاق کے لئے کوئی انگوٹھی تھی؟جیسا کہ مشہور ہے حضرت علی (علیہ السلام) فقیر اورغریب تھےاوران کے پاس کوئی قیمتی انگوٹھی نہیں تھی۔

جواب:احادیث اورتاریخ گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام غریب اور فقیر نہیں تھے۔ حضرت(ع)اپنے ہاتھوں سے اور اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ نہریں کھودتے تھے اور نخلستان آباد کرتے تھے,اپنے لئے مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مال کوخدا کی راہ میں انفاق کرتے تھے۔

٦۔کیا (راہ خدا میں) انگوٹھی انفاق کرنا حضور قلب(خضوع وخشوع) کے ساتھ ہم آہنگ وسازگارہے؟حضرت علی (علیہ السلام)نمازکی حالت میں مکمل طور پر حضور قلب کے ساتھ منہمک ہوتے تھے۔جو اس طرح حضور قلب کے ساتھ یاد خدا میں ڈوبا ہوا

---

[1] ا صول کافی،ج۱ص۱۴۳،ح۷وص۱۴۶،ح۱۶ وص۲۲۸،ح۳ المکیۃ الاسلامیہ۔کمال الدین ،ح۱،ص۲۷۴۔۲۷۹ دار الکتب الاسلا میۃ فرائد السبطین ،ج۱،ص۳۱۲،ح۲۵ مؤسسہ المحمودی لطاعۃ والنشر۔ینا بیع المودۃ،ص۱۱۴۔۱۱۶

ہووہ دوسرے کی بات نہیں سن سکتا۔اس خشوع وخضوع کے پیش نظر حضرت(ع)نے کیسے سائل کے سوال اوراس کے مدد کے مطالبہ کوسن کر اپنی انگوٹھی اس کوانفاق کی!

جواب:حضرت علی علیہ السلام اگر چہ فطری طورپر(نمازمیں خاص حضورقلب کی وجہ سے)دوسروں کی بات پر توجہ نہیں کرتے تھے،لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مقلب القلوب اوردلوں کو تغیر دینے والا خداوند متعال،سائل کے سؤال کے وقت آپ(ع)کی توجہ کواس کی طرف متوجہ کرے تاکہ اس صدقہ کوجوایک اہم عبادت ہے آیہء شریفہ کے نزول کا سبب قرار دے اوریہ آیہء شریفہ آپ(ع)کی شأن میں نازل ہو۔اس آیت کی شأن نزول سے مربوط احادیث(جن میں سے بعض بیان کی گئیں)اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ(ع)نے سائل کی طرف متوجہ ہوکرمذکورہ صدقہ کواپنے ہاتھوں سے دیاہے۔

۷۔کیا انفاق،نمازکی حالت کو توڑنے کا سبب نہیں بنتا؟نماز کی حالت میں انگوٹھی انفاق کرنا،نمازکی ظاہری حالت کوتوڑنے کا سبب ہے۔اس لئے حضرت(ع)سے اس قسم کا فعل انجام نہیں پاسکتا ہے۔

جواب:جوچیزنمازکی حالت کو توڑنے کا سبب ہے وہ فعل کثیر ہے اوراس قسم کا مختصر فعل نمازکو توڑنے کا سبب نہیں ہو سکتاہے۔

شیعہ فقہا اس قسم کے امورکونمازکو باطل کرنے کاسبب نہیں جانتے ہیں۔ابوبکرجصاص کتاب''أحکام القرآن''[1]میں''باب العمل الیسیر فی الصلاۃ'کے عنوان سے آیہء کریمہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:اگرآیہء شریفہ سے مراد رکوع کی حالت میں صدقہ دینا ہے تویہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے دوران چھوٹے اورجزئی کام مباح ہیں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نمازکی حالت میں چھوٹے اورجزئی کام کے جائز ہونے کے سلسلہ میں چند احادیث روایت ہوئی ہیں جیسے وہ حدیثیں جو اس بات پردلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی حالت میں اپنے جوتے اُتارے اوراپنے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرااوراپنے ہاتھ سے (کسی جگہ کی

---

[1] احکام القرآن ،ج۲،ص۴۴۶،دار الکتب العلمیہ،بیروت

طرف)اشارہ فرمایا ۔اس لئے نماز کی حالت میں صدقہ دینے کے مباح ہونے کے بارے میں آیہء شریفہ کی دلالت واضح اورروشن ہے ۔قرطبی ''جامع ''أحکام القرآن،میں کہتے ہیں:طبری نے کہا ہے کہ یہ(امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کے توسط سے نماز کی حالت میں انگوٹھی کا بہ طور صدقہ دینا)اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے اور جزئی امور نماز کو باطل نہیں کرتے ہیں،کیونکہ صدقہ دینا ایسا امر تھا جو نماز کی حالت میں انجام دیا گیا ہے اور نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں بنا ۔

۸ ۔کیا مستحبی صدقہ کو بھی زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے؟فخررازی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ، کے نام کا اطلاق ''زکوٰۃ''واجب کے لئے ہے اور مستحب صدقہ پرزکوٰۃ اطلاق نہیں ہوتاہے،اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند متعال نے(بہت سے مواقع پر)فرمایا ہے:(وآتواالزکوٰۃ)یعنی:زکوٰۃادا کرو ۔فعل امر واجب پر دلالت کرتا ہے ۔اب جب کہ زکوٰۃ، کا اطلاق صدقہ واجبہ کے لئے ہوتا ہے تواگر علی(علیہ السلام)نے واجب زکوٰۃ کونماز کی حالت میں ادا کیا ہے توآپ(ع)نے ایک واجب امرکواپنے اول وقت سے موخیر کیا ہے اور یہ اکثر علماء کے نزدیک گناہ شمار ہوتاہے ۔اس لئے اس کی حضرت علی(علیہ السلام)کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے ۔اگر یہ کہا جائے کہ:زکوٰۃ سے مراد مستحب صدقہ ہے،تویہ اصل کے خلاف ہے،کیونکہ آیہء شریفہ(آتواالزکوٰۃ سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ جو بھی صدقہ زکوٰۃ کا عنوان رکھتا ہے وہ واجب ہے ۔

جواب:اول یہ کہ:آیہء شریفہ میں ذکر کی گئی زکوٰۃ سے مراد بیشک زکوٰہ مستحب ہے اورشأن نزول کی حدیثیں اس مطلب کی تائید کرتی ہیں ۔لیکن یہ کہنا کہ ''آیہء شریفہ'' (آتواالزکوٰۃ)میں زکوٰۃ سے مرادزکوٰۃ واجب ہے اس لئے جس چیز پرزکوٰۃاطلاق ہو گا وہ واجب ہو گا''اس کا صحیح نہ ہونا واضح اورعیان ہے کیونکہ ایک طرف جملہء(وآتواالزکوٰۃ)میں وجوب پر دلالت کرنے والا لفظ ''آتوا''فعلامرہے اور لفظ زکوٰۃ کا استعمال ماہیت زکوٰۃ کے علاوہ کسی اورچیز میں نہیں ہواہے ۔اور ماہیت زکوٰۃ،واجب اور مستحب میں قابل تقسیم ہے اوریہ تقسیم کسی قرینہ کے بغیرواقع ہوتی ہے ۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب واستحباب لفظ کے دائرے سے

خارج ہے۔دوسری طرف سے شیعہ وسنی احادیث اور فقہا کے فتوؤں میں زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں،زکوٰۃواجب اورزکوٰۃمستحب لہذا یہ کہنا کہ جوبھی زکوٰۃہوگی واجب ہوگی اس اطلاق کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ:آیہء شریفہ میں بہ صورت فعل امر ''آتوا ''نہیں آیاہے بلکہ جملہ ''یؤ تون الزکوٰۃ ''اخبارہے نہ انشاء۔اور یہ کہ آیہ شریفہ میں صدقہ سے مراد مستحب صدقہ ہے،اس کی بعض اہل سنت فقہا اور مفسرین تصدیق کرتے ہیں۔جصاص ''أحکام القرآن''میں کہتے ہیں(یؤتون الزکوٰۃوہم راکعون)کا جملہ اس بات پر دلالت کرتاہے کہ مستحب صدقہ کوزکوٰۃکہا جاسکتاہے،کیونکہ علی(علیہ السلام)نے اپنی انگوٹھی کوصدقہ مستحبی(زکوٰۃ مستحبی)کے طورپرانفاق کیاہے اوراس آیہء شریفہ میں:(وماآتیتم من زکوٰۃتریدون وجہ اللّٰہ فأولئک ہم المضعفون[1]) یعنی:جوزکوٰۃدیتے ہو اوراس میں رضائے خداکاارادہ ہوتاہے توایسے لوگوں کودگنا جزا دی جا تی ہے'' لفظ ''زکوٰۃ''صدقہء واجب اورصدقہء مستحب دونوں کوشامل ہوتا ہے۔''زکوٰۃ کا اطلاق''واجب اور مستحب دونوں پر مشتمل ہوتاہے،جیسے نماز کا اطلاق صرف نمازواجب کے لئے مخصوص نہیں ہےبلکہ مستحب نمازبھی اس میں شامل ہے[2]۔

۹۔کیا رکوع میں زکوٰۃ دینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟اگررکوع سے مرادنمازکی حالت میں رکوع ہے تویہ قابل مدح وستائش نہیں ہے،کیونکہ رکوع میں انفاق کرنایانمازکی کسی دوسری حالت میں انفاق کرنا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:یہ کہ آیہء شریفہ میں رکوع امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی زکوٰۃ کے لئے ظرف واقع ہوا ہے،یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس حالت میں انفاق کرنا قابل تمجیدوستائش یا کسی خاص تعریف کا باعث ہے بلکہ یہ اس لحاظ سے ہے کہ سائل کا سوال حضرت(ع)کے رکوع کی حالت میں واقع ہواہے اور علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق ''اس سلسلہ میں قضیہ،قضیہ خارجیہ ہے اور رکوع کا عنوان کوئی خصوصیت و موضوعیت نہیں رکھتاہے۔''اور تعریف وتمجید اس لحاظ سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام

---

[1] سورہ روم،۳۹

[2] احکام القرآن،ج۲،ص۲۴۶

نے اس حالت میں اس عبادی عمل کو انجام دیا ہے۔اگر حضرت(ع) نے رکوع میں یہ انفاق انجام نہ دیا ہو تو وہ سائل ناامیدی اور محرومیت کی حالت میں مسجد سے واپس چلاجاتا۔

۱۰۔کیا اس آیت کا مفہوم سابقہ آیت کے منافی ہے؟فخررازی کا کہنا ہے:اگریہ آیت علی (علیہ السلام)کی امامت پردلالت کرے گی تو یہ آیت اپنے سے پہلے والی آیت کے منافی ہوگی کہ جوابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔

جواب:اس سے پہلے والی آیت ابوبکر کی فضیلت اوران کی خلافت کی مشروعیت پرکسی قسم کی دلالت نہیں کرتی ہے۔اس سے پہلے والی آیت یوں ہے:(یاایھاالذّین آمنوامن یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبّھم ویحبّونہ إذلّۃٍعلی المؤمنین أعزّۃ علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم[1]۔)''اے ایمان والو!تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہوں گے،مؤمنین کے لئے متواضع اورکفارکے لئے سرسخت ہوں گے،راہ خدا میں جہاد کرنے والے اورکسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کریں گے''۔

فخررازی نے کہاہے:یہ آیت ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پردلالت کرتی ہے،کیونکہ خدا وند متعال نے مؤمنین سے خطاب کیاہے کہ اگر وہ اپنے دین سے پلٹ جائیں گے توآیت میں مذکورصفات کی حامل ایک قوم کولائے گاتاکہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جس نے مرتدوں سے جنگ کی وہ تنہاابوبکر تھے۔چونکہ یہ آیت ابوبکرکی تعریف وتمجید شمار ہوتی ہے،لہذاان کی خلافت کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔فخررازی نے ابوبکر کی خلافت کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لئے آیت میں اپنی طرف سے بھی ایک جملہ کا اضافہ کیاہے۔آیہء شریفہ میں یہ فرمایاگیاہے:اگر تم مؤمنین میں سے کوئی بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گاتوخداوندمتعال عنقریب ایسی ایک قوم کو بھیجے گا جن میں مذکورہ اوصاف من جملہ خداکی راہ میں جہاد کرنے کا وصف ہوگا۔

---

[1] سورہ مائدہ۵

آیہء شریفہ میںیہ نہیں آیاہے کہ ''وہ مرتدوں سے جنگ کریں گے''،لیکن فخررازی نے اس جملہ کو اپنے استدلال کے لئے اس میں اضافہ کیاہے۔دوسری متعدد آیتوں میں بھی اس آیت کے مضمون سے مشابہ آیا ہے کہ اگر تم لوگ کافر ہوگئے توخدا وند متعال ایسے افراد کوبھیجے گا جوایسے نہیں ہوں گے۔ملا حظہ ہو:۱۔(فإن یکفربہا ہؤلاء فقدو کلّنا بہا قوماً لیسوا بہابکافرین[1]) ''اگریہ لوگ ان سے کفر اختیار کرتے ہیں(انکارکرتے ہیں)توہم ان پرایک ایسی قوم کو مسلط کر دیں گے کہ جو کفر اختیار کر نے والے نہیں ہوں گے(انکارکرنے والی نہیں ہے)

۲۔(وإن تتولّوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونواأمثالکم[2])''اوراگرتم منہ پھیر لوگے تووہ تمھارے بدلے دوسری قوم کوبھیج دے گا جواس کے بعدتم جیسے نہ ہوں گے۔

۳۔(إلّاتنفروایعذّبکم عذاباً ألیماً ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضرّوہ شیئاً[3]) (''اگر تم راہ خدا میں نہ نکلوگے توخدا تمھیں دردناک عذاب میں مبتلاکرے گااورتمھارے بدلے دوسری قوم کولے آئے گا اورتم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکوگے۔''

لہذااس آیت کا مضمون بھی مذکورہ مضامین کے مشابہ ہے،اورآیت میں کسی قسم کی ایسی دلالت موجود نہیں ہے کہ خداوند متعال ایک قوم کو بھیج دے گا جومرتدوں سے جنگ کرے گی۔

۱۱۔کیاآیت میں حصرائمہ معصومین (علیہم السلام)کی امامت کے منافی ہے؟اگر آیہء شریفہ علی(علیہ السلام)کی امامت پر دلالت کرتی ہے تویہ امامیہ مذہب کے عقایدسے متناقض ہے جس طرح اہل سنت مذہب سے اس کاتناقض ہے،کیونکہ شیعہ صرف علی(ع)کی امامت کے معتقد نہیں ہیں بلکہ بارہ اماموں کی امامت پر بھی اعتقادرکھتے ہیں؟

---

[1] سورۂ انعام،۸۹
[2] سورۂ محمد،۳۸
[3] سورۂ توبہ،۳۹)

جواب:اول یہ کہ:مذکورہ قطعی شواہدکی بنیاد پرہمییہ معلوم ہواکہ آیہء شریفہ میں ولایت سے مرادسرپرستی اوررکوع سے مراد ''نمازکارکوع'' ہے۔اس سے واضح ہوجاتاہے کہ آیت میں پایا جانے والاحصر،حصراضافی ہے نہ حصر حقیقی،کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ پیغمبرﷺاورائمہ معصومین(علیہم السلام)کے علاوہ کچھ دوسرے اولیاء بھی ہیں،جیسے فقہا،حکام،قاضی،باپ،دادااوروصی۔

اگرہم یہاں حصرسے حصر حقیقی مرادلیں توآیت ان تمام اولیاء کی ولایت کی نفی کرے،جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔یہ بذات خود ایک قرینہ ہے کہ آیہء کریمہ میں موجود حصر، حصراضافی ہے اوراس سے مرادرسول اکرمﷺکے بعد حضرت علی علیہ السلام کی سر پرستی وولایت ہے۔

موجودہ دلائل کے پیش نظر دوسرے ائمہ علیہم السلام کی امامت ثابت ہے اوراس میں کسی قسم کا منافات نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ:شیعہ امامیہ اوراہل سنت کی کتابوں میں موجود متعدد روایات کے مطابق(الذین آمنوا)سے مرادصرف حضرت علی علیہ السلام نہیں ہیں[1]بلکہ تمام ائمہ معصومین مذکورہ سخی زکوۃکوحالت رکوع میں دینے میں کامیاب ہوئے ہیں اورآیہء کریمہ نے آغازہی میں امامت کوان سچے اماموں میں منحصرکردیاہے۔

۱۲۔کیاعلی(علیہم السلام)پیغمبراکرمﷺکے زمانہ میں بھی سرپرستی کے عہدہ پرفائزتھے؟اگرآیہء شریفہ علی(ع)کی امامت پر دلالت کرے گی تواس کالازمہ یہ ہوگاکہ علی(علیہ السلام)پیغمبراکرمﷺکی حیات کے دوران بھی ولی وسرپرست ہیں جبکہ ایسانہیں ہے۔

جواب:اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام بہت سے دلائل کے پیش نظر پیغمبراکرمﷺکی زندگی میں بھی ولی وسر پرست تھے۔لیکن یہ سر پرستی جانشینی کی صورت میں تھی۔یعنی جب بھی پیغمبراکرمﷺنہیں ہوتے تھے،علی علیہ السلام آنحضرت

---

[1] سورۂ توبہ،۳۹

ﷺ کے جانشین ہوا کرتے تھے۔ حدیث منزلت اس کا واضح ثبوت ہے اس طرح سے کہ وہ تمام منصب و عہدے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے تھے ،وہ سب حضرت علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر اکرم (ص) کی نسبت سے اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنے بھائی سے مخاطب ہوکر فرمایا: (إخلفني في قومي) ''میری قوم میں تم میرے جانشین ہو''۔یہ خلافت کوہ طور پر جانے کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ،جیساکہ محققین اہل سنت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے[1]۔س بناء پر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے جانشین تھے۔

دوسرے یہ کہ:فرض کریں کہ یہ ولایت کسی دلیل کی وجہ سے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے تو اس صورت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات تک کے بعد آیہء ولایت کا اطلاق مقید ہوگا اور اس دلیل کی بنا پر یہ ولایت پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے وقت سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہو جائے گی۔

۱۳۔کیا حضرت علی (علیہ السلام) کو آیہء ولایت کے پیش نظر چوتھا خلیفہ جانا جا سکتا ہے؟فرض کریں آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرتی ہے تو یہ بات حضرت علی (علیہ السلام) سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت کے منافی نہیں ہے،کیونکہ اجماع اور شوریٰ کی بنا پر پہلے ہم ان خلفاء کی خلافت کے قائل ہوں گے اور پھر ان خلافتوں کے بعد آیہء ولایت پر عمل کریں گے جو حضرت (ع) کی امامت بیان کرنے والی ہے۔

جواب:سب سے پہلے یہ کہ:مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اجماع اور شوریٰ کے ذریعہ استدلال و استناد اسی صورت میں صحیح ہے جب اجماع و شوریٰ کے اعتبار کے لئے معتبر دلیل موجود ہو۔اور اس سلسلہ میں اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جانے والا استدلال شیعہ امامیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ:جس شوریٰ اور اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے،وہ کبھی امت میں واقع نہیں ہوا ہے۔

[1] شرح مقاصد،تفتازانی ،ج۵،ص۲۷۶،منشورات الشریف الرضی

تیسرے یہ کہ:اجماع اورشوریٰ کی دلیل اسی صورت میں صحیح ہے کہ مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہواوراگر کسی مسئلہ کے بارے میں خدا کی طرف سے کوئی نص موجود ہے تواس مسئلہ میں نہ اجماع کسی کام کاہےاورنہ شوریٰ۔

چنانچہ خداوند متعال فرماتاہے:(وماکان لمؤمن ولامؤمنۃاذاقضی اللہ ورسولہ أمراًأن یکون لہم الخیرۃ من امرہم[1])"یعنی کسی مومن مردیا عورت کویہ اختیارنہیں ہے کہ جب خداورسولؐ کسی امر کےبارے میں فیصلہ کردیں تووہ بھی اس امر کے بارے میں اپنا اختیارجتائے"

۱۴۔کیاحضرت علی (علیہ السلام)نے کبھی آیہء ولایت کے ذریعہ احتجاج واستدلال کیا ہے؟اگرآیہء ولایت علی (علیہ السلام) کی ولایت پردلالت کرتی ہے توکیوں حضرت (ع)نے اپنی امامت کے لئے اس آیت سے استدلال نہیں کیا؟جبکہ آپ(ع)نے شوریٰ کے دن اوردوسرے مواقع پراپنے حریفوں کے سامنے اپنے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں۔

جواب:بعض بزرگ شیعہ وسنی محدثین نے ایسے مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت کے سلسلہ میں دلائل پیش کرتے ہوئے من جملہ آیہء ولایت کو بھی بیان کیا ہے۔ان میں سے ابراہیم بن محمدجوینی نے فرائدالسمطین[2] میں اور(شیعہ علماء میں سے)ابن بابویہ نے کمال الدین[3] میں نقل کیا ہے کہ:"حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کی خلافت کے دوران ایک دن مسجدالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مھاجر وانصار کی ایک جماعت کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنی شأن میںآیہء ولایت کے نزول کی طرف اشارہ فرمایا۔"ہم نے اس مفصل حدیث کوآیہء "اولی لامر" کی بحث کے آخرمیں ذکرکیاہے۔ کتاب"فرائدالسمطین"کے مصنف کی شخصیت کوپہچاننے کے لئے آیہء "اولی الامر"کی تفسیر کےآخری حصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

[1] سورۂ احزاب،۳۶

[2] فرائد اسمطین ،ج۱،ص۳۱۲،مؤسسہ المحمودی للطبا عۃ والنشر

[3] کمالالدین،۱ ،ص۲۷۴

پانچواں باب

آیہء صادقین کی روشنی میں امامت آیہء صادقین کی روشنی میں امامت:

(یاایھاالذین آمنوااتقوااللّٰہ وکونوامع الصادقین[1]) ''اے صاحبان ایمان!اللہ سے ڈرواور صادقین کے ساتھ ہوجاؤ''جس آیہء شریفہ کے بارے میں ہم بحث و تحقیق کرنا چاہتے ہیں،اس پر سر سری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک اخلاقی پہلوہے مذ کورہ آیت میں تقوی کا حکم دینے کے بعد مومنین سے یہ کہا جا رہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ہمیشہ سرسری نگاہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قرآن مجید کا ارشادہے:(فارجع البصرہل تریٰ من فطور.ثمّ ارجع البصرکرّتین[2]) ''پھر نظراٹھاکردیکھوکہیں کوئی شگاف تو نہیں ہے۔اس کے بعدباربارنگاہ ڈالو'' خاص کر قرآن مجید میں اس کے بلندمعارف تک رسائی اوراس کے مفاہیم کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے اس امر کی رعایت بہت ضروری ہے چنانچہ بعض مواقع پر خودقرآن نے تدبرکرنے کا حکم فرمایاہے۔ہمیشہ اور بار بار غوروخوض کی ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن مجید کے سلسلہ میں ابتدائی اور سرسری نگاہ ڈالنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی آیتوں پر تدبر اور غورو خوض کرنا چاہئے۔

اگرہم اس آیہ کریمہ کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے ایک عظیم اور اصلی معارف،یعنی امامت و رہبری کے مسئلہ،کو بہترین تعبیر میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے امامت سے مربوط آیات کی بحث و تحقیق میں یہ آیہ کریمہ بھی نمایاں اور قابل توجہ ہے۔اس آیہ شریفہ کے سلسلہ میں بحث و تحقیق چند محوروں پر مشتمل ہے:

۱۔آیت کے مفردات اور مفاہیم کی تحقیق۔

۲۔مذکورہ آیت کااس سے پہلے والی آیات سے ربط

---

[1] سورۂ توبہ،۱۱۹

[2] سورہ ملک،۳۔۴

۳۔اس آیت کا مسئلہ رہبری سے ربط اور اس کے قرائن کی چھان بین پڑتال۔

۴۔علماء و مفسرین کے بیانات

۵۔شیعہ،سنی احادیث وروایات آیت کے بارے مفردات میں بحث اس حصہ میں جن الفاظ کی تحقیق ضروری ہے وہ لفظ ''صدق''اور ''صادقین''ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے ہم ان کے لغوی معنی پر ایک نظر ڈالیں گے اور ان کے بعد اس کے قرآنی استعمالات پر بحث کریں گے۔

استعمالات لغوی اس سلسلہ میں ہم دو اہل لغت کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

ا۔ابن منظور نے ''لسان العرب[1]''میں لفظ ''صدق''کے مختلف استعمالات کویوں بیان کیاہے:الصدق:نقیض الکذب،سچ،جھوٹ کی ضدہے۔رجل صدق:نقیض رجل سوء۔اچھاانسان برے انسان کی ضدہے۔یعنی اچھائی اور برائی کی صفتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔وکذالک ثواب صدق وخمارصدق،اسطرح کہاجاتا ہے اچھا لباس اوراچھابرقعہ۔ویقال: رجل صدق،مضاف بکسرالصادومعناه نعم الرجل ھونیزاسی طرح حالت اضافت میں صاد کے کسرے کے ساتھ استعمال ہو تا ہے''رجل صدق''یعنی وہ ایک اچھا مردہے۔رجل صدق اللقاء وصدق النظر،خوش اخلاق مرداور خوش بین انسان۔والصّدق:بالفتح الصلب من الرماح وغیرہا، ورمح صدق:مستو،وکذالک سیف صدق:صاف اورسیدھا نیزہ ،اوراسی طرح سیدھی تلوارکو بھی صدق کہتے ہیں۔عن ابن درستویہ:قال إنّما لصدق الجامع للأوصاف المحمودة۔ابن درستویہ کا کہنا ہے کہ ''صدق''اس شخص کوکہاجاتاہے جس میں تمام پسندیدہ اوصاف موجودہوں۔قال الخلیل:الصدق:الکامل کلّ شیء۔خلیل نے کہاہے کہ ہرمکمل چیزکو''صدق''کہتے ہیں۔

[1] لسان العرب ،ج۱۰،ص۳۰۹۔۳۰۷

۲۔ ''مفردات قرآن[1]''میں راغب کا کہنا ہے:ویعبّر عن کل فعل فاضل ظاہراًوباطناًبا لصدق،فیضاف إلیہ ذٰلک الفعل الذی یوصف بہ نحو قولہ 'ہروہ کام جوظاہروباطن کے اعتبارسے اچھا اور پسندیدہ ہو اسے ''صدق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اوراس کے موصوف کی ''صدق''کی نسبت (اضافت) دی جاتی ہے۔استعما لات قرآ نی کے وقت ہم اس کے شاہدپیش کریں گے۔استعمالات قرآنی قرآن مجید میں ہمیں بہت سی ایسی آیات نظرآتی ہیں جن میں لفظ ''صدق''کوایسی چیزوں کی صفت قرار دیا گیاہے جوگفتگو وکلام کے مقولہ نہیں ہیں۔نمونہ کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظ ہوں:

''وبشّر الذّین آمنوا أن لہم قدم صدق عندربّہم[2])اس آیہء شریفہ میں' صدق''،''قدم''کی صفت واقع ہے۔(ولقدبوّأنا بنی اسرائیل مبوّأصدق[3])اس آیہء شریفہ میں ''صدق''کو''جگہ''کی صفت قرار دیا گیاہے۔(وقل رب أدخلنی مدخل صدق وأخرجنی مخرج صدق[4])اس آیہء شریفہ میں ''مدخل'' و ''مخرج'' یااسم مکان(داخل اورخارج کرنے کی جگہ)ہیںیامصدر(خودکوداخل رنایاخارج کرنا)ہیں۔بہرحال کسی طرح بھی مقولہ کلام سے نہیں ہے۔(فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر[5])اس آیہ شریفہ میں 'صدق''،''مقعد''(جگہ اوربیٹھنے)کی صفت ہے۔ (لیس البرّأن تولّواوجوہکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرّمن آمن باللّٰہ والیوم الآخروالملائکۃ والکتاب والنّبیّن وآتی المال علی حبّہ ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السّبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ وآتی الزکوٰۃوالموفون بعہدہم إذاعاہدواوالصابرین فی البأساء والضرّاء وحین البأس اولئک الذین صدقواوأولئک ہم المتقون[6])اس آیہء شریفہ میں خداوندمتعال نے پہلے نیکیوں کوعقائد کے شعبہ میں یعنی خدا،قیامت،فرشتوں،آسمانی کتابوں اورانبیاء پرایمان کے سلسلہ میں اس کے بعدعمل کے شعبہ میں یعنی اپنے رشتہ داروں،محتاجوں،ابن سبیل اورسائلوں کوانفاق کرنا،خداکی راہ میں بندوں کو زادکرنانیزایفائے عہدکرنا وغیرہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیاہے۔اس کے بعداخلاقی شعبہ میں یعنی مشکلات و پریشا نیوں میں

---

[1] مفردات فی القرآن،ص۲۷۷،دارالمعرفۃ،بیروت
[2] سورۂ یونس،۲
[3] سورۂ یونس،۹۳
[4] سورۂ اسراء،۸۰
[5] سورۂ قمر،۵۰
[6] سورۂ بقرہ،۱۷۷

صبر و تحمل استقامت و پائیداری کا مظاہرہ کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اور مذکورہ تینوں شعبوں میں نیکیاں کرنے والوں صدق تقویٰ کے ذریعہ تعریف کرتاہے۔لغت اورآیات کریمہ میں مذکورہ استعمالات کے پیش نظرواضح ہوجاتاہے کہ ''صدق''کاایک ایساوسیع مفہوم ہے کہ جس کا دائرہ صرف مقولہ،کلام،وعدہ وخبرتک محدود نہیں ہے،بلکہ یہ فکرواندیشہ عقائد و اخلاقیات نیزانسانی رفتار جیسے دیگر مواردپر بھی اطلاق کرتا ہے اوراس کااستعمال ان موارد میں حقیقی ہے۔

اس آیت کا گزشتہ آیات سے ربط :

اس آیت سے پہلی والی آیت (جیساکہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں آیا ہے)ان مومنین کے بارے میں ہے کہ جنھوں نے پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جنگ تبوک میں جانے سے انکار کیا تھا اوراس کے بعدنادم اورپشیمان ہوکرانھوں نے توبہ کرلی تھی،مسلمانوں نے پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان کے ساتھ اپنے رشتہ ناطے توڑ دئے تھے،یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے بات کرنا چھوڑدی تھی۔انہوں نے جب شہرسے باہرنکل کر بارگاہ الٰہی میں التماس والتجا کی اور خدا کی بار گاہ میں توبہ کی تو خدا وند متعال نے ان کی توبہ قبول کی اوروہ پھرسے اپنے لوگوں اوراپنے خانوادوں میں واپس لوٹے۔بعد والی آیت میں بھی خدا وند متعال فرماتا ہے''اہل مدینہ اوراس کے اطراف کے لوگوں کو نہیں چاہئیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اوران سے رو گردانی ریں۔اس کے بعد خدا کی راہ میں مشکلات و پریشانیاں،بھوک وپیاس کی سختیاں برداشت کرنے کی قدرواہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتاہے۔

اس آیہء شریفہ(زیر بحث آیت)میں مؤمنین کومخاطب کرکے انھیں تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا ہے،اورانھیں اس بات کا پیغام دیا گیا ہے کہ وہ ''صادقین''کے ساتھ ہوجائیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیہء شریفہ میں ''صادقین''سے مراد کون لوگ ہیں؟

اس آیت کا ائمہ معصومین(ع)کی امامت سے ربط ابتدائی نظر میں (جیساکہ ''صدق''کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا) ایسالگتاہے کہ جملہ(کونوامع الصادقین)سے مراد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔قابل غور بات اورجو چیز ضروری ہے وہ سچ

بولنااور جھوٹ بولنے سے پر ہیز کر نا ہے ۔ لیکن سچ بولنے والوں کے ساتھ ہونا یہ شر عی واجبات میں سے نہیں ہے،جبکہ سچوں کے اتھ ہونے کا یہ آیہ شریفہ میں حکم ہواہے اور یہ امر وجوبی ہے اور جملہ (کونوامع الصادقین)کا وقوع ''إ تقوااللہ '' کے سیاق میں ہے کہ جس میں تقوائے الٰہی کا حکم تھالہذا یہ بیشک وجوب کے لئے ہے اوراس سے وجوب کی مزید تاکید ہوتی ہے ۔

مفہوم صدق کی وسعت کے پیش نظر مقولہ کلا م و گفتگو تک محدودیت نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ فکرو عقائد،اخلاق وکردار نیزرفتار و عمل تک پھیلا ہواہے کہ جس میں صادقین سے ہونے کو آیہء کریمہ میں واجب قرار دیا گیاہے،ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد جسمانی معیت اور ہمراہی نہیں ہے،بلکہ ہمراہی ہراس چیز میں ہے جس میں صحت وسچائی پا ئی جاتی ہو اورآیہء کریمہ میں صادقین سے مرادوہ لوگ ہیں جوصدق مطلق کے مالک ہیں نہ مطلق صدق کے ۔او رصدق مطلق وہ ہے جو ہر جہت سے سچااور صحیح ہواور فکرو عقائد،گفتاروکرداراور اخلاقیات کے لحاظ سے کسی طرح کا انحراف نہ رکھتا ہو ۔اس طرح کا شخص معصوم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتاہے ۔اس طرح کے انسان کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کے افکار و عقائد، کرداروا خلاق کی پیروی کر نا ہے ۔چونکہ مسلمانوں کااس بات پراجماع ہے کہ چودہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی صاحب عصمت اور صدق مطلق کا مالک نہیں ے،اس لئے ''صادقین '' سے مراد پیغمبرا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے ۔ علماء و مفسرین کے

بیانات کی تحقیق :

اس سلسلہ میں ہم صرف دوبزرگ علماء کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:علامہء بہبانی کا قول :پہلا قول شیعہ امامیہ کی ایک عظیم شخصیت وبزرگ عالم دین،گراں قدرمفکر مرحوم علامہ محقق سید علی بہبانی کاہے ۔وہ اپنی عظیم کتاب ''مصباح الھدایہ''(کہ جوواقعاًامامت کے بارے میں ایک بے نظیر کتاب ہے)میں آیہء شریفہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں'':وقداستفاضت الروایات من طریقنا وطریق العامۃأن الصادقین ھم أہل بیت النبیّ المطھرون ۔''وقد ذکرفی غایۃالمرام عشر تجبارمن طریقنا وسبعۃأخبار

من طریق العامة[1]۔أقول:ویدل علی اختصاص الصادقین فی الآیتا لکریمه فی الأئمّة المعصومین الطیّبین من آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعدم إرادة مطلق الصادقین منه۔کما دلّت علیه الروایات المستفیضة من الطرفین:أنّه لوکان المراد بالصدق مطلق الصدقالشامل لکلّ مرتبة منه المطلوب من کلّ مؤمن،وبالصادقین المعنی العام الشامل لکلّ من اتّصف بالصدق فی أیّ مرتبة کان،لوجب أن یعبترمکان''مع'' کلمة''من''،ضرورتأنّه یجب علی کلّ مؤمن أن یتحرز عن الکذب ویکون مع الصادقین۔فالعدول عن کلمة ''من''إلی''مع''،یکشف عن أن المراد ''بالصدق''،مرتبهخص صتو''بالصادقین'' طائفة معینة۔ومن المعلوم أن ہذه المرتبة مرتبة کاملة،بحیث یتحقا لمتصفون بها أن یتبعهم سائر المؤمنین جمیعاً،وہذاالمرتبة الکاملة التی تکون بهذه المثابة لیست إلّا العصمة والطهارة التی لم یتطرّق معها کذب فی القول والفعل،إذفی الأمّة من طهره اللہ تعالی وأذهب عنه الرجس،اوهم أهل بیت النبیّ بنصّایة التطهیرواتّفاق جمیع المسلمین۔فلوأرید من الصّادقین غیر المعصومین لزم أن یکون المعصومون مأمورین بمتابعة غیر المعصومین المتطرّق فیهم الکذب و لو جهلاً أو سهواً و هو قبیح عقلاً، و تعیّن أن یکون لہ عنهم الرجس و طهّرهم تطهیراً، و إلیه یشیر قول مولانا الرضا (علیه السلام) ''هم الأئمّة الصدیقون بطاعتهم''[2]ویدلّ علی کونهم أئمّة کمانبّه علیه

مولانا الرضا (علیه السلام) فی ہذه الروایة أمره سبحانه وتعالی جمیع المؤمنین بعد أمرهم بالأتّقاء عن محارمه بأن یکونوا مع الصادقین، و لا یصدق لکون ولیس للإمامة معنی إلّاافتراض طاعة الإمام علی المأموم من قبله تعالی،بل لا تعبیرأقرب إلی معنی الإمامة من أمر المؤمنین بأن یکونوا معه،إذ حقیقة الإئتمام عبارة عن متابعة المأموم إمامه وعدم مفارقته عنه[3]۔شیعہ اور اہل سنّت سے مستفیض[4]روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ آیہء ریفہ میں صادقین سے مراد (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔مرحوم بحرانی نے اپنی کتاب ''غایۃ المرام'' میں یعہ طریقہ سے دس احادیث اور سنی طریقہ سے سات احادیث نقل کی ہیں۔آیہء کریمہ میں ''صادقین'' سے مراد (جیساکہ فریقین کی احادیثوں میںآیاہے)ائمہء معصومین علیہم السلام ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ''صدق'' (سچائی) کہ جو ''صادقین'' کے عنوان میں

---

[1] نهاية المرام ،ص۲۴۸

[2] فى المصدر:''والصديقون بطا عتهم ''فراجع
معهم إلا بأن يكونوا تحت طاعتهم ،متحرّزين عن مخا لفتهم .

[3] ''مصباح الهداية''ص۹۳-۹۲،مطبع سلمان فارسى قم

[4] سے دس تک کی احادیث پر''حدیث مستفیض''اطلاق ہوتا ہے

اخوذہے،اس سے مراد مطلق سچائی ہے کہ جوہر مرتبہ کو شامل ہےاور ''صادقین''کے زمرے میں ہروہ شخص شامل ہوکہ جو صفت دق کے کسی بھی مرتبہ سے متصف ہے تو آیہء کریمہ کی تعبیر ''کونوا من الصا دقین''ہونی چا ہئے تھی اورا سصورت میں اس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سچ بولنے والوں سے ہو اور جھوٹ سے پرہیز کرے۔

یہ جو ''مع الصادقین''تعبیرہے،یہ خوداس بات کی دلیل ہے کہ ''صدق''سے مراد ایک خاص مرتبہ و مقام ہےاور ''صادقین''سے مرادایک مخصوص اور ممتازگروہ (اورصادقین کے ساتھ ہونے کا معنی ان کی پیروی کرنا)ہے۔

صفت صد ق کا کا مل اور نہائی مرتبہ وہی عصمت وطہارت ہے جس کی وجہ سے گفتار وکردار میں سچائی مکمل طورپر محقق ہوتی ہے۔ اس مطلب کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ)اگر ''صادقین''سے مرادائمہ معصومین(ع)کے علاوہ کوئی اورہوں تواس فرض کی بنیادپرکہ آیہء تطہیرکی نص موجود ہےاورتمام مسلمانوں کا اہل بیت کے معصوم ہونے پر اتفاق ہے،اس کالازمہ یہ ہوتا کہ تمام انسان حتی کہ ائمہ معصو مین بھی غیر معصوم کی اطاعت وپیروی کریں اوریہ عقلاًقبیح ہے۔لہذا یہ مرتبہ(عصمت وطہارت)پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کہیں اورنہیں پایا جاسکتاہے۔دوسراثبوت یہ ہے کہ خدا وند متعال نے آیت کی ابتداء میں تمام مؤمنین کو تقویٰ اورگناہوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیاہےاوراس کے بعد انہیں ''صادقین''کے ساتھ ہونے کا فرمان جاری کیا ہے،اوران کے ساتھ ہونے کا طلب ان کی اطاعت کرنے اوران کی نافرمانی نہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہےاور امامت کے معنی بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں ہیں کہ مأموم پر امام کی اطاعت واجب ہے۔اگرہم امامت واطاعت کی صحیح تعبیر کرنا چاہیں توبہترین تعبیریہ ہے کہ امام کے ساتھ ہونا اوراس کی پیروی و اطا عت سے جدانہ ہوناہے۔

فخررازی کا قول دوسراقول اہل سنت کے مشہورومعروف علامہ فخررازی کاہے۔وہ آیہء شریفہ کی تفسیر میں کہتے ہیں '':و فی الآیۃ مسائل: المسألۃالأولی: أنّہ تعالی أمرالمؤمنین بالکون مع الصادقین !و متی وجب الکون مع الصادقین فلا بدّمن وجود الصادقین فی کلّ وقت،

و ذلک یمنع من إطباق الکلّ علی الباطل، و متی إمتنع إطباق الکلّ علی الباطل وجب إذا أطبقوا علی شیء أن یکونوا محقّین۔ فھذا یدل علی أن إجماع الأمّۃ حجۃ۔ فإن قیل: لم لا یجوز أن یقال: المراد بقولہ: (کونوا مع الصادقین) أی کونوا علی طریقۃ الصادقین، کما أن الرجل إذا قال لولدہ: ''کن مع الصالحین'' لا یفید إلاّ ذلک؟ سلّمنا ذلک، لکن نقول: إن ہذا الأمر کان موجوداً فی زمان الرسول فقط، فکان ہذا أمراً بالکون مع الرسول، فلا یدّل علی وجود صادق فی سائر الأزمنۃ۔

سلّمنا ذلک لکن لم لا یجوز أن یکون الصادق ہو المعصوم الذی یمتنع خلو زمان التکلیف عنہ کما تقولہ الشیعۃ؟ و الجواب عن الاول: أن قولہ: (کونوا مع الصادقین) أمر بموافقۃ الصادقین، و نہی عن مفارقتہم، و ذلک مشروط بوجود الصادقین وما لا یتمّ الواجب إلاّ بہ فھو واجب۔ فدلت ہذہ الآیۃ علی وجود الصادقین ۔ و قولہ: ''إنّہ عدول عن الظاہر من غیر دلیل۔ قولہ: ''ہذا الأمر مختص بزمان الرسول ﷺ أن التکالیف المذکورۃ فی القرآن متوجھۃ إلی المکلفین إلی قیام القیامۃ، فکان الأمر فی ہذا التکلیف کذلک۔

الثانی : أن الصیغۃ تتناول الأوقات کلّھا بدلیل صحۃ الاستثناء۔ الثالث: لمّا لم یکن الوقت المعین مذکوراً فی لفظ الآیۃ لم یکن حمل الآیۃ علی البعض أولی من حملہ علی الباقی۔ فإمّا أن لا یحمل علی شیء من الأوقات فیفضی إلی التعطیل و ہو باطل! أو علی الکلّ فھو المطلوب۔ و الرابع: و ہو أن قولہ: (یا أیّہا الذّین آمنوا اتّقوا اللّٰہ) أمر لہم بالتقوی و ہذا الأمر إنّما یتناول من یصحّ منہ أن لا یکون متّقیاً، و إنّما یکون کذلک لو کان جائز الخطأ ۔ فکانت الآیۃ دالّۃ علی أن من کان جائز الخطأ وجب کونہ مقتدیاً بمن کان واجب العصمۃ، و ہم الذّین حکم اللّٰہ تعالی بکونہم صادقین۔ فھذا یدّل علی أنّہ واجب علی جائز الخطأ کونہ مع المعصوم عن الخطأ حتی یکون المعصوم عن الخطأ مانعا لجائز الخطأ عن الخطأ! و ہذا المعنی قائم فی جمیع الأزمان، فوجب حصولہ فی کل الازمان۔

قولہ: ''لم لا یجوز أن یکون المراد ہو کون المؤمن مع المعصوم الموجود فی کلّ زمان''، قلنا: نحن نعترف بأنّہ لابدّ من معصوم فی کلّ زمان، إلا أنّا نقول: ذلک المعصوم ہو مجموع الأمّۃ و أنتم تقولون ذلک المعصوم واحد منہم۔ فنقول: ہذا الثانی باطل، لأنّہ تعالی أوجب علی کلّ واحد من

المؤمنین أن یکون مع الصادقین،وإنّما یمکنہ ذٰلک لو کان عالماً بان ذٰلک الصادق من ہو ،لاا لجاہل بأنہ من ہو۔ فلو کان مأموراً بالکون معہ کان ذلک تکلیف مالا یطاق، وأنّہ لا یجوز، لکنّا لا نعلم إنساناً معیّناً موصوفاً بوصف العصمۃ، و العلمبأنا لا نعلم ہذا الانسان حاصل بالضرورۃ، فثبت أن قولہ: (وکونوا مع الصادقین) لیس أمراً بالکون مع شخص معین۔ و لمّا بطل ہذا بقی أن المراد منہ الکون مع مجموع الأمّۃ، وذٰلک یدل علی أن قول مجموع الأمّۃ حقّ و صواب، و لا معنی لقولنا، ''الإجماع حجۃ'' إلّا ذٰلک[1]'' :خداوند متعال نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہو نے کا حکم دیا ہے۔ اس مطلب کا لازمہ یہ ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجودہو اور یہ اس بات کے لئے مانع ہے کہ پوری امت کسی باطل امر پر اتفاق کرے ۔اس لئے اگر پوری امت کسی چیز پر اتفاق کرتی ہے تو ان کا یہ اتفاق صحیح و بر حق ہو گا اوریہ اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اگر کہا جائے:صادقین کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ کیوں نہیں ہے کہ صادقین کے طریقہ کار کی پیروی کرے ،چنانچہ اگر ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے: ''صالحین کے ساتھ ہو جاؤ'' یعنی صالحین کی روش پر چلو (اور یہ امر اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجود ہو (جواب یہ ہے کہ:یہ خلاف ظاہر ہے،کیونکہ (وکونوا مع الصادقین)یہ ہے کہ پہلے ان صادقین کا وجود ہو جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید اگر یہ کہا جائے کہ:یہ جملہ صرف رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں موضوعیت رکھتا تھا،کیونکہ اس زمانہ میں صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات صادق کے عنوان سے موجود تھی اور یہ اس بات پردلالت نہیں کرتاہے کہ ہرزمانہ میں صادقین موجود ہوں۔ ۲۲۰،دار احیاء التراث العربی بیروتاس کا جواب یہ ہے کہ:یہ خطاب قرآن مجید کے دوسرے خطابوں کے مانند قیامت تک کے لئے تمام مکلفین سے متعلق و مربوط ہے اوراس میں ہر زمانہ کے مکلفین سے مخطاب ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ استثناء صحیح ہے(اوراستثناء کے صحیح ہونے کی دلیل ہمیشہ مستثنیٰ منہ میں عمومیت کا پایا جاتا ہے)۔

[1] التفسیر الکبیر ،فخررازی ،ص۲۲۱۔

اس کے علاوہ خدا وند متعال نے پہلے مرحلہ میں مؤمنین کو تقوی کا حکم دیا ہے،اور یہ انھیں تمام افراد کے لئے تقوی کا حکم ہے کہ جن کے لئے امکان ہے کہ متقی نہ ہوں اوراس خطاب کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو جائزا لخطاء ہیں۔لہذاآیہء شریفہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جائزا لخطاء افراد کو ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جو خطا سے معصوم ہوں تاکہ وہ معصوم لوگ انھیں خطا سے بچا سکیں۔اور اس طرح کا امکان ہرزمانہ میں ہے۔اس لئے آیہء شریفہ تمام زمانوں سے متعلق ہے اور صرف پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔یہاں تک فخررازی کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صادقین سے مراد خطا سے معصوم افراد ہیں اور یہ افراد ہر زمانہ میں موجود ہیں اوریہ مطلب صحیح اور نا قابل اشکال ہے۔ لیکن فخررازی کا کہنا ہے'': معصوم ''صادقین'' امت کے مجموعی افراد ہیں اور یہ امت کے خاص اور مشخص افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہر ایک پر لازم ہے کہ ان معین مشخص افراد کو پہچانے ان کی معرفت حاصل کرے تا کہ ان کے ساتھ ہو جائے جبکہ یہ معرفت اورآگاہی ممکن نہیں ہے اور ہم ایسے خاص افراد کو نہیں پہچانتے ہیں کہ جو خطا و غلطی سے پاک اور معصوم ہوں۔

لہذااس بات کے پیش نظر معصوم صادقین سے مراد مجموعہ امت ہے کہ جس کا نتیجہ اجماع کی حجیّت ہے۔ ''فخررازی کے قول کا جوابفخررازی کے بیان میں دونمایاں نکتے ہیں:

پہلانکتہ:یہ ہے کہ معصوم صادقین سے مراد مشخص و معیّن افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں علم وآگاہی نہیں ہے۔اس قول کا صحیح نہ ہونا واضح و روشن ہے،کیونکہ شیعہ اماموں کی عصمت کی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا ہرایک کے لئے ممکن ہے،جن احادیث میں ان معصوم اماموں کا صراحتاًنام لیا گیا ہے،وہ تواتر کی مقدار سے زیادہ ہیں نیزیہ حدیثیں بعض سنی منابع اور بے شار شیعہ منابع میں ذکر ہوئی ہیں۔دوسرا نکتہ:یہ کہ'' معصوم صادقین سے مراد تمام امت ہے''اس پر بہت سارے اعتراضات ہیں ذیل کے عبارت میں ملاحظہ ہو:ا۔چودہ معصومین(ع)کی عصمت کے علاوہ کسی اور کی عصمت کا قول تمام مسلمانوں کے قطعی اجماع کے خلاف ہے

۲۔آیہ شریفہ میں صادقین کے عنوان (جو ایک عام عنوان ہے)سے جو چیز ظاہر ہے وہ اس کا استغراقی اور شمولی ہونا ہے نہ کہ مجموعی ہونا اور فخررازی کے کلام سے جو بات ظاہر اور واضح ہے کہ عصمت مجموعہ امت کی صورت میں ہے نہ جمیع امت کی صورت میں اور ''مجموعہ''ایک اعتباری عنوان ہے جو وحدت افراد کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے۔

عنوان عام میں صل ''استغراقی ہونا''ہے،کیونکہ عام مجموعی مجازہے اور اسے قرینہ کی ضرورت ہے جبکہ اصالتا حقیقۃ کا تقاضا یہ ہے کہ عام،جس کا حقیقی عنوان استغراقی ہونا ہے اس پر حمل ہو۔

۳۔عصمت ایک حقیقی عنوان ہے اوراسے ایک حقیقی موضوع کی ضرورت ہے،اور عام مجموعی ایک اعتباری موضوع ہے اور حقیقی موجود کا اعتباری موضوع پر قائم ہونا محال ہے۔

۴۔فخررازی کا قول ''یاایھاالذین آمنوا''اور صادقینکے درمیان ایک دوسرے مقابل ہونے کا جو قرینہ پایا جاتا ہے اس کے خلاف

ہے اور ان دو عناوین کے درمیان مقابلہ کا تقاضا ہے کہ وہ مومنین کہ جن کو خطاب کیا جا رہا ہے وہ دوسرے ہوں اور وہ صادقین جوان کے مقابل میں قرار دیئے گئے ہیں اور جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دوسرے ہوں۔

۵۔صادقین سے مراد مجموعہ امت (عام مجموعی) ہونا خود فخررازی کے بیان سے متناقص ہے،کیونکہ اس نے اس مطلب کی توجیہ میں کہ صادقین کا اطلاق فقط پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں منحصر نہیں ہے،کہاہے''آیہء شریفہ اس پہلو کو بیان کرنے والی ہے کہ ہرزمانے میں ایسے مؤمنین کا وجود رہا ہے کہ جو جائزا لخطا ہوں اور ایسے صادقین بھی پائے جاتے رہے ہیں کہ جوخطا سے محفوظ اور معصوم ہوں اور ان مؤمنین کو چاہئیے کہ ہمیشہ ان صادقین کے ساتھ ہوں۔''لہذا فخر رازی نے ان مؤمنین کو کہ جن کوخطاب کیا گیا ے جائز الخطا اور صادقین کو خطا سے معصوم فرض کیا ہے۔اس آیت کے بارے میں شیعہ اور سنّی احادیثحاکم حسکانی[1] نے

[1] اہل سنت کے بڑے مشہور معروف عالم دین، ذہبی نے حسکانی کے بارے میں کہاہے:''شیخ متقن ذوعنایۃ تامۃ بعلم الحدیث،وکان معمّراً عالی الاسناد۔تذکرۃ الحفاظ،ج۳،ص۱۲۰۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

تفسیر ''شواہد التنزیل[1] ''میں چند ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں،جن سے ثابت ہو تا ہے کہ آیہ شریفہ میں ''صادقین'' سے مراد اور حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اھل بیت (ع) ہیں۔یہاں پر ہم ان احادیث میں سے صرف یعنی:متقن اور محکم اسناد میں علم حدیث کے بارے میں خاص اہمیت و توجہ کے کامل رکھتے ہیں۔انہوں نے ایک طولانی عمر گذاری ہے اور (حدیث میں)عالی اسناد کے مالک تھے ۔ ''حدثنا یعقوب بن سفیان البسوی قال:حدثنا ابن قعنب،عن مالک بن أنس،عن نافع،عن عبداللہ بن عمرفی قولہ تعالی:(اتقوااللہ)قال:أمراللہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أجمعھم أن یخافوا للہ،ثمّ قال لھم :(کونوامع الصادقین)یعنی محمداً واہل بیتہ ۔[2]''یعقوب بن سفیان بسوی نے ابن قعنب سے،اس نے مالک بن انس سے،اس نے نافع سے اس نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ خداوند متعال کے اس قول: ''اتقوااللہ ''کے بارے میں کہا:خداوند متعال نے پیغمبر اکرم کے تمام اصحاب کو حکم دیاکہ خدا سے ڈریں۔

اس کے بعدان سے کہا ':'صادقین ''یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہوجائیں۔ ''اسی حدیث کوشیعوں کے عظیم محدث اوربزرگ عالم دین ابن شہر آشوب[3] نے تفسیر یعقوب بن سفیان سے،مالک بن انس سے،نافع بن عمر سے روایت کی ہے۔شیعوں کے ایک بہت بڑے محدث کلینی نے اس سلسلہ میں اصول کافی میںیوں روایت کی ہے'':عن ابن أذینۃ،عن برید بن معاویۃالعجلی قال: أباجعفر۔علیہ السلام۔عن قول اللہ عزّوجلّ:(اتقوااللہ وکونوامع الصادقین)قال: إیاّ نا عنی[4]''۔مکتبۃالصدق ''ابن اذینہ نے برید بن معاویہ عجلی سے روایت کی ہے انھوں نے کہا:میں نےخداوند متعال کے قول (اتقوااللہ وکونوامع الصادقین)کے بارے میں امام باقر (علیہ السلام)سے سوال کیا،حضرت (ع)نے رمایا:خداوند متعال نے اس سے

---

[1] شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۱

ایک کی جا نب اشارہ کرتے ہیں:

[2] شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۵،ح۳۵۷

[3] ذہبی نے تاریخ اسلام میں۵۸۱ ھ سے ۵۹۰ ھ کے حوادث کے بارے میں بعض بزرگ علماء (ابن ابی طی)کی زبانی اس کی تمجیدکی ہے اور اسے اپنے زمانہ کے امام اورمختلف علوم میں بے مثال شمار کیا ہے اورعلم حدیث میں اسے خطیب بغدادی کے ہم پلہ اورعلم رجال مینیحیی بن معین کے مانند قراردیاہے اور اس کی سچائی وسیع معلو مات نیز،کثرت خشوع وعبادت اورتہجدکا پابند ہو نے سے متصف کیاہے۔مناقب،ابن شہرآشوب،ج۳،ص۱۱۱،ذوی القربیٰ

[4] اصول کافی ،ج۱،ص۲۰۸،

صرف ہمارے (اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کے) بارے میں قصد کیا ہے۔ ''اہل سنّت کے ایک بہت بڑے محدث جوینی نے ایک روایت میںیوں نقل کیا ہے '': ثمّ قال علیّ (علیہ السلام): أنشدکم اللہ أتعلمون أن اللہ أنزل (یاأیّھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین) فقال سلمان: یارسول اللہ، عامّۃ ھذا أم خاصّۃ؟ فقال: أمّا المؤمنون فعامّۃ المؤمنین أمروا بذلک، وأمّا الصادقون فخاصّۃ لأخی علیّ وأوصیائی من بعد إلی یوم القیامۃ قالوا: اللّھمّ نعم ''اس کے بعد علی (علیہ السلام) نے فرمایا: تمھیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو، جب یہ آیہء (یا یّھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین) نازل ہوئی، توسلمان نے آنحضرت سے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ آیت اس قدر عمومیت رکھتی ہے تمام مؤمنین اس میں شامل ہو جا ئیںیا اس سے کچھ خاص افراد مراد ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنھیںیہ حکم دیا گیا ہے اس سے مراد عام مؤمنین ہیں، لیکن صادقین سے مراد میرے بھائی علی (علیہ السلام) اور اس کے بعد قیامت تک آنے والے یرے دوسرے اوصیاء ہیں؟ انھوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے، جی ہاں۔ ''البتہ اہل سنت کی حدیث و تفسیر کی بعض کتا بوں میں چند دوسری ایسی روایتیں بھی نقل مصباح الہدایۃ، ص۹۱ طبع سلمان الفارسی۔

قابل ذکر ہے کہ مؤخر الذکر مدرک میں بجائے ''أنشدکم اللہ'' ''اسا لکم باللہ'' آیا ہے۔ ہوئی ہیں، جن میں ''صادقین'' سے مراد کے بارے میں ابوبکر وعمر یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے اصحاب کو لیا گیا ہے۔ البتہ یہ روایتیں سند کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں: ۱۔ ابن عساکر نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ: (یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین) قال: مع ابی بکر وعمر اصحابھا[2] آیہء شریفہ میں ''صادقین'' سے ابوبکر، عمر اوران کے اصحاب کا قصد کیا گیا ہے ۲۔ طبری نے سعید بن جبیر سے ایک اورروایت نقل کی ہے کہ ''صادقین'' سے مراد ابوبکر وعمر ہیں[3]۔ ان احادیث کا جواب: پہلی حدیث کی سند میں جویبر بن سعید ازدی ہے کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب[4] میں علم رجال کے بہت سارے علما، جیسے ابن معین، ابن داؤد، ابن

[1] فرائدالسبطین ،ج۱،ص،۳۱۷،مؤسسہ المحمودی للطبا عۃ والنشر ،بیروت،کماالدین ،ص۲۶۴بحار الا نور ،ج۳۳ص۱۴۹۔
[2] تاریخ مدینۃدمشق،ج۳۰،ص۳۱۰دار الفکر
[3] جامع البیان،ج ۱۱ ،ص۴۶
[4] تہذیب التہذیب،ج۲ص۱۰۶دار الفکر۔

عدی اورنسائی کے قول سے اسے ضعیف بتا یاہے،اور طبری[1]نے اسی روایت کوضحاک سے نقل کیاہے کہ اس کی سند میں بھی جویبرہے۔دوسری روایت کی سند میں اسحاق بن بشر کاہلی ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں[2]ابن ابی شیبہ،موسی بن ہارون،ابوذرعہ اوردار قطنی کی روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث روایت سے اسے جھوٹااورحدیث جعل کرنے والابتایاہے۔دوسرے یہ کہ:اس کے بعدکہ ہم نے خود آیہء شریفہ اوراس کے شواہد سے جان لیاکہ آیت میں ''صادقین'' سے مرادوہ معصوم ہیں جن کے ساتھ ہونے کا ہمیں حکم دیا گیاہے،اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ جو بھی مسلمانوں کے اتفاق نظر سے معصوم نہ ہووہ اس آیت(صادقین کے دائرے)سے خارج ہے۔

[1] جامع البیان،ج۱۱،ص۴۶
[2] میزان الاعتدال،ج۱،ص۱۸۶،دارالفکر

چھٹا باب

امامت آیہء تطہیر کی روشنی میں :

اما مت آیہء تطہیر کی روشنی میں (إنما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت ویطھرکم تطھرا[1]) ''بس اللہ کاارادہ یہ ہے اے اہل بیت!تم سے ہر قسم کی برائی کودور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ ''ایک اورآیت جوشیعوں کے ائمہء معصومین(ع)کی عصمت پر دلالت کرتی ہے وہ آیہء تطہیر ہے۔یہ آیہء کریمہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے اہل بیت علیہم السلام یعنی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہااورشیعہ امامیہ کے بارہ معصوم اماموں کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔آیہء کریمہ کی دلالت کو بیان کرنے کے لئے اس کے چند پہلوقابل بحث ہیں:۱۔آیہء کریمہ میں لفظ ''إنما ''فقط اورانحصار پر دلالت کرتاہے۔

۲۔آیہء کریمہ میں ارادہ سے مرادارادہ،تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔

۳۔آیہء کریمہ میں''اہل بیت''سے مرادصرف حضرت علی،فاطمہ،وحسن وحسین (علیہم السلام)اوران کے علاوہ شیعوں کے وسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اورپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اس سے خارج ہیں۔

۴۔آیہء کریمہ کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات''إنما''حصر کا فائدہ دیتا ہے،جیساکہ ہم نے آیہء ولایت کی تفسیرمیں اشارہ کیاکہ علمائے لغت وادبیات نے صراحتاًبیان کیاہے لفظ''إنما''حصرپر دلالت کرتاہے۔لہذااس سلسلہ میں جوکچھ ہم نے وہاں بیان کیااس کی طرف رجوع کیاجائے۔اس سلسلہ میں فخررازی کے اعتراض کاجواب بھی آیہء ولایت کے اعتراضات کے جوابات میں دے دیاگیاہے۔

---

[1] سورۂ احزاب،۳۳

آیہء تطہیر میں ارادے سے مرادارادہ تکوینی ہے نہ تشریعیآیہء شریفہ کے بارے میں بحث کادوسراپہلویہ ہے کہ:آیہء شریفہ میں جوارادہ ذکر کیاگیاہے،اس سے مرادارادہ تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔خداوندمتعال کے ارادے دوقسم کے ہیں:ا۔ارادہ تکوینی:اس ارادہ میں ارادہ کامتعلق اس کے ساتھ ہی واقع ہوتاہے،جیسے،خداوندمتعال نے ارادہ کیاکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام پرآگ ٹھنڈی اورسالم (بے ضرر)ہو جائے توایساہی ہوا۔

۲۔ارادہ تشریعی:یہ ارادہ انسانوں کی تکالیف سے متعلق ہے۔واضح رہے کہ اس قسم کے ارادہ میں ارادہ اپنے مراداور مقصود کے لئے لازم وملزوم نہیں ہے۔خداوندمتعال نے چاہاہے کہ تمام انسان نماز پڑھیں،لیکن بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔تشریعی ارادہ میں مقصود اور مراد کی خلاف ورزی ممکن ہے،اس کے برعکس تکوینی ارادہ میں ارادے کی اپنے مراد اور مقصود سے خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی اور اس کے معنی یہ ہے کہ:خداوند متعال نے ارادہ کیاہے کہ اہل بیت (علیہم اسلام)کوہر قسم کی ناپاکی من جملہ گناہ و معصیت سے محفوظ رکھے اورانھیں پاک و پاکیزہ قراردے۔ خداوندمتعال کے اس ارادہ کے ساتھ ہی اہل بیت اطہارسے ناپاکیاں دور نیز معنوی طہارت اور پاکیزہ گی محقق ہوگئی،خداوندمتعال نے یہ ارادہ نہیں کیاہے کہ وہ خود اپنے آپ کو گناہ کی پلیدی اور ناپاکی سے محفوظ رکھیں اورخداوندمتعال کے حکم اور فرائض پر عمل کرکے اپنے آپ کوپاک وپاکیزہ بنائیں۔آیہ تطہیر میں ارادہ کے تکوینی ہونے کے دلائل:

ا۔ارادہ تشریعی فریضہ شرعی کے مانند،دوسروں کے امورسے متعلق ہوتا ہے، جبکہ آیہ شریفہ میں ارادہ کا تعلق ناپاکی اور پلیدی کودورکرنے سے ہے جو ایک الہی فعل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیہ شریفہ میں ارا دے سے مرادارادہ،تشریعی نہیں ہے۔

۲۔ انسانوں کوپلیدی اور ناپاکیوں سے دور رہنے اورپاک وپاکیزہ ہونے کے بارے میں خداوند متعال کا تشریعی ارادہ پیغمبر اکر ﷺ کے اہل بیت (ع) سے مخصوص نہیں ہے،بلکہ خدا وند متعال کا یہ ارادہ ہے کہ تمام انسان ناپاکیوں سے محفوظ رہیں ورطہارت وپاکیزگی کے مالک بن جائیں۔جبکہ آیہ تطہیرسے استفادہ ہوتاہے کہ یہ ارادہ صرف پیغمبراکرم ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے اور یہ اس کلمہ حصرکی وجہ سے ہے کہ جو آیہ شریفہ کی شروع میں آیا ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو جا تا ہے کہ ارادہ امتعلق(جوناپاکیوں سے دوری اورخداکی جانب سے خاص طہارت ہے)خارج میں متحقق ہے۔

۳۔آیہ شریفہ شیعوں اورسنیوں کے تفسیرواحادیث کی کتابوں میں مذکوربے شمار احادیث اورروایتوں کے مطابق اہل بیت پیغمبر ﷺ کی فضیلت وستائش کی ضامن ہے۔ اگرآیہ شریفہ میں ارادہ الٰہی سے مراد،ارادہ تشریعی ہوتاتویہ آیت فضیلت وستائش کی حامل نہیں ہوتی۔اس بناپر،جوکچھ ہمیں اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوتاہے،وہ اہل بیت پیغمبر ﷺ سے مخصوص طہارت و پاکیزگی اوران کاپلیدی اورناپاکیوں سے دور ہوناارادہ الٰہی کے تحقق کے ذریعہ ہے۔

اوریہ ان منتخب انسانوں کے بارے میں خداکی جانب سے عصمت ہے۔ اس ارادہ الٰہی کے تکوینی ہونے کا ایک اورثبوت وہ احادیث ہیں جو خاص طور سے خدا وند متعال کی طرف سے اہل یت علیہم السلام کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

ہم یہاں پر ان احادیث میں سے دوحدیثوں کونمونہ کے طورپرذکرکرتے ہیں "؛اخرج الحکیم الترمذی والطبرانی وابن مردویہ وابونعیم والبیہقی معاً فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ﷺ۔ ان اللہ سمّ الخلاق قسمین فجعلنی فی خیرہما قسماً،فذلک قولہ(واصحاب الیمین..[1])(واصحاب الشمال۔[2]) فأنا من أصحاب الیمین وأنا خیرأصحاب لیمین ثمّ جعل القسمین أثلاثاً،فجعلنی فی خیرہا ثلثاً،فذلک قولہ :(وأصحاب المیمنۃ ماأصحاب المیمنۃوأصحاب المشئمۃ ماأصحاب المشئمۃالسابقون[3]۔)فأنا من السابقین وأنا خیرالسابقین، ثمّ

---

[1] سورۂ واقعہ،۲۷
[2] سورۂ واقعہ،۴۱
[3] سورۂ واقعہ،۸۔۱۰

جعل الأثلاث قبائل،فجعلنی فی خیرہا قبیلۃ،وذلک قولہ:(وجعلنا کم شعوباًوقبائل لتعارفواإن أکرمکم عنداللہ أتقاکم[1]) وأناأتقی ولدآدم وأکرمہم عنداللہ تعالی ولافخر،ثمّ جعل القبائل بیوتاًوجعلنی فی خیرہا بیتاً،فذلک قولہ:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہّرکم تطہیراً[2]) ۔فأناوأہل بیتی مطہّرون من الذنوب[3]۔ ''''حکیم ترمذی،طبرانی،ابن مردویہ،ابو نعیم اور بیہقی نے کتاب ''الدلائل'' میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:خداوند متعال نے اپنی مخلوقات کودو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھ کوان میں سے برترقراردیاہے اورخداوندمتعال کاقول یہ ہے:(و اصحاب الیمین)(واصحاب الشمال)اور میں اصحاب یمین میں سے سب سے افضل ہوں۔

اس کے بعدمذکورہ دوقسموں(اصحاب یمین وراصحاب شمال)کوپھرسے تین حصوں میں تقسیم کیااور مجھ کوان میں افضل ترین لوگوں میں قرار دیا اور یہ ہے خدا وند کریم کا قول:(وأصحاب المیمنۃ ماأصحاب المیمنۃ وأصحاب المشئمۃ ماأصحاب المشئمۃوالسابقون السابقون)اورمیں سابقین اور افضل ترین لوگوں میں سے ہوں۔اس کے بعدان تینوں گروہوں کوکئی قبیلوں میں تقسیم کردیا،چنانچہ فرمایا: (وجعلنٰکم شعوباًوقبائل لتعارفواإن اکرمکم عنداللہ أتقاکم)''اورپھرتم کو خاندان اور قبائل میں بانٹ دیاتاکہ آپس میں ایک دوسرے کوپہچان سکوبیشک تم میں سے خداکے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جوزیادہ پرہیزگارہے'' اورمیں فرزندان آدم میں پرہیزگار ترین اور خداکے نزدیک محترم ترین بندہ ہوں اورفخرنہیں کرتاہوں۔''اس کے بعدقبیلوں کوگھرانوں میں تقسیم کر دیااورمیرے گھرانے کوبہترین گھرانہ قرار دیااورفرمایا(انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہّرکم تطہیراً)''بس اللہ کاارادہ یہ ہے اے اہل بیت!تم سے ہر طرح کی آلودگی وبرائی کودوررکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے.''پس مجھے اورمیرے اہل بیتؑ کو(برائیوں)گناہوں سے پاک قراردیاگیاہے۔''

[1] سورۂ حجرات،۱۳
[2] سورۂاحزاب،۳۳
[3] الدرالمنثور، ج ۵، ص ۳۷۸، دارالکتاب، العلمیہ، بیروت، فتح، القدیر، شوکافی، ج ۴، ص ۳۵۰ دارالکتاب العلمیہ، بیروت۔المعروفہ و التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۸

۲۔ ''... حدثني الحسن بن زيد، عن عمر بن علي، عن أبيه عليّ بن الحسين قال خطب الحسن بن علي الناس حين قتل عليّ فحمد الله و أثنى عليه ثمّ قال: لقد قبض في هذه الليلة رجل لايسبقه الأوّلون بعمل و لايدركه الآخرون، و قد كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يعطيه راية فيقاتل وجبرئيل عن يمينه وميكائيل عن يساره حتى يفتح الله عليه، وما ترک على أهل الأرض صفراء ولابيضاء إلاّ سبع ماءة درهم فضلت عن عطاياه أراد أن يبتاع بها خادماً لأهله. ثمّ قال: أيها الناس! من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فأنا الحسن بن علي وأنا ابن النبيّ وأنا ابن الوصيّ وأنا ابن البشير، وأنا ابن النذير، وأنا ابن الداعي إلى الله باذنه، وأنا ابن السراج المنير، و أنا من أهل البيت الذى كان جبرئيل ينزل إلينا ويصعد من عندنا، و أنا من أهل البيت الذى كان جبرئيل ينزل إلينا و يصعد من عندنا، وأنا من أهل البيت الذى أذهب الله عنهم الرجس وطهّرهم تطهيراً و أنا من أهل البيت الذى افترض الله مودّتهم على كلّ مسلم، فقال تبارک و تعالى لنبيه: (قل لاأسئلكم عليه أجراً إلاّالمودّة فى القربى و من يقترف حسنة نزدله فيها حسناً[1]) فاقتراف الحسنة مودّتنا أهل البيت.[2] عمر بن علی نے اپنے باپ علی بن حسین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: حسن بن علی (علیہ السلام) نے (اپنے والد گرامی) حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں کے درمیان ایک خطبہ دیا جس میں۔ حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا: آج کی شب ایک ایسا شخص اس دنیا سے رحلت کر گیا کہ گزشتہ انسانوں میں سے کسی نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی اس کے مراتب و مدارج تک پہونچنے والا ہے۔

پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم اسلامی جنگوں میں ان کے ہاتھ پرچم اسلام تھا کر انہیں جنگ کے لئے روانہ کرتے تھے، جبکہ اس طرح سے کہ جبرئیل (امور تشریعی میں فیض الٰہی کے وسیلہ) ان کی دائیں جانب اور میکائیل (امور ارزاق میں فیض الٰہی کے ذریعہ) ان کی بائیں جانب ہوا کرتے تھے۔ او روہ جنگ سے فتح کامرانی کے حاصل ہونے تک واپس نہیں لوٹتے تھے۔ انھوں نے اپنے بعد زر وجواہرات میں سے صرف سات سودرہم بہ طور ''ترکہ'' چھوڑے جو صدقہ و خیرات کے بعد باقی بچ گئے تھے اور وہ اس سے اپنے اہل بیت کے لئے ایک خادم خریدنا چاہئے تھے۔

[1] سورہ شوریٰ۲۳
[2] مستدرک الصحیحین، ج۳،ص۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت...''

اس کے بعد فرمایا :اے لوگو!جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہنچاتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں حسن بن علی (ع) ہوں، میں پیغمبرؐ کا فرزند ہوں، ان کے جانشین کا فرزند، بشیر (بشارت دینے والے)ونذیر (ڈرانے والے)کا فرزند ہوں،جوخدا کے حکم سے لوگوں کوخدا کی طرف دعوت دیتا تھا،میں شمع فروزان الٰہی کا بیٹا ہوں، اس خاندان کی فرد ہوں کہ جہاں ملائکہ نزول اور جبرئیل رفت وآمد کر تے تھے۔میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ خدائے متعال نے ان سے برائی کودور کیاہے اورانھیں خاص طور سے پاک وپاکیزہ بنایاہے۔

میں ان اہل بیت میں سے ہوں کہ خداوند متعال نے ان کی دوستی کوہر مسلمان پرواجب قراردیاہے اورخدا وند متعال نے اپنے پیغمبرؐسے فرمایا: ''اے پیغمبر!کہد یجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کے بدلے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں سواء اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرواور جو شخص بھی کوئی نیکی دے گا ہم اس کی نیکیوں کی جزامیں اضافہ کردیں گے ''لہذانیک عمل کا کام انجام دینا ہی ہم اہل بیت(ع)کی دوستی ہے۔''ان دواحادیث سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خدا کی مخصوص طہارت کے خارج میں متحقق ہونے سے مراد ان کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔اور یہ بیان واضح طور پر اس بات کوثابت کرتا ہے کہ آیہء شریفہ میں ارادہ سے مراد ارادہ،تکوینی ہے۔

آیہء تطہیر میں اہل بیت علیہم السلاماس آیہء شریفہ کی بحث کاتیسرا پہلویہ ہے کہ آیہء کریمہ میں ''اہل البیت''سے مراد ''کون ہیں؟اس بحث میں دوزاویوں سے توجہ مبذول کرنا ضروری ہے:۱۔اہل بیت کا مفہوم کیاہے؟ ۲۔اہل بیت کے مصادیق کون ہیں؟ اگرلفظ ''اہل''کا استعمال تنہاہوتویہ مستحق اورشائستہ ہونے کا معنی دیتاہے اوراگراس لفظ کی کسی چیز کی طرف اضافت ونسبت دی جائے تواس اضافت کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے۔مثلاً ''اہل علم''،اس سے مرادوہ لوگ ہیں جن میں علم ومعرفت موجودہے اور ''اہل شہروقریہ''سے مرادوہ لوگ ہیں جواس شہریاقریہ میں زندگی بسر کرتے ہیں،اہل خانہ سے مراد وہ لوگ ہیں جواس گھر میں سکونت پذیر ہیں، مختصریہ کہ: ''اہل''کامفہوم اضافت کی صورت میں مزید اس شی کی خصوصیت پردلالت کرتاہے کہ جس کی طرف

اس کی نسبت دی گئی ہے۔لفظ ''بیت''میں ایک احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد مسکن اور گھرہواور دوسرااحتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد حسب ونَسب ہوکہ اس صورت میں ''اہل بیت''کامعنی خاندان کے ہوں گے۔ایک اوراحتمال یہ ہے کہ ''اہل بیت''میں ''بیت''سے مراد،خانہ نبوت ہواور یہاں پر قابل مقبول احتمال یہیموخرالذکراحتمال ہے،اس کی وضاحت انشاء اللہ آیندہ چل کر آئے گی۔

ان صفات کے پیش نظر''اہل بیت''سے مرادوہ افراد ہیں جواس گھرکے محرم اسرار ہوں اورجوکچھ نبی صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کے گھرمیں واقع ہوتاہے اس سے واقف ہوں۔اب جبکہ''اہل بیت''کامفہوم واضح اور معلوم ہوگیا توہم دیکھتے ہیں کہ خارج میں اس کے مصادیق کون لوگ ہیں اور یہ عنوان کن افرادپر صادق آتاہے؟اس سلسلہ میں تین قول پائے جاتے ہیں:۱۔''اہل بیت''سے مرادصرف پیغمبراکرم صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کی بیویاں ہیں[1]۔

۲۔''اہل بیت''سے مراد خودپیغمبرؐ،علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام)نیزپیغمبر صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کی بیویاں ہیں[2]۔

۳۔شیعہ امامیہ کانظریہ یہ ہے کہ''اہل بیت''سے مرادپیغمبر صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم آپکی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا(سلام اللہ علیہا)اوربارہ ائمہ معصومین(علیہم السلام)ہیں۔بعض سنی علماء جیسے:طحاوی نے''مشکل ا لآثار''میں اورحاکم نیشابوری نے''المستدرک''میں''اہل بیت''سے صرف پنجتن پاک (علہیم السلام)کو مراد لیاہے۔'' اہل بیت''کوواضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں دوجہات سے بحث کریں:۱۔آیہء شریفہ کے مفاد کے بارے میں بحث

۲۔آیہء شریفہ کے ضمن میں نقل کی گئی احادیث اورروایات کے بارے بحث۔آیت کے مفاد کے بارے میں بحث آیت کے مفہوم پر بحث کے سلسلہ میں درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:اول یہ کہ:لغوی اور عرفی لحاظ

---

[1] تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۲۹۱

[2] تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۲

سے ''اہل بیت''کا مفہوم پنجتن پاک کے عنوان کوشامل ہے۔دوسرے یہ کہ آیہء شریفہ میں ضمیر ''عنکم(جوجمع مذکر کے لئے ہے)کی وجہ سے اہل بیت کے مفہوم میں پیغمبراکرم ﷺ کی بیویاں شامل نہیں ہیں۔

تیسرے یہ کہ:بہت سی ایسی روایتیں موجودہیں جن میں ''اہل بیت''کے مرادسے پنجتن پاک(علیہم السلام)کو لیاگیاہے۔لہذا یہ قول کہ اہل بیت سے مرادصرف پیغمبراکرم ﷺکی بیویاں ہیں،ایک بے بنیاد بلکہ برخلاف دلیل قول ہے۔یہ قول عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتا تھا'':جوچاہتا ہے،میں اس کے ساتھ اس بابت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ آیہء شریفہ میں''اہل بیت کا مفہوم،پیغمبر ﷺکی بیویوں سے مختص ہے'[1] اے کاش کہ اس نے(اس قول کی نسبت اس کی طرف صحیح ہونے کی صورت میں)مباہلہ کیاہوتا اورعذاب الٰہی میں گرفتار ہواہوتا!کیونکہ اس نے پنجتن پاک(ع)کی شأن میں نقل کی گئی ان تمام احادیث سے چشم بستہ انکار کیا ہے جن میں آیہء تطہیرکی شان نزول بیان کی گئی ہے۔

لیکن دوسرے قول کہ جس کے مطابق''اہل بیت کے مفہوم''میں پیغمبر ﷺ کی بیویاں نیزعلی،فاطمہ،حسن اور حسین(علیہم السلام)شامل ہیں کوبہت سے اہل سنت،بلکہ ان کی اکثریت نے قبول کیا۔اور انھوں نے،اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات کے سیاق سے استدلال کیا ہے۔اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ آیہء تطہیرسے پہلے والی آیتیں اور آیت تطہیر کے بعد والی آیتیں پیغمبراکرم ﷺ کی بیویوں سے متعلق ہیں۔چونکہ آیہء تطہیر ان کے درمیان میں واقع ہے،اس لئے مفہوم اہل بیت کی صلاحیت اورقرینہء سیاق کے لحاظ سے،اس میں پیغمبراکرم ﷺکی بیویاں شامل ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر،قرینہء سیاق کے پیش نظرآنحضرت ﷺ کی بیویوں کو یقینی طورپر اہل بیت کی فہرست میں شامل جاناہے۔ سیاق آیہء تطہیر کیا آیہء تطہیر کے سیاق کے بارے میں کیا گیا دعویٰ قابل انعقادہے؟اورپیغمبر ﷺکی بیویوں کے اہل بیت کے زمرے میں شامل ہونے کوثابت کرسکتاہے؟مطلب کوواضح کرنے کے لئے درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

---

[1] روح المعانی ،ج۲۲،ص۱۳،داراحیاء التراث العربی،بیروت

اول یہ کہ: چند آیات کے بعد صرف ایک آیت کا واقع ہونا سیاق کے واقع ہونے کا سبب نہیں بن سکتا ہے اور دوسری طرف سے یہ یقین پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوئی ہیں، کیونکہ سیاق کے واقع ہونے کے سلسلہ میں شرط یہ ہے کہ آیات کا نزول ایک دوسرے کے ساتھ انجام پایا ہو۔ لہذا ہم شک کرتے ہیں اور ممکن نہیں ہے کہ ہم سیاق کو احراز (متعین) کر سکیں جبکہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے متفاوت ہے، اس لئے اس مسئلہ پر کبھی اطمینان پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آیہء تطہیر کا نزول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات کے بعد واقع ہوا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: اگرچہ یہ آیتیں ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی ہیں، لیکن ہر آیہء اور سورۂ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ان کی نظروں کے سامنے ایک خاص جگہ پر انھیں رکھا گیا ہے، اس لئے آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ معنوی رابطہ کے پیش نظر ان آیات میں سیاق واقع ہوا ہے لہذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں پنجتن پاک علیہم السلام کے ساتھ اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیہء تطہیر کا اس خاص جگہ پر واقع ہونا آیات کے معنوی پیوند کے لحاظ سے ہے اور وہ چیز کہ جس پر دلیل قائم ہے صرف یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مصلحت کے پیش نظر اس آیت کو اپنی بیویوں سے مربوط آیات کے درمیان قرار دیا ہے، لیکن یہ کہ مصلحت صرف آیات کے درمیان معنوی رابطہ کی وجہ سے ہے اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

ممکن ہے اس کی مصلحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے لئے ایک انتباہ ہو کہ تمہارا "اہل بیت" کے ساتھ ایک رابطہ اور ہے، اس لئے اپنے اعمال کے بارے میں ہوشیار رہنا، نہ یہ کہ وہ خود "اہل بیت" کی مصداق ہیں۔ دوسرے یہ کہ: آیہء کریمہ میں کئی جہتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیہء تطہیر کا سیاق اس کی قبل اور بعد والی آیات کے سیاق سے متفاوت ہے اور یہ دو الگ الگ سیاق ہیں اور ان میں سے ہر ایک ،ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہے۔ وہ جہتیں حسب ذیل ہیں:

پہلی جہت: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوں سے مربوط آیات کا سیاق سرزنش کے ساتھ ہے (چنانچہ آیت ۲۸ کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے) اور ان آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کی کسی قسم کی ستائش اور تعریف نہیں کی گئی ہے، جبکہ آیہء تطہیر کے سیاق میں

فضیلت وبزرگی اورمدح و ستائش ہے اورآیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہونے والی احادیث سے یہ مطلب اور بھی زیادہ روشن و نمایاں ہو جاتا ہے۔ دوسری جہت:یہ کہ آیہء تطہیر کی شأن نزول مستقل ہے اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات کی شأن نزول بھی مستقل ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے اپنے حق سے زیادہ نفقہ کا تقاضا کیا تھا لہذا مذکورہ آیتیں اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔اس شأن نزول کے بارے میں مزیدآگاہی حاصل کرنے کے لئے شیعہ وسنی تفسیروں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اور اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ پیش کریں گے جسے ابن کثیر نے ان آیات کی شأن نزول کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے:(یاأیہا النبیّ قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃالدنیا وزینتہا فتعالین أمتّعکن وأسرّحکن سراحاً جمیلاً۔وإن کنتنّتردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فإن اللہ أعدّ للمحسنات منکن أجراً عظیماً۔یانساء النبیّ من یأت منکن بفاحشۃ مبیّنۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیراً ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحاً نؤتہا اجرہامرّتین وأعتد نا لہارزقاً کریماً۔یانساء النبیّ لستن کأحد من النساءإن اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً۔وقرن فی بیوتکن ولا تبرّجن تبرّج الجاہلیۃ الأولی وأقمن الصلوۃ وء اتین الزکوۃ وأطعن اللہ ورسولہ إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہرکم تطہیراً۔واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃإن اللہ کان لطیفاً خبیراً[1]) "پیغمبر!آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم سب زندگانی دنیااوراس کی زینت کی طلبگار ہوتوآؤمیں تمہارا مہر تمھیں دیدوں اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں اوراگراللہ اور رسول اورآخرت کی طلبگار ہو تو خدا نے تم میں سے نیک کردار عورتوں کے لئے اجر عظیم قرار دیا ہے۔

اے زنان پیغمبر جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائیوں کا ارتکاب کرے گا اس کو دھرا عذاب کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے۔اورجو بھی تم میں سے خدااوررسول کی اطاعت کرے اورنیک عمل انجام دے اسے دہرا اجر عطا کیا جائے گا اور ہم نے اس کے لئے بہترین رزق فراہم کیا ہے ۔اے زنان پیغمبر!تم اگر تقویٰ اختیار کرو تو تمھارا مرتبہ عام عورتوں کے جیسا

---

[1] احزاب،۲۸۔۳۴

نہیں ہے،لہذا کسی آدمی سے نازکی(دل لبھانے والی کیفیت) سے بات نہ کرو کہ بیمار دل افراد کوتمہاری طمع پیدا ہو اور ہمیشہ شائستہ و نیک باتیں کیا کرواور اپنے گھروں میں بیٹھی رہواور جاہلیت کے زمانہ کی طرح بناؤ سنگار نہ کرواور نماز قائم کرو اورزکوۃادا کرو اوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت!کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔اورازواج پیغمبر!تمھارے گھروں میں جن آیات الٰہی اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یادرکھو خدا لطیف اور ہرشے سے آگاہ ہے۔''ابن کثیر نے ابی الزبیر سے اوراس نے جابر سے روایت کی ہے:

''لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے سامنے بیٹھے تھے،اسی حالت میں ابوبکراور عمرآگئے اورداخل خانہ ہونے کی اجازت چاہی۔ پہلے انھیں اجازت نہیں دی گئی۔جب انھیں اجازت ملی اور وہ خانہ رسول میں ہوئے توانہوں نے کیادیکھاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اورآپ کی بیویاں بھی آپکے گردبیٹھی ہوئی ہیں اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،خاموش تھے۔

عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسانے کے قصد سے کہا:یارسول اللہ!اگر آپ دیکھتے کہ بنت زید (اس سے مراد عمر کی زوجہ ہے) نے جب مجھ سے نفقہ کا تقاضا کیا تو میں نے کیسی اس کی پٹائی کی!یہ سن کرپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہنسے کہ آپکے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:یہ (میری بیویاں)میرے گرد جمع ہوئی ہیں اور مجھ سے(بیشتر)نفقہ کا تقاضا کرتی ہیں۔اس وقت ابوبکرعائشہ کو مارنے کے لئے آگے بڑھے اور عمر بھی اٹھے اوردونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں سے نصیحت کرتے ہوئے کہا:تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہوجوپیغمبر کے پاس نہیں ہے؟آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مارنے سے منع فرمایا۔

اس قضیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں نے کہا:ہم آج کے بعد سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی ایسی چیز کا تقاضا نہیں کریں گے،جوان کے پاس موجود نہ ہو۔خدا وند متعال نے مذکورہ آیات کو نازل فرمایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو پیغمبر کی زوجیت میں باقی رہنے یا انھیں طلاق کے ذریعہ آنحضرت کو چھوڑ کے جانے کا اختیار دیا گیاہے[1]۔'' یہ تھی،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے

[1] تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۱

مربوط آیات کی شأن نزول ۔جبکہ آیہء تطہیر کی شأن نزول پنجتن آل عبا اور ائمہ معصومین (علیہم السلام) سے متعلق ہے ۔اس سلسلہ میں شیعہ و سنی تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں کافی تعداد میں روایتیں نقل ہوئی ہیں ۔ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر احادیث کے باب میں کریں گے ۔اس شأن نزول اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے مربوط آیات کی شأن نزول میں احتمالاً کئی سالوں کا فاصلہ ہے ۔اب کیسے ان آیات کے درمیان وحدت سیاق کے قول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور کیا ان دو مختلف واقعات کو ایک سیاق میں ضم کرکے آیت کے معنی کی توجیہ کی جا سکتی ہے؟تیسری جہت:یہ کہ سیاق کے انعقاد کو مختل کرنے کا ایک اور سبب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے مربوط آیات اور آیہء تطہیر کے ضمیروں میں پایا جانے والا اختلاف ہے ۔مجموعی طور پر مذکورہ آیات میں جمع مونث مخاطب کی ۲۲ ضمیریں ہیں ۔ان میں سے ۲۰ ضمیریں آیہء تطہیر سے پہلے اور دو ضمیریں آیہء تطہیر کے بعد استعمال ہوئی ہیں،جبکہ آیہء تطہیر میں مخاطب کی دو ضمیریں ہیں اور دونوں مذکر ہیں ۔

اس اختلاف کے پیش نظر کیسے سیاق محقق ہو سکتا ہے؟اعتراض:آیہء تطہیر میں ''عنکم'' اور ''یطھّرکم'' سے مراد صرف مرد نہیں ہیں،کیونکہ عورتوں کے علاوہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی، حسن و حسین (علیہم السلام) بھی اس میں داخل تھے ۔اس لئے ''کم'' کی ضمیر آئی ہے اور عربی ادبیات میں اس قسم کے استعمال کو ''تغلیب'' کہتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی حکم کا ذکر کرنا چاہیں اور اس میں دو جنس کے افراد شامل ہوں،تو مذکر کو مونث پر غلبہ دے کر لفظ مذکر کو ذکر کریں گے اور اس سے دونوں جنسوں کا ارادہ کریں گے ۔

اس کے علاوہ،مذکر کی ضمیر کا استعمال ایسی جگہ پر کہ جہاں مونث کا بھی ارادہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں اور بھی جگہوں پر دیکھنے میں آیا ہے،جیسے درج ذیل آیات میں (قالو أتعجبین من أمراللہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم أھل البیت[1]) کہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی زوجہ سے خطاب کے بعد جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اہل بیت کا عنوان ذکر ہوا ہے ۔(قال لاہلہ امکثوا[2]) کہ حضرت موسی علیہ اسلام

[1] ہود،۷۳
[2] قصص،۲۹

کے اہل خاندان (کہ جس سےمرادان کی زوجہ ہے) کے ذکرکے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

جواب: ہر کلام کا اصول یہ ہے کہ الفاظ کو اس کے حقیقی معنی پر حمل کیا جائے اور''اصالۃ الحقیقۃ''ایک ایسا عقلائی قاعدہ ہے کہ جس کے ذریعہ ہر لغت وزبان کے محاورات و مکالمات میں استناد کیا جاتاہے۔اس عقلائی قاعدے کی بنیاد پر جس لفظ کے بارے میں یہ شک پیدا ہو کہ وہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں،اسے اس کے حقیقی معنی پر حمل کرنا چاہے۔

اس لحاظ سے آیہء تطہیر میں دو جگہ پراستعمال ہوئی''کم''کی ضمیرسے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں اور یہ کہ آ یہ شریفہء مذکور میں تمام افراد اہلبیت مذکر تھے، صرف قرینہ خارجی اور آیت کی ذیل میں روایت کی گئی احادیث کی وجہ سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی فہرست میں حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں،اور ان کے علاوہ کوئی مونث فرد اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔

اور آیہ شریفہ میں قاعدۂ''اقرب المجازات''جاری ہوگا۔لیکن شواہدکے طور پر پیش کی گئی آیات میں قرینہ کی وجہ سے مونث کی جگہ ضمیر مذکر کا استعمال ہوا ہے اوریہ استعمال مجازی ہے اور ایک لفظ کا مجازی استعمال قرینہ کے ساتھ دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ قرینہ کے بغیر بھی یہ عمل انجام دیا جائے اور جیسا کہ کہا گیاکہ اصل استعمال یہ ہے کہ لفظ اس کے حقیقی معنی میں استعمال ہواور ایسا نہ ہونے کی صورت میں قاعدہ''اقرب المجازات''کی رعایت کی جانی چاہئے۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیثشیعہ اور اہل سنت کے منابع میں بڑی تعداد میں ذکر ہونے والی احادیث سے واضح طور پریہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آیہ تطہیر میں''اہل بیت''سے مراد صرف پنجتن پاکؑ(علیہم السلام) ہیں اور ان میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں کسی جہت سے شامل نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں مذکورہ منابع میں اتنی زیادہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ حاکم حسکانی[1] نے اپنی کتاب

[1] ذہبی،تذکرۃالحافظ،ج۲،ص۱۲۰۰پر کہتا ہے:حاکم حسکانی علم حدیث کے کامل عنایت رکھنے والاایک محکم اورمتقن سند ہے۔

''شواہد التنزیل''، کے صفحہ ۱۸ سے لیکر ۴۰ تک انہی احادیث سے مخصوص کیا ہے[1]۔ ہم ذیل (حاشیہ) میں اہل سنت ان احادیث کے راویوں کا سلسلہ جن اصحاب پر منتہی ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں: ۱۔ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام

۲۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔ حسن بن علی علیہ السلام

۴۔ انس بن مالک

۵۔ براء بن عازب انصاری

۶۔ جابر بن عبد اللہ انصاری

۷۔ سعد بن ابی وقاص

۸۔ سید بن مالک (ابو سعید خدومی)

---

[1] اسدالغابۃ،ج۵ص۵۲۱،داراحیاء التراث العربی ،بیروت، الاصابۃ،ج۲،ص۵۰۹،دارالفکر، اضواء البیان ،ج۶،ص۵۷۸،عالم الکتب بیروت، انساب الاشراف،ج۲،ص۳۵۴،دارالفکر، بحار الانوار،ج۳۵،ازص۲۰۶،باب آیۃ تطہیر تاص۲۳۲ مؤسسۃ الوفاء بیروت، تاریخ بغداد ،ج۹،ص۱۲۶،وج۱۰،ص۲۷۸،دارالفکر، تاریخ مدینہ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۳و ۲۰۶و۲۰۷وج۱۴،ص۱۴۱و۱۴۵، تفسیر ابن ابی حاتم ،ج۹،ص۳۱۲۹،المکتبۃ المصریۃ بیروت، تفسیر ابی السعود،ج۷،ص۱۰۳،دارالحیاء التراث العربی بیروت، تفسیر البیضاوی،ج۲۳،ص ۳۸۲،دارالکتاب العلمیۃ، تفسیر فرات الکوفی،ج۱،ص۳۳۲ تا۳۴۲،مؤسسۃ النعمان، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر،ج۳،ص۵۴۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت، تفسیر اللباب ابن عادل دمشقی،ج۱۵،ص۵۴۸، دارالکتاب العلمیۃ بیروت، تفسیر الماوردی،ج۴،ص۴۰۱،دارالمعرفۃ بیروت، التفسیر المنبر،ج۲۳،ص۱۴،دارالفکرالمعاصر، تہذیب التہذیب،ج۲،ص۲۵۸،دارالفکر، جامع البیان، طبری،ج۲۲،ص۵،دارالمعرفۃ بیروت، جامع احکام القرآن، قرطبی،ج۱۴،ص۱۸۳،دارالفکر، الدار المنثور،ج۶،ص۶۰۴،دارالفکر، ذخائر العقبی،ص۲۱تا۲۴، روح البیان،ج۷،ص۱۷۱،داراحیاء التراث العربی، روح المعانی، آلوسی،ج۲۲،ص۱۴،دار احیاء التراث العربی،الریاض النضرۃ،ج۲(۴۔۴)،ص۱۳۵،دار الندوۃ الجدیدۃ بیروت، زاد المسیر، ابن جوزی،ج۶،ص۱۹۸، دارالفکر، سنن الترمذی،ج۵،ص۳۲۸۔۳۲۷و ۶۵۶، دارالفکر، السنن الکبری ، بیہقی، ج۲ ، ص۱۴۹، دارالمعرفۃ بیروت، سیر اعلام النبلاء، ذہبی،ج۳،ص۲۵۴و ۲۸۳، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، شرح السنۃ بغوی،ج۱۴،ص۱۱۶،المکتب الاسلامی بیروت، شواہد التنزیل،ج۲،ص۸۱۔۱۴۰، موسسۃ الطبع و النشر لوزرارۃ الارشاد، صحیح ابن حبان،ج۱۵،ص۴۴۲ الی ۴۴۳،موسسۃ الی سالۃ بیروت، صحیح مسلم،ج۵،ص۳۷، کتاب الفضائل باب فضائل ، مؤسسۃ عزالدین بیروت، فتح القدیر، شوکانی،ج۴،ص۳۴۹تا۳۵۰، دار الکتاب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین، جوینی،ج۱،ص۳۶۷،مؤسسۃ المحمودی بیروت، کفایۃ الطالب،ص۳۷۱تا۳۷۷،داراحیاء تراث اہل البیت، مجمع الزوائد،ج۹،ص۱۶۶۔۱۶۹،دارالکتب العربی بیروت، المستدرک علی الصحیحین ،ج۲،ص۴۱۶وج۳،ص۱۴۷،دارالمعرفۃ بیروت، مسند ابی یعلی،ج۱۲،ص۳۴۴و۴۵۶،دارالہامون للتراث، مسند احمد،ج۴،ص۱۰۷وج۶،ص۲۹۲،دارصادر بیروت، مسند اسحاق بن راہویہ،ج۳،ص۶۷۸،مکتبۃ الایمان مدینۃ المنورۃ، مسندطیالسی،ص۲۷۴، دارالکتب اللبنانی، مشکل الآثار، طحاوی،ج۱،ص۳۳۵،دارالباز، المعجم الصغیر،طبرانی،ج۱،ص ۱۳۵، دارالفکر، المعجم الاوسط،طبرانی،ج۲،ص۴۹۱، مکتبۃ المعارف ریاض، المعجم کبیر،طبرانی،ج۲۳،ص۲۴۵و ۲۸۱و۲۸۶و۳۰۸و۳۲۷و ۳۳۰و۳۳۳و۳۳۴و۳۳۷و۳۵۷و۳۹۳و۳۹۶، المعرفۃ و التاریخ بسوی،ج۱،۳۹۸، المنتخب من مسند عبد بن حمید،ص۱۷۳ و ۳۶۷،عالم الکتب قاہرہ مناقب ابن مغازلی،ص۳۰۱۔۳۰۲، المکتبۃالاسلامیۃ کے بعض منابع کا ذکرکرتے ہیں کہ جن میں مذکورہ احادیث یا درج ہو ئی ہے یاان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۹۔ عبد اللہ بن عباس

۱۰۔ عبداللہ بن جعفر طیار

۱۱۔ عائشہ

۱۲۔ ام سلمہ

۱۳۔ عمر بن ابی سلم

۱۴۔ واثلۃ بن اسقع

۱۵۔ ابی الحمراء

اس کے علاوہ شیعوں کی حدیث اور تفسیر کی کتابوں اور بعض اہل سنت منابع میں درج کی گئی احادیث اور روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ '' اہل بیت ''سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ علی، فاطمہ نیز شیعوں کے گیارہ ائمہ معصومین (علیہم السلام)ہیں۔ آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث کی طبقہ بندیآیہ تطہیر سے مربوط احادیث کو اہل سنت کے مصادر میں مطالعہ کرنے اور شیعوں کے منابع میں موجود ان احادیث کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انھیں چند طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۱۔ وہ حدیثیں جن میں ''اہل بیت ''کی تفسیر علی و فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے ذریعہ کی گئی ہے۔ ۲۔ وہ حدیثیں جن کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے علی، وفاطمہ،حسن و حسین علیہم السلام کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہ تطہر نازل ہوئی،اور یہ واقعہ ''حدیث کساء ''کے نام سے مشہور ہے ۔ ان میں سے بعض احادیث میں آیا ہے کہ ام سلمہ یا عائشہ نے سوال کیا کہ : کیا ہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟

۳۔ وہ حدیثیں جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز صبح کو یا روزانہ پانچوں وقت حضرت علی و فاطمہ علیہا السلام کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے نیز آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔

۴۔ وہ حدیثیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک علیہم السلام یا پنجتن پاک علیہم السلام نیز جبرئیل و میکائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں پر مناسب ہے کہ احادیث کے مذکورہ چار طبقات میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جائے: ا۔ ''اہل بیت'' کی پنجتن پاک سے تفسیر ذیل میں چند ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں آیہء تطہیر میں ''اہل بیت'' کی تفسیر پنجتن پاک (علیہم السلام) سے کی گئی ہے: الف: کتاب ''المستدرک علی الصحیحین'' میں عبداللہ بن جعفر سے روایت کی گئی ہے: لما نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی الرحمۃ هابطۃ قال: أدعوالی، أدعوالی۔ فقالت صفیۃ: من یا رسول اللہ؟ قال: أهل بیتی: علیاً وفاطمہ والحسن و الحسین علیہم السلام فجیئی بھم، فألقی علیہم النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کساءہ ثم رفع یدیہ ثمّ قال: ''اللّھمّ ھؤلاء آلی فصلّ علی محمد و علی آل محمد'' و أنزل اللہ عزّوجلّ: (إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھّرکم تطھیراً) ھذا حدیث صحیح الاسناد[1]۔ 'جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی (جو آسمان سے نازل ہوئی تھی) کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ! میرے پاس بلاؤ! صفیہ نے کہا: یارسول اللہ کس کو بلاؤں؟ آپ نے فرمایا: میرے اہل بیت، علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) کو۔ جب ان کو بلایا گیا، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کساء (ردا) کو ان پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی: خدایا! ''یہ میرے اہل بیت ہیں۔ محمد اور ان کے اہل بیت پر دورد ورحمت نازل کر۔'' اس وقت خدا وند متعال نے آیہء شریفہ (إنما یرید اللہ۔۔۔) نازل فرمائی۔ اس حدیث کے بارے میں حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے: ''ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔'''' اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں سے نقل نہیں

[1] المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۴۸

کیا ہے[1]۔'' قابل غور بات ہے کہ حاکم نیشاپوری کا خود اہل سنت کے حدیث ورجال کے بزرگ علماء اور امام میں شمار کیا جاتا ہے ۔

ب:عن ابی سعید الخدری عن أم سلمۃ قالت: ''نزلت ہذہ الآیۃ فی بیتی: (إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت و یطہرکم تطہیراً) قلت: یا رسول اللہ، ألست من أہل البیت؟ قال: إنک إلی خیر، إنک من أزواج رسول اللہ ﷺ۔ قالت: و أہل البیت رسول اللہ و علیّ و فاطمۃ والحسن والحسین[2]'' ''ابی سعید خدری نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: یہ آیت) إنما یرید اللہ لیذہب عنکم الرّجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا) میرے گھر میں نازل ہوئی میں نے عرض کی یارسول اللہ!کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟فرمایا: تمھارا انجام بخیر ہے،تم رسولؐ کی بیوی ہوپھرام سلمہ نے کہا: ''اہل بیت'' رسول اللہ ﷺ علی و فاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) ہیں۔

۲۔آیۂ تطہیر کی تفسیر میں حدیث کساء کی تعبیر شیعہ اور اہل سنت کی تفاسیر و احادیث کی کتابوں میں اس مضمون کی فراوان حدیثیں موجود ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کوایک کساء کے نیچے جمع کیا اور اس کے بعد ان کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم اس کتاب میں ان احادیث میں سے چند ایک کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔قابل توجہ بات ہے کہ شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کساء ایک خاص اہمیت و منزلت کی حامل ہے۔ یہ حدیث مرحوم بحرانی[3] کی کتاب، ''عوالم العلوم''،میں حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) سے روایت کی گئی ہے اور مختلف زمانوں میں شیعوں کے نا مور علماء اور فقہا کے نام سے مزیّن اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

[1] حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب ''المستدرک علی الصحیحین''میں ان ا حادیث کودرج کیا ہے جو بخاری وسلم کے نزدیک صحیح ہو نے کی شرط رکھتی تھیں،لیکن انہوں نے انھیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا ہے۔جو کچھ ذہبی اس حدیث کے خلاصہ کے ذیل میں۔ اس کے ایک راوی ۔ملیکی کے بارے میں کہتا ہیں کہ:''قلت: الملیکی ذاھب الحدیث''اس کے عدم اعتماد کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔کیونکہ اس کے بارے میں جیسا کہ ابن حجر نے''تہذیب التہذیب''ج۶،ص۱۳۲ پر''ساجی''سے نقل کر کے''صدوق'' کی تعبیرکی ہے۔ اس کی صداقت اور سچ کہنے کی دلیل ہے۔اوراس کی مدح میں جوتعبیرات نقل کی گئی ہے وہ اس کی حدیث کے بارے میں ہے اورخود صحیح بخاری ومسلم میں بھی ہم بہت سے ابواب میں ان کے راویوں کوپاتے ہیں کہ بہت سی تعرفیں کی گئی ہیں۔

[2] تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۶

[3] عوام العوم، جلد حضرت زہراء علیہماسلام۔ ج۱۱،ص ۶۳۸موسسہ الامامم مھدی علیہ اسلام

نیز یہ حدیث شیعوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پڑھی جاتی ہے اور توسّل اور تبرک کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔ احادیث کے اس گروہ میں درجہ ذیل تعبیریں توجہ کا باعث ہیں اور ان تعبیروں میں سے ہر ایک ''اہل بیت'' کے دائرے کو پنجتن پاک (علیہم اسلام) کی ذات میں متعین کرتی ہیں: ۱۔ ''إنک الی خیر'' یا جملہ ''انک من ازواج النبیّ'' سے ضمیمہ کے ساتھ[1]

۲۔ ''تنحّی، فإنک علی خیر۔''[2]

۳۔ ''فجذبہ من یدی۔''[3]

۴۔ ''ماقال إنک من اہل البیت[4]۔''

۵۔ ''لا، وأنت علی خیر[5]۔''

۶۔ ''فواللہ ماأنعم[6]۔''

۷۔ ''مکانک، أنت علی خیر[7]۔''

۸۔ ''فوددت أنہ قال: نعم[8]۔''

۹۔ ''تنحّی لی عن أہل بیتی۔''[9]

۱۰۔ ''إنک لعلی خیر، ولم یدخلنی معہم۔''

---

[1] الدر المنثور، ج۶، ص۶۳۸، موسسۃ الامام مہدی

[2] تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۴۹۳

[3] الدر المنثور، ج۶، ص۶۰۴۔۱ المعجم الکبیر ج، ۲۳، ص۳۳۶

[4] تاریخ مدینۃ دمشق ج۱۴، ص۱۴۵ ۶۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۳، ص۲۰۶

[5] تاریخ مدینۃ دمشق ج۱۴، ص۱۴۵ ۶۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۳، ص۲۰۶

[6] تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۴۹۲، تفسیر طبری ج، ۲۲ص، ۵

[7] تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۴، ص۱۴۱ ۳۔مشکلا آثار، ج۱، ص۳۳۶ ۴۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۳، ص۲۰۳ ۵۔شواہد التنزیل، ج۲، ص۶۱ ۶۔شواہد التنزیل، ج۲، ص۱۳۴

[8] المستدرک علی الصحیحین، ج۲، ص۴۱۶

۱۱۔ ''فواللّٰہ ماقال:أنت معھم۔''

۱۲۔ ''اجلسی مکانک،فانک علی خیر۔''

۱۳۔ ''إنک لعلی خیر،وہؤلاء أہل بیتی۔''

۱۔ ''إنک إلی خیر''کی تعبیر ''أخرج ابن جریر و ابن حاتم و الطبرانی و ابن مردویہ عن أمّ سلمۃ زوج النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان بیتہا علی منامۃ لہ علیہ کساء خیبریّ؛ فجاء ت فاطمۃ رضی اللّٰہ عنہا ببرمۃ فیھا خزیرہ۔ فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أدعی زوجک و ابنیک حسناً و حسیناً۔ فدعتھم، فبینما ہم یأکلون إذنزلت علی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: (إنّما یرید اللّٰہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت و یطہّرکم تطہیراً) فأخذ النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بفضلۃ ازاراہ فغشاہم إیّاہا، ثمّ أخرج یدہ من الکساء و أوما بہا إلی السماء ثمّ قال: ''اللّھمّ ہؤلاء أہل بیتی و خاصّتی، فأذہب عنھم الرجس و طہّرہم تطہیراً''، قالہا ثلاث مرّات۔

قالت أم سلمۃ رضی اللّٰہ عنہا: فأدخلت رأسی إلی الستر فقلت: یا رسول اللّٰہ، و أنا معکم؟ فقال: ''إنک إلی خیر''مرّتین[1]۔''اس حدیث میں،حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے توسط سے ایک کھانا حاضر کرنے کے بعدپیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے ہیں کہ تم اپنے شوہر علی اوراپنے بیٹے حسن وحسین علیہم السلام کو بلاؤ اور وہ حضرات تشریف لاتے ہیں۔کھانا تناول کرتے وقت آیہء تطہیر نازل ہوتی ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:''خداوندا!یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں۔تو ان سے ہر طرح کی برائی کو دورکر اورانھیں پاک وپاکیزہ رکھ۔

ام سلمہ کہتی ہیں:میں نے بھی سر اٹھاکر کہا: یارسول اللہ کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہوں؟حضرت نے دومرتبہ فرمایا:تم نیکی پر ہو۔یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر اس آیہء شریفہ کے مطابق حضرت ام سلمہ ''اہل بیت''میں ہوتیں،توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراحتاً انھیں مثبت

[1] الدرّالمنثور،ج۶،ص۶۰۳،دار الفکر

جواب دیتے۔ لیکن قرآن مجید میں مورد تائید قرار پایا گیا آپکا خلق عظیم ہرگز آپکو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ ام سلمہ کو صراحتاً منفی جواب دیں۔ مذکورہ جملہ جو متعدد احادیث میں آیا ہے، اس نکتہ کے پیش نظر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے ''اہل بیت'' کے دائرہ سے خارج ہونے کی واضح دلیل ہے

۲۔ ''تنحی فإنک الی الخیر'' کی تعبیر ''عن العوام یعنی ابن حوشب، عن ابن عم لہ قال: دخلت مع أبی علی عائشة۔۔۔ فسألتھا عن علیّ۔۔۔ فقالت: تسألنی عن رجل کان من أحبّ الناس إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکانت تحتہ ابنتہ وأحبّ الناس إلیہ۔ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا علیاً و فاطمہ و حسناً و حسیناً رضی اللہ عنہم فألقی علیھم ثوباً۔ فقال: اللّھم ھؤلاء أھل بیتی، فأذھب عنھم الرجس و طھّرھم تطھیراً۔ قالت: فدنوت منھم و قلت: یا رسول اللہ، و أنا من أھل بیتک؟ فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تنحیّ، فإنک علی خیر۔'' عوام بن حوشب نے اپنے چچازاد بھائی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے باپ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا۔ میں نے ان سے علی کے بارے میں سوال کیا۔ عائشہ نے کہا: تم مجھ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین فرد ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزیز ترین بیٹی ان کی شریک حیات ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے علی و فاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) کو بلایا اور ان کے اوپر ایک کپڑے سے سایہ کیا اور فرمایا: خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ قرار دے۔ عائشہ نے کہا: میں ان کے نزدیک گئی اور کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟ فرمایا: تم خیر و نیکی پر ہو۔''

۳۔ ''فجذبہ من یدی'' کی تعبیر'' ۔ عن أم سلمة أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لفاطمة: ایتینی بزوجک و ابنیہ۔ فجائت بھم، فألقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیھم کساء فدکیاً ثمّ وضع یدہ علیھم ثمّ قال: اللّھمّ إن ھؤلاء اہل محمد و فی لفظ آل محمد، فاجعل صلواتک و برکاتک علی آل محمد، کما جعلتھا علی آل ابراھیم إنک حمید مجید۔ قالت أم سلمة۔: فرفعت الکساء لأدخل معھم، فجذبہ من یدی و قال: إنک علی خیر۔''[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۲۹۳، دار المعرفة، بیروت

''ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے فرمایا: اپنے شوہر اور بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) نے انھیں بلایا۔ پیغمبر خدا ﷺ نے فدکی کساء (ایک لباس جو فدک میں بنا تھا) کو ان پر ڈال دیا اور اس کے بعد اپنا ہاتھ ان پر رکھ کر فرمایا: خدا وندا! یہ آل محمدؐ ہیں۔ تو ان پر درود وبرکتوں کا نزول فرما، جس طرح آل ابراھیم پر نازل فرمایا ہے، بیشک تو لائق حمد و ستائش ہے۔ ام سلمہ نے کہا: میں نے کساء کا سرا اٹھایا تاکہ زیر کساء ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤں۔ پس پیغمبر ﷺ نے اسے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا: تم خیر ونیکی پر ہو۔''

۴۔ ''ماقال: إنک من اهل البیت'' کی تعبیر ''عن عمرة بنت أفعیٰ، قالت: سمعت أم سلمة تقول: نزلت هذه الآیة في بیتي: (إنّما یرید اللّه۔) وفی البیت سبعة: جبریل و میکائیل و رسول اللّه ﷺ و علي و فاطمه و الحسن و الحسین۔ قالت: و أنا علی باب البیت۔ فقلت: یا رسول اللّه، ألستُ من أهل البیت؟ قال: (إنک علی خیر! إنک من أزواج النبی'' وماقال: ''إنک من أهل البیت[1]''

''عمرہ بنت افعی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ام سلمہ سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں: یہ آیت انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اهل البیت (...میرے گھر میں اس وقت نازل ہوئی، جب گھر میں سات افراد تھے: جبرئیل، میکائیل، پیغمبر خدا ﷺ، علی وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام)۔ ام سلمہ نے کہا: میں گھر کے دروازہ کے پاس کھڑی تھی اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو، تم پیغمبر کی بیویوں میں سے ہو'' اور آپ نے نہیں فرمایا: ''تم اہل بیت میں سے ہو۔''

۵۔ ''لا، وانت علی خیر'' کی تعبیر ''عن عطیة، عن أبي سعید، عن أمّ سلمة أن النبیّ ﷺ غطّی علی علیّ و فاطمه و حسن و حسین کساء، ثمّ قال: هؤلاء أهل بیتي، إلیک لا إلی النار. قلت امّ سلمة: فقلت: یا رسول اللّه، و أنا معهم؟ قال: لا، وأنت علی خیر''[2] دارالفکر۔ حدیث کی

[1] مشکل الآثار، ج۱، ص۳۳۳، دارالباز۔ تاریخ مدینة دمشق ج ۱۴، صفحہ۱۴۵ دارالفکر
[2] تاریخ مدینة دمشق، ج۱۳، ص۲۰۶،

سندیوں :أخبرنا أبو عبد اللہ الفراوی و أبو المظفر القشیری، قالا: أنا أبوسعد الادیب، أنا أبو عمرو بن حمدان، و أخبرتنا أمّ المجتبی العلویۃ، قالت: قرئ علی إبراہیم بن منصور أنا أبوبکر بن المقرئ قالا:أنا أبویعلی، نا محمد بن اسماعیل بن أبي سمینۃ، نا عبداللہ بن داوود، عن فضیل عن عطیۃ،عطیہ،ابی سعید،ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک کساء کو علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام پر ڈال دیااور فرمایا:خداوندا!یہ میرے اہل بیت ہیں تیری بارگاہ میں نہ کہ آگ کی طرف۔ام سلمہ نے کہا:میں نے کہا یارسول اللہ!کیا میں بھی ان کے ساتھ(اہل بیت میں شامل)ہوجاؤں؟فرمایا:نہیں،تم نیکی پر ہو۔ ''

سندحدیث کی تحقیق:

''ابو عبداللہ فراوی محمدبن فضیل بن احمد'' ذہبی کا اس کے بارے میں کہناہے:''شیخ ،امام، فقہ، مفتی، مسند(علم حدیث کے معروف عالم) خراسان اور فقیہ حرم'' سمعانی کہتے ہیں: میں نے عبدالرشید طبری سے مرومیں سنا کی وہ کہتے تھے: الفراوی ہزار راویوں کے برابر ہے[1]۔ ''ابوسعد ادیب کنجرودی''، ذہبی اس کے بارے میں کہتے ہیں: شیخ، فقیہ،امام،ادیب، نحوی طبیب،مسند خراسانی[2] سمعانی اس کے بارے میں کہتے ہیں: ''وہ ادیب، فاضل، عاقل، خوش رفتار، باوثوق اور سچاتھ[3]'' ''ابو عمرو بن حمدان'' ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے:''شیخ صالح ،قابل وثوق ہے[4]''ابوبکربن المقری،محمد بن ابراھیم''اس کے بارے میں ذھبی کہتے ہیں:شیخ حافظ اور سچا ہے[5]'' ''ابویعلی''صاحب مسند،احمد بن علی بن مثنی،محدث موصل[6]''محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ''ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابوحاتم وصالح بن محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے[7]۔''عبداللہ بن داؤد''مزی نے اس کے بارے میں محمد بن سعد سے طبقات میں نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور عابد تھا[8]''فضل بن غزوان''ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۸، ص۷۳موسسہ الرسالہ
[2] سیراعلام النبلاء، ج۱۸، ص ۱۰۱
[3] الانساب ،ج۵، ص۱۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
[4] سیراعلام النبلاء، ج۱۸،ص۷۳
[5] سیراعلام النبلاء،ج۱۶،ص۳۹۸
[6] سیراعلام النبلاء،ج۱۴۰،ص۱۷۴
[7] تہذیب التہذیب،ج۹،ص۵۰،دارالفکر
[8] تہذیب الکمال،ج۴،ص۴۵۸

ہے:احمد اور ابن معین نے کہا ہے:وہ ثقہ ہے۔اور ابن حبان نے ''کتاب الثقات''میں اس کا ذکر کیا ہے[1]۔ ''عطیہ (بن سعد)اس کے بارے میں تہذیب التہذیب ج۷،ص۲۰۰سے استفادہ ہوتا ہے کہ:وہ ابن سعد کی طرف سے قابل وثوق قرار پایا ہے۔اور ابن معین نے (ایک روایت میں)اسے شائستہ جانا ہے اور علم رجال کے بعض علماء نے اس کی تعریفیں کی ہیں اور اس کی حدیثوں کی تائید کی ہے اس کا جرح کرنے والے جیسے نسائی جرح کرنے میں سخت گیر ہیں اہل سنت کے اہل فن ودرایت اور علم حدیث کے علماء جیسے تہانوی نے کتاب[2]میں،اس قسم کی جرح کرنے والے افراد کو نا قابل اعتبار جانا ہے اور عطیہ ان افراد میں سے ہیں کہ جنھیں امیرالمؤمنین علی بن ابیطالب کے خلاف سب وشتم سے انکار کرنے پر حجاج کی طرف سے چار سو کوڑے مارے گئے ہیں جو دین کے معاملہ میں اس طرح ثابت قدم اور پائیدار ہو،وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے۔ممکن ہے اہل رجال کی اس کے بارے میں جرح و تنقید اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

۶۔ ''فواللہ ما انعم''کی تعبیر ''عن الأعمش عن حکیم بن سعد قال:ذکرنا علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ عند أمّ سلمۃ:قالت:فیہ نزلت:(إنّما یرید اللہ) ''قالت:أم سلمۃ:جاء النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم إلی بیتی فجلّلہم نبیّ اللہ بکساء فنزلت ہذہ آلآیۃ فقلت:یارسول اللہ، وأنا؟ قالت:فواللہ ماأنعم، وقال:إنّک إلی خیر[3]۔ ''اس حدیث میں،پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہء تطہیر نازل ہوئی۔ام سلمہ نے سوال کیا:یارسول اللہ !کیا میں بھی ہوں ؟لیکن انھوں نے مثبت جواب نہیں سنا پریشان ہوئیں اور اپنی پریشانی کاان الفاظ میں اظہار کیا: ''فواللہ،ماأنعم''یعنی:خدا کی قسم پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نہیں فرمایا: ''ہاں''،بلکہ صرف یہ فرمایا: ''تم نیکی پر ہو۔''

---

[1] تہذیب التہذیب،ج۸،ص۲۶۷

[2] ''قواعدفی علوم الحدیث''ص۱۱۷

[3] جامع البیان طبری،ج۲۲،ص۷،دار المعرفۃ،بیروت،تفسیر ابنکثیر ج۳ص۴۹۳،دار المعرفۃ،بیروت

۷۔ ''مکانک،انت علی خیر''کی تعبیر ''عن شہر بن حوشب، عن أم سلمة:إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔أخذ ثوباً فجلّلہ علی علیّ وفاطمتوا لحسن والحسین۔ ثمّ قرأت ہذہ الآیة:(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطھّرکم تطھیراً)قالت:فجئت لأدخل معھم، فقال:مکانک،أنت علی خیرا''[1] اس حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں:پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی وفاطمہ،حسن و حسین(علیہم اسلام)کوایک پارچہ کے نیچے قرار دیا اور اس کے بعد آیہ تطہیر ک قرات فرمائی۔ جب میں اس پارچہ کے نزدیک گئی تا کہ اس کے نیچے داخل ہو جاوں،توآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اپنی جگہ پر بیٹھی رہو،تم خیر و نیکی پر ہو۔

سند کی تحقیق:''ابوطالب بن ابی عقیل بن عبدالرحمن ذہبی ''نے اسے ایک دیندار بزرگ جانا ہے[2]۔ ''اابوالحسن الخلعی علی بن الحسین''ذہبی نے اس کی شیخ امام،فقیہ،قابل اقتداء اور مسند الدیار المصریة جیسے القاب سے تعریف کی ہے[3]''ابومحمد النحاس اورذہبی''کا اس کے بارے میں کہنا ہے:شیخ امام،فقیہ،محدث، سچا اورمسندالدیار المصریہ تھا''ابو سعیدابن ا لآعرابی احمد بن محمدبن زیاد''اورذہبی نے اس کے بارے میں یہ تعبیرات استعال کی ہیں:امام،محدث،قدوة(یعنی رہبری اور قیادت کے لئے شائستہ)سچا،حافظ اور شیخ الاسلام[4]''ابوسعید عبدالرحمن بن محمد بن منصور''ابن حبان نے کتاب الثقات ج۸،ص۳۸۳ موسۃالکتب الثقافیۃ میں اس کا نام لیا ہے۔ ''حسین ا لآشقرالغزاری''ابن حبان نے اس کا نام کتاب الثقات میں لا یا ہے ۔اور احمدبن حنبل نے اس کے بارے میں کہا ہے:وہ میرے نظر میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے اورابن معین سے اس کے سچے ہو نے کے بارے میں سوا ل کیا ۔اس نے جواب میں کہا :جی ہاں[5] اس کے بارے میں بعض مذمتیں کی گئی ہیں،وہ اس کے مذہب کے بارے میں ہیں اور حجت نہیں ہیں۔

---

[1] تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۴،ص۱۴۱،دارالفکر۔اس حدیث کی سند یوں ہے:''أخبرنا أبوطالب بن أبی عقیل: أنا أبو الحسن الخلعی: أنا أبو محمد النحاس:أنا أبوسعید بن الآعرابی:ناأبو سعید عبدالرحمن بن محمدبن منصور:ناحسین الآشقر:نا منصور بن أبی الآسود،عن الآعمش،عن حبیب بن أبی ثابت ،عن شہر بن حوشب،عن أُم سلمۃ'

[2] سیراعلامالنبلاء،ج۲۰،ص۱۰۸،موسۃالرسالۃ

[3] سیر اعلام النبلاء ج۱۷،ص۳۱۳

[4] سیر اعلام النبلاء ج۱۵،ص۴۰۷

[5] تہذیب التہذیب،ج۲ ص۹۱ دارالفکر

منصور بن ابی الاسود ''ابن حجر نے اس توثیق (مورد اعتماد ہونے) کو ابن معین سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں (مورد اعتماد افراد کے زمرہ میں ذکر کیا ہے[۱]۔ ''الاعمش'' کے موثق اور سچے ہونے میں کلام نہیں ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس سے کافی احادیث نقل کی گئی ہیں اور اس کی راستگوئی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہل سنت علمائے حدیث نے اس کے سچے ہونے کو مصحف سے تشبیہ دیدی ہے[۲] ''حبیب بن ابی ثابت'' اس کے موثق اور راستگو ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور صحاح میں اس سے بہت ساری حدیثیں نقل ہوئی ہیں[۳] ''شہر بن حوشب'' ابن حجر نے، معین، عجلی اور یعقوب بن شیبۃ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسے موثق (قابل اعتماد وثوق) تعبیر کیا ہے[۴] ایک دوسری حدیث میں یہ تعبیر نقل ہوئی ہے: ''أنت بمکانک وانت خیر[۵]'' ایک اور تعبیر میں آیا ہے ''اجلسی مکانک، فانک علی خیر[۶]'' اپنی جگہ پر بیٹھی رہو، تم خیر پر ہو۔

۸۔ ''فوددت أنہ قال: نعم'' کی تعبیر ''عن عمرۃ الھمدانیۃ قالت: أتیت أمّ سلمۃ فسلمت علیھا، فقالت: من أنت؟ فقلت: عمرۃ: یا أم المومنین أخبرینی عن ھذا الرّجل الذی قتل بین ظھرانا، فمحب ومبغض۔ ترید علی بن أبی طالب۔ قالت أمّ سلمۃ: أتحبینہ أم تبغضینہ؟ قالت ما أحبہ ولا أبغضہ فأنزل اللہ ھذہ الآیۃ (انما یرید اللہ) إلی آخرھا، وما فی البیت إلا جبرئیل ورسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وعلیّ وفاطمہ والحسن والحسین۔ علیھم السلام۔ فقلت: یا رسول اللہ، أنا من أھل البیت؟ فقال: إن لک عند اللہ خیراً، فوددت أنہ قال: ''نعم''، فکان أحب إلی من تطلع علیہ الشمس وتغربہ[۷] عمرہ ہمدانیہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں ام سلمہ کی خدمت میں گئی اور ان سے سلام کیا: انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمرہ ہمدانیہ ہوں۔ عمرہ نے ام سلمہ سے کہا: اے ام المؤمنین، مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ بتایئے جسے کچھ مدت پہلے قتل کر دیا گیا (مراد علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں) بعض لوگ انھیں

[۱] تہذیب التہذیب، ج،۱۰ ص۲۷۱، دار الفکر،
[۲] تہذیب التہذیب ج،۴، ص۱۹۶، دار الفکر
[۳] تہذیب التہذیب ج۲، ص۱۵۶
[۴] تہذیب التہذیب ج۴، ص۳۲۵، دار الفکر
[۵] تاریخ مدینہ دمشق، ج ۱۴، ص۱۴۵، دار الفکر
[۶] شواہد التنذیل، ج۲، ص۱۱۹
[۷] مشکل الا ثار، ج۱، ص۳۳۶، طبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ بالھند

دوست رکھتے ہیں اور بعض دشمن۔ ام سلمہ نے کہا: تم انھیں دوست رکھتی ہو یا دشمن؟ عمرہ نے کہا: میں نہ انھیں دوست رکھتی ہوں اور نہ دشمن (بظاہر یہاں پر آیہ تطہیر کے نزول کے بارے میں چند جملے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے بعد کی عبارت یہ ہے) اور خداوند متعال نے یہ آیت (إنما یرید اللہ...) اس حالت میں نازل فرمائی کی جب گھر میں جبرئل، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ: کیا میں اہل بیت میں ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرے لئے خدا کے پاس خیر و نیکی کی صورت میں جزا ہے۔ میری آرزو یہ تھی کہ (میرے سوال کے جواب میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: ''جی ہاں'' اور وہ میرے لئے اس سے بہتر تھا جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔ ''[1]

''فتنحّی لی عن أھل بیتی'' کی تعبیر... ''عن ابی المعدل عطیۃ الطفاوي عن أبیہ، أن امّ سلمۃ، حدثتہ قالت: بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في بیتي، إذقال الخادم: إن علیّاً وفاطمہ بالسدّۃ: قالت: فقال لي: قومي فتنحّي لیعن أھل بیتي... فدخل عليّ و فاطمۃ و معھما الحسنوا لحسین... قالت: فقلت و أنا یا رسول اللہ؟ فقال: وأنت'' اس حدیث میں ام سلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ خادم نے کہا: علی اور فاطمہ (علیہما السلام) دروازہ پر ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور میرے اہل بیت سے دور ہو جاؤ اس کے بعد علی او رفاطمہ حسن اور حسین (علیہم السلام) داخل ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی: '' خدا وندا! میرے اہل بیت تیری طرف ہیں نہ کہ آگ کی طرف ''ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں بھی؟ فرمایا: تم بھی۔ واضح رہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ام سلمہ کو (حدیث میں) اپنے اہل بیت کے مقابلہ میں قرار دیتے ہیں جو ان کے اہل بیت سے خارج ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے بعد انھیں دعا میں یعنی آگ سے دور رہنے میں شریک فرماتے ہیں۔

۱۰۔ ''إنک لعلی خیر، ولم یدخلنی معھم'' کی تعبیر... ''عن العوام ین حوشب، عن جمیع: التیمی انطلقت مع امّي، إلی عائشۃ، فدخلت أمّي، فذھبت لأدخل فحجتني، و سألتھا أمّي عن عليّ فقالت: ماظنّک برجل کانت فاطمۃ والحسن و الحسین إبناہ، و لقد رایت رسول اللہ التفع علیھم

[1] تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص۲۰۳-۲۰۲، دارلفکر

بثوب و قال: ''اللّھم ھولاء أھلیأذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً'' قلت: یا رسول اللہ، ألست من أھلک؟ قال: ''انک لعلی خیر''، ''لم ید خلنیمعھم [1]'' جمیع تیمی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنی والدہ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا ... میری والدہ نے ان سے علی (علیہ السلام) کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا: تم کیا خیال کرتی ہو اس شخص کے بارے میں جس کی شریک حیات فاطمہ (علیہا السلام) اور جس کے بیٹے حسن و حسین (علیہما السلام) ہوں۔ میں نے دیکھا کہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک کپڑے کے ذریعہ ان پر سایہ کیا اور فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔

خداوندا! ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص طریقہ سے پاک و پاکیزہ قرار دے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو۔ اور مجھے ان میں داخل نہیں کیا۔

۱۱۔ ''فواللہ ماقال :انت معھم'' کی تعبیر '' ۔عن أم سلمۃ۔ فجمعھم رسول اللہ حولہ و تحتہ کساء خیبری، فجلّلھم رسول اللہ جمیعاً، ثمّ قال: اللّھمّ ھؤلاء أھل بیتی فأذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً۔ فقلت: یارسول اللہ، وأنا معھم؟ فواللہ ما قال: ''وأنت معھم'' و لکنۃ قال: ''إنک علی خیر و إلی خیر'' فنزلت علیہ: (إنّما یرید اللہ۔ [2]) ''اس حدیث میں بھی کہ جو ام سلمہ سے روایت ہے، پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علی و فاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قرار دیا اور ان کے حق میں دعا کی۔ ام سلمہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ (چونکہ مثبت جواب نہیں سنا اس لئے کہا:) خدا کی قسم آپؐ نے نہیں فرمایا: ''تم بھی ان کے ساتھ ہو''، لیکن فرمایا: ''تم نیکی پر ہو اور نیکی کی طرف ہو''۔ اس کے بعد آیہء (إنّما یرید اللہ) نازل ہوئی۔''

۱۲۔ إنّک لعلی خیر، وھؤلاء اھل بیتی'' کی تعبیر عن عطاء بن یسار، عن أمّ سلمۃ رضی اللہ عنھا أنھا قالت: فی بیتی نزلت ھذہ الآیۃ: (إنّما یرید اللہ) فأرسل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم إلی علی و فاطمۃ والحسن والحسین فقال: اللّھمّ ھؤلاء أھل بیتی۔ قالت أمّ سلمۃ: یارسول اللہ، ماأنا من أھل

---

[1] شواھدالتنزیل، ج۲، ص۶۲۔۶۱

[2] شواھد التنزیل، ج۲، ص۱۳۴۔۱۳۳

البیت ؟قال:إنک لعلی خیر،وہؤلاء أہل بیتی اللّٰھم أہلی أحق۔''ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری،ولم یخرجاہ[1]۔یہ حدیث بھی ام سلمہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے علی وفاطمہ ،حسن وحسین (علیہم السلام)کو بلاوا بھیجا اوران کے آنے کے بعد فرمایا :خدا وندا!یہ میرے اہل بیت ہیں ۔ام سلمہ نے کہایا رسول اللہ!کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟فرمایا :تم خیر ونیکی پر ہواوریہ میرے اہل بیت ہیں۔خداوندا!میرے اہل بیت سزاوار تر ہیں۔حدیث کو بیان کرنے کے بعد حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے،لیکن اس نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔درعلیؑ و فاطمہؑ پرآیہء تطہیر کی تلاوتبعض حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرروز صبح یاروزانہ نماز پنجگانہ کے وقت درعلی و فاطمہ (علیہا السلام) پر آکر آیہء تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔یہ حدیثیں بھی چند مختلف گرہوں میں منقسم ہیں کہ موضوع کے طولانی ہونے کے باعث ہم صرف ان کے عناوین کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ یہ کام ایک ماہ[2]تک جاری رہا اور بعض احادیث اس کی مدت چالیس[3] روز،بعض چھ مہینے[4]،بعض سات مہینے[5]،بعض آٹھ مہینے[6] بعض نو مہینے[7]،بعض دس مہینے

احادیث میں اس کی مدت سترہ مہینے[8] بتائی گئی ہے۔ان احادیث کے بارے میں دونکتے قابل توجہ ہیں:

۱۔یہ حدیثیں(کہ ہرایک ان میں سے ایک خاص مدت کی طرف اشارہ کرتی ہے)ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہیں کیونکہ ہرصحابی جتنی مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا،اس نے اسی مدت کو بیان کیا ہے اوراحیاناً اگرایک صحابی نے دو مختلف احادیث میں دو مختلف مدتیں بیان کی ہیں،تو ممکن ہے اس نے ایک مرتبہ کم مدت اوردوسری مرتبہ زیادہ مدت کا مشاہدہ کیا

---

[1] المستدرک علی الصحیحین،تفسیر سورۂ احزاب ،ج۲،ص۴۱۶،دارالمعرفۃ،بیروت

[2] مندابی داؤد طیالسی ،ص۲۷۴،دارالکتاب ا للبنانی

[3] مجمع الزوئد ،ج۹،ص۲۶۴،ح۱۴۹۸۷،دارالفکر۔الدرالمنثور ج۶،ص۶۰۶شواہدالتنزیل ،ج۲،ص۴۴،موسۃ الطبع والنشر لوزرارۃ الارشاد الاسلامی

[4] جامع البیان طبری، ج۲۲، ص۵۔۶، دارالمعرفۃ،بیروت۔مجمع الزوائد، ہیثمی ،ج۹،ص۲۶۶،ح۱۴۹۸۵۔انساب الاشراف،ج۲،ص۳۵۴۔۳۵۵ دارالفکر،المنتخب من مسند احمد،ج ۳،ص۴۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت اوردوسری کتابیں۔

[5] جامع البیان ،طبری،ج۲۲،ص۶،دارالمعرفۃ،بیروت۔تفسیر ابن کثیر،ج۳ ص۲۹۲،دارالمعرفۃ،بیروت۔فتح القدیر،ج۴،ص۳۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

[6] الدرالمنثور،ج۵،ص۶۱۳،وج۶،ص۶۰۶،دارالفکر۔

[7] المنتخب من مسند بن حمید،ص۱۷۳،عالم المکتب۔ذخائر المقبی ص۲۵،موسۃالوفاء،بیروت۔الدرالمنثور،ج۶،ص۶۰۲،دارالفکر۔شوھدالتنزیل، ج۲،ص۲۷

[8] مجمع الزوائد،ج۹،ص۲۶۷،ح۱۴۹۸۶،دارالفکر،شواھد التنزیل ،ج۲،۸۷

ہوگا۔ مثلاً ابوالحمراء نے ایک حدیث میں مذکورہ مدت کو چھ مہینے اوردوسری حدیث میں سات مہینے اورتیسری حدیث میں آٹھ مہینے،یادس مہینے یاسترہ مہینے کی مدت بیان کی ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہے۔

۲۔پیغمبر خدا ﷺ کا اتنی طولانی مدت تک اس عمل کا پے درپے انجام دینا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ لفظ ''اہل بیت کہ''،جو اس وقت عرفی معنی میں استعمال ہوتا تھا اب اس کے جدید اوراصطلاحی معنی میں یعنی علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے لئے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیمہ کے ساتھ استعمال ہوکر در حقیقت ایک نئی حالت پیدا کرچکا ہے۔اس لفظ کے بارے میں یہ انتہائی مہم نکتہ آیہء تطہیر کے ذیل میں بیان کی گئی تمام احادیث مثلاًحدیث ثقلین وحدیث سفینہ اوران جیسی دوسری حدیثوں میں،بہت زیادہ روشن ونمایاں ہے۔

آیہء تطہیر کا پنجتناپاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہونااحادیث کا ایک اورگروہ ہے جن میں آیہء تطہیر کے نزول کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،علی وفاطمہ،حسن وحسین علیہم السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض احادیث میں یہ مطلب خود پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے،جیسے یہ حدیث'':۔ عن ابی عید الخدری قال: قال رسول اللہ ﷺ نزلت ہذہ الآیۃ فی خمسۃ:فیّ و فی علی و حسن و حسین وفاطمۃ۔ (إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم وتطہیراً[1]) حدثنی محمد بن المثنی قال:ثنابکر بن یحیی بن زبان العنزی قال:ثنا (حدثنا) مندل،عن الآعمش عن عطیۃ عن أبی سعید الخدری۔اس سند میں ''بکر بن یحیی بن زبان'' ہے۔چنانچہ ان کا نام تہذیب التہذیب،ا،ص۴۲۸ دارالفکر،میں درج ہے۔ابن حبان نے اسے ''کتاب الثقات''(جس میں ثقہ راوی درج کئے گئے ہیں)میں درج کیا ہے۔ابن حجر نے''مندل''(بن علی) کے بارے میں تہذیب التہذیب ،ج۱۰،ص۲۶۵،میں ذکر کیا ہے کہ یعقوب بن شیبہ اوراصحاب یحیی (بن عین)اور علی بن مدینی نے اسے حدیث میں ضعیف جانا ہے جبکہ وہ خیّر،فاضل اور راستگوہیں اوراسی کے ساتھ ساتھ وہ ضعیف الحدیث بھی ہیں ۔اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ

[1] جامع لبیان ،طبری،ج۲۲،ص۵،دارالمعرفۃبیروت میں اس حدیث کی سند یوں ہے:

جو مذمتیں اس کے بارے میں ہوئی ہیں وہ اس کی احادیث کے جہت سے ہے اور جیسا کہ عجلی نے اس کے بارے میں کہا ہے۔اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔حدیث کا ایک اور راوی ''اعمش'' (سلیمان بن مہران) ہے کہ اس کے موثق ہونے کے بارے میں رجال کی کتا بوں میں کافی ذکرآیا ہے،من جملہ یہ کہ وہ راستگوئی میں مصحف کے مانند ہے(تہذیب التہذیب،ج۴،ص۱۹۶،دارالفکر)حدیث کا ایک اور راوی ''عطیہ بن سعد عرفی'' ہے کہ اس کے بارے میں ''لا وانت علی خیر'' کی تعبیر کی تحقیق کے سلسلہ میں بیان کی گئی ۔ابی سعید خدری سے رایت ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے فرمایا: یہ آیت پنجتن پاک(علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس سے مرادیں،علی ،حسن،حسین اورفاطمہ (علیہم السلام)ہیں۔دوسری احادیث میں بھی ابوسعید خدری سے ہی روایت ہے اس نے اس آیت کے نزول کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مربوط جانا ہے۔جیسے یہ حدیث '': عن أبی سعید قال: نزلت الآیۃ فی خمسۃ نفر و تاہم (إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت و یطہرکم تطہیراً) فی رسول اللہ و علیّ و فاطمۃ و الحسن و الحسین علیہم السلام[1] ''ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ اس نے کہا:آیہء (إنّمایرید اللہ۔)پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے:رسول اللہ ﷺ علی وفاطمہ،حسن وحسین (علیہم السلام)'' ابوسعید خدری سے اورایک روایت ہے کہ (عطیہ نے)کہا:میں نے اس سے سوال کیا:اہل بیت کون ہیں؟(ابوسعید نے جواب میں)کہا:اس سے مراد پیغمبر ﷺ، علی وفاطمہ،حسن وحسین(علیہم السلام) ہیں[2]۔اس سلسلہ کی بعض احادیث ام سلمہ سے روایت ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جیسے مندرجہ ذیل حدیث '':۔ عن أم سلمۃ قالت: نزلت ہذہ الآیۃ فی رسول اللہ ﷺ و علیّ و فاطمۃ و حسن و حسین علیہم السلام :(إنّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس أہل البیت ویطہرکم تطہیراً[3])''ام سلمہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا:یہ آیت(آیہء تطہیر) پیغمبر خدا ﷺ علی و فاطمہ ،حسن و حسین (علیہم السلام)کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

---

[1] تاریخ مدینۃدمشق،ج۱۳،ص۲۰۶،دار الفکر
[2] تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۷،دار الفکر
[3] تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱،ص۳۳۲

آیہء تطہیر اوراس سے مربوط احادیث کے بارے میں دونکتےاس سلسلہ میں مزید دواہم نکتے قابل ذکر ہیں:۱۔اب تک جوکچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ ''اہل بیت''میں ''بیت''سے مراد رہائشی بیت(گھر) نہیں ہے۔کیونکہ بعض افراد جیسے:ابی الحمراء، واثلہ،ام ایمن اورفضہ اس گھر میں ساکن تھے،لیکن ان میں سے کوئی بھی''اہل بیت''کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔نیزاس کے علاوہ ''بیت''سے مراد نَسب بھی نہیں ہے۔کیونکہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس اوران کے فرزند،جن میں بعض نَسب کے لحاظ سے علی علیہ السلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تھے وہ بھی اہل بیت میں شامل نہیں ہیں(البتہ عباس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ سوالات ے باب میں اس پر بحث کریں گے)۔بلکہ اس بیت(گھر)سے مرادنبوت کا''بیت''ہے۔کہ جس میں صرف ''پنجتن آل عبا داخل''ہیں اور وہ اس بیت(گھر)کے اہل اورمحرم اسرار ہیں۔

اس سلسلہ میں آیہء شریفہ(فی بیوت اذن اللہ أن ترفع ویذکرفیہا اسمہ)[1](نور خدا ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خداکی طرف سے اجازت ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اوران میں خدا کانام لیا جائے)کے ذیل میں بیان کی گئی سیوطی کی درجہ ذیل حدیث قابل توجہ ہے '':أخرج ابن مردویہ عن أنس بن مالک و بریدہ قال: قرأ رسول اللہ ہذہ الآیۃ:(فی بیوت أذن اللہ أن ترفع) فقام إلیہ رجل [2]أیّ بیوتِ ہذہ یا رسول اللہ؟ قال:بیوت الآنبیاء فقام إلیہ أبوبکر فقال: یا رسول اللہ ہذا البیت منہا؟البیت علی وفاطمۃ؟ قال: نعم من أفا ضلہا۔ ''''ابن مردویہ نے انس بن مالک اوربریدہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس آیت:(فی بیوت أذن اللہ ۔)کی قرأت فرمائی۔ایک شخص نے اٹھ رسوال کیا:یہ جوبیوت(گھر)اس آیت میں ذکر ہوئے ہیں ان سے مراد کونسے گھر ہیں؟پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:انبیاء(علیہا السلام)کے گھر ہیں۔ابوبکرا ٹھے اورکہا:یارسول اللہ!کیا ان میں علی و فاطمہ(علیہا السلام)کا گھر بھی شامل ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:جی ہاں وہ ان سے برتر ہے۔''

---

[1] سورۂ نور،۳۶

[2] الدر المنثور،ج۶،ص۲۰۲،دارالفکر
فقال قال:

۲۔ان احادیث پر غورو خوض کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں ایک حصر کا استعمال کیا گیاہے اور وہ حصر، حصراضافی کی ایک قسم ہے۔یہ حصر پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں اورآپ کے دوسرے رشتہ داروں (جیسے عباس اوران کے فرزندوں)کے مقابلہ میں ہے یہ حصران احادیث کے منافی نہیں ہے،جن میں اہل بیت سے مراد چودہ معصومین علیہم السلام یعنی پیغمبرؐ،علی وفاطمہ،حسن وحسین اوراوردوسرے نوائمہ معصومین (علیہم السلام)کو لیا گیا ہے ۔اول خودآیہء تطہیر کی دلیل سے کہ اس میں صرف(لیذھب عنکم لرجس ویطھرکم ۔)پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے،بلکہ موضوع کا عنوان''اہل بیت''قراردیاگیا ہے۔ حدیث کساء میں صرف پنجتن پاک کا یرکساء آنااورپیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے ان کے لئے دعا کیا جانا اس بناپر تھا کہ اس وقت اس محترم خاندان سے صرف یہی پانچ افراد موجود تھے ورنہ شیعوں کے تمام ائمہ معصومین علیہم السلام،من جملہ حضرت مہدی علیہ السلام''اہل بیت'' کے مصداق ہیں۔چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک حدیث میں اپنے آپ کو''اہل بیت''کا مصداق جانتے ہوئے آیہء تطہیر سے استناد کیا ہے[1]۔

۔نیزشیعہ واہل سنت سے حضرت مہدی(عج)کے بارے میں نقل کی گئی بہت سی احادیث کے ذریعہ ان کوپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں شمار کیاگیا ہ[2]ے۔حدیث ثقلین (جس کے معتبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے نیز متواتر ہے)میں پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اوراپنے اہل بیت کے بارے میں فرمایا ہے'': ۔فانھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض[3]''یہ دو (قرآن مجیداوراہل بیت)ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک حوض کوثرپر مجھ سے ملیں گے۔''

اس بیان سے استفادہ ہوتا ہے قرآن مجید اور اہل بیت کے درمیان لازم وملزم ہونے کا رابطہ قیامت تک کے لئے قائم ہے اور یہ جملہ اہل بیت کی عصمت پردلالت کرتا ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہرزمانے میں اہل بیت طاہرین میں سے کم ازکم

---

[1] تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۳

[2] کتاب منتخب الاثر کی طرف رجوع کیا جائے۔

[3] حدیث کے مختلف طریقوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ''کتاب اللہ واہل البیت فی حدیث الثقلین''کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک شخص ایسا موجود ہوگا کہ جو اقتداء اور پیروی کے لئے شائستہ وسزاوار ہو۔اہل سنت کے علماء میں بھی بعض ایسے افراد ہیں کہ جنھوں نے حدیث ثقلین سے استدلال کرتے ہوئے اس مطلب کی تائید کی ہے کہ ہر زمانہ میں اہل بیت معصومین (ع) میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا[1]۔جن احادیث میں اہل بیت کی تفسیر چودہ معصومین (ع) سے کی گئی ہے،ان میں سے ہم ''ابن حجر۔ ایک ایسی حدیث کو نمونہ کے طور پر پیش کررہے ہیں،جس کو شیعہ[2] اور سنی دونوں نے نقل کیا ہے: ابراھیم بن محمد جوینی نے ''فرائد السمطین[3]''میں ایک مفصل روایت درج کی ہے۔چونکہ یہ حدیث امامت سے مربوط آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دوسری کتابوں میں رج کی گئی ہے،اس لئے ہم یہاں پر اس سے صرف آیۂ تطہیر سے مربوط چند جملوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت علی علیہ السلام مہاجر وانصار کے بزرگوں کے ایک گروہ کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنے اوراپنے اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی قرآن مجید کی چندآیتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں،من جملہ آیۂ تطہیر کی طرف کہ اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے یوں فرمایا:''۔أیھا الناس أتعلمون أنّ اللّٰہ أنزل فی کتابہ:(إنّما یرید اللّٰہ لیذہب عنکم لرجس أہل البیت و یطہّرکم تطہیراً) فجمعنی و فاطمۃ و ابنیّ الحسن و الحسین ثمّ ألقی علینا کساء و قال: اللّھمّ ہؤلاء أھل بیتی و لحمی یؤلمنی ما یؤلمھم، و یؤذینی ما یؤذیھم، و یحرجنی ما یحرجھم، فأذہب عنھم الرجس و طہّرھم تطہیراً۔فقالت أمّ سلمۃ: و أنا یا رسول اللّٰہ؟ فقال: أنت إلی خیر إنّما أنزلت فیّ (و فی ابنتی) و فی أخی علیّ بن أبی طالب و فی ابنیّ و فی تسعۃ من ولد ابنی الحسین خاصّۃ لیس معنا فیھا لأحد شرک۔ فقالوا کلّھم: نشھد أنّ أمّ سلمۃ حدّثتنا بذلک فسألنا رسول اللّٰہ فحدّثنا کما حدّثتنا أمّ سلمۃ[4]۔''

''اے لوگو!کیا تم جانتے ہو کہ جب خدا وند متعال نے اپنی کتاب سے آیۂ:(إنّما یرید اللّٰہ ۔۔۔) کو نازل فرمایا پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے،فاطمہ اور میرے بیٹے حسن وحسین (علیہم السلام) کوجمع کیا اور ہم پر ایک کپڑے کا سایہ کیا اورفرمایا:خداوندا! یہ

[1] جواھر العقدین،سمھودی،ص۲۴۴،دارالکتب العلمیہ البیروت۔''الصواعق المحرقۃ'' فصل ''اہل بیت حدیث ثقلین میں
[2] کمال الدین صدوق،ص۲۷۴
[3] مؤلف اور کتاب کے اعتبار کے بارے میں تفسیر آیۂ ''اولوالامر''کا آخر ملاحظ ہو۔
[4] فرائد السمطین،ج۱،ص۳۱۶،موسۃالمحمودی للطباعۃ والنشر،بیروت

میرے اہل بیت ہیں ۔جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی ہے جس نے ان پر سختی کی اس نے گویا مجھ پر سختی کی ۔ (خدا وندا!)ان سے رجس کو دور رکھ اور انھیں خاص طور پر پاک وپاکیزہ قرار دے ۔ام سلمہ نے کہا :یارسول اللہ!میں بھی؟(رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے)فرمایا :تم خیر ونیکی پر ہو، لیکن یہ آیت صرف میرے اور میری بیٹی (فاطمہ زہرا)میرے بھائی علی بن ابیطالب(علیہ السلام)اور میرے فرزند (حسن و حسین علیہما السلام)اور حسین (علیہ السلام)کی ذریت سے نوائمہ معصومین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کوئی دوسرا اس آیت میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے ۔اس جلسہ میں موجود تمام حضار نے کہا :ہم شہادت دیتے ہیں کہ ام سلمہ نے ہمارے سامنے ایسی حدیث بیان کی ہے اور ہم نے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پوچھا تو انھوں نے بھی ام سلمہ کے مانند بیان فرمایا ۔''

آیہء تطہیر کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات:

اس بحث کے اختتام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آیہء تطہیر کے بارے میں کئے گئے چند سوالات کے جوابات پیش کریں:

پہلا سوال

گزشتہ مطالب سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیہء کریمہ میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے۔اگرارادہ تکوینی ہوگا تو یہ دلالت کرے گا کہ اہل بیت کی معنوی طہارت قطعی اورناقابل تغیر ہے۔کیا اس مطلب کو قبول کرنے کی صورت میں جبر کا قول صادق نہیں آتا ہے؟

جواب:

خدا وند متعال کا ارادہ تکوینی اس صورت میں جبر کا سبب بنے گا جب اھل بیت کا ارادہ واختیار ان کے عمل انجام دینے میں واسطہ نہ ہو لیکن اگر خداوند متعال کاارادہ تکوینی اس سے متعلق ہو کہ اہل بیت اپنی بصیرت آگاہی نیز اختیار سے گناہ اور معصیت سے دور ہیں،توارادہ کا تعلق اس کیفیت سے نہ صرف جبر نہیں ہوگا بلکہ مزید اختیار پر دلالت کرے گا اور جبر کے منافی ہوگا،کیونکہ اس فرض کے مطابق خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق اس طرح نہیں ہے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں،اپنے وظیفہ انجام دیں گے،بلکہ خدا وند

متعال کے ارادہ کا تعلق ان کی طرف سے اطاعت کی انجام دہی اور معصیت سے اجتناب ان کے اختیار میں ہے اور ارادہ و اختیار کا پایا جانا ہی خلاف جبر ہے۔اس کی مزید وضاحت یوں ہے کہ: عصمت درحقیقت معصوم شخص میں پائی جانے والی وہ بصیرت اور وہ وسیع و عمیق علم ہے، جس کے ذریعہ وہ کبھی اطاعت الہیٰ سے منحرف ہو کر معصیت و گناہ کی طرف تمائل پیدا نہیں کرتا ہے اور اس بصیرت اور علم کی وجہ سے اس کے لئے گناہوں کی برائیاں اور نقصانات اس قدر واضح اور عیاں ہو جاتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے لئے محال ہے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے۔

مثال کے طور پر جب کوئی ادنی شخص یہ دیکھتا ہے کہ وہ پانی گندا اور بدبو دار ہے، تو محال ہے وہ اسے اپنے اختیار سے پی لے بلکہ اس کی بصیرت و آگاہی اسے اس پانی کے پینے سے روک دے گی۔

دوسرا سوال آیہء شریفہ میں آیا ہے:

(انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرّجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا) ''اذھاب'' کے معنی لے جانا ہے اور اسی طرح ''تطھیر'' کے معنی پاک کرنا ہے اور یہ اس جگہ پر استعمال ہوتا ہے جہاں پر پہلے سے رجس وکثافت موجود ہو اور انھیں پاک کیا جائے۔ اسی صورت میں ''اذھاب کا اطلاق، رجس کو دور کرنا اور تطھیر'' کا اطلاق ''پاک کرنا''، حقیقت میں صادق آسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت پہلے گناہوں سے آلودہ تھے لہذا اس آلودگی کو ان سے دور کیا گیا ہے اور انھیں اس آلودگی سے پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔

جواب

جملہء (لیذھب عنکم الرجس) میں لفظ ''اذھاب''، لفظ ''عن'' سے متعدی ہوا ہے۔ اس کا معنی اہل بیت سے پلیدی اور رجس کو دور رکھنا ہے اور یہ ارادہ پہلے سے موجود تھا اور اسی طرح جاری ہے، نہ یہ کہ اس کے برعکس حال و کیفیت اہل بیت میں موجود تھی اور خداوند متعال نے ان سے اس حال و کیفیت (برائی) کو دور کیا ہے۔ اسی طرح اس سلسلہ میں تطہیر کا معنی کسی ناپاک چیز کو پاک

کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اہل بیت کے بارے میں اس کا مقصد ان کی خلقت ہی سے ہی انھیں پاک رکھنا ہے۔ اس آیہء کریمہ کے مانند (ولھم فیھاازواج مطھرۃ[1]) ''اور ان کے لئے وہاں(بہشت میں) ایسی بیویاں ہیں جو پاک کی ہوئی ہوں گی''''اذھاب''اور ''تطہیر''کے مذکورہ معنی کا یقینی ہونا اس طرح ہے کہ اہل بیت کی نسبت خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یقینی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء ہی سے معصوم تھے نہ یہ کہ آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد معصوم ہوئے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلب اس طرح ہے اور لفظ ''اذھاب'' و ''تطہیر''آپؐ میں سابقہ پلیدی اور نجاست کے موجود ہونے کا معنی نہیں ہے، اہل بیت کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی قطعی طور پر اسی طرح ہونا چاہئے۔ ورنہ ''اذھاب'' و ''تطہیر'' کے استعمال کا لازمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے بارے میں مختلف معنی میں ہوگا۔

تیسرا سوال

اس آیہء شریفہ میں کوئی ایسی دلالت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ طہارت، اہل بیتؑ میں(آیہء تطہیر کے نازل ہونے سے پہلے) موجود تھی بلکہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خدا وند متعال اس موضوع کا ارادہ کرے گا کیونکہ ''یرید'' فعل مضارع ہے اور مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جواب

اول یہ کہ: کلمہ ''یرید'' جو خداوند متعال کا فعل ہے، وہ مستقبل پر دلالت نہیں کرتا ہے اور دوسری آیات میں اس طرح کے کا استعمالات اس مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ جیسے کہ یہ آیات: (یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم[2]) اور (واللہ یرید أن

[1] بقرہ،۲۵
[2] سورہ نساء،۲۶

یتوب علیکم[1]) اس وصف کے پیش نظر آیت کے معنی یہ نہیں ہے کہ خداوند متعال ارادہ کرے گا،بلکہ یہ معنی ہے کہ خداوند متعال بد ستور ارادہ رکھتا ہے اور ارادہ الہیٰ مسلسل جاری ہے۔ دوسرے یہ کہ اس ارادہ کا پیغمبر اکرم ﷺ سے مربوط ہونا اس معنیٰ کی تاکید ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا نہیں تھا کہ پہلے تطہیر کا ارادہ نہیں تھا اور بعد میں حاصل ہوا ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ پہلے سے اس خصوصی طہارت کے حامل تھے اور معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں ''یرید'' کا استعمال ایک طرح اور آپؐ کے اہل بیت کے لئے دوسری طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

چوتھا سوال

احتمال ہے کہ ''لیذھب'' میں ''لام'' لام علت ہو اور ''یرید'' کے مفعول سے مراد کچھ فرائض ہوں جو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط ہوں۔ اس حالت میں ارادہ تشریعی اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند متعال نے آپ اہل بیت سے مربوط خصوصی تکالیف اور فرائض کے پیش نظر یہ ارادہ کیا ہے تاکہ برائی اور آلودگی کو آپ سے دور کرے اور آپ کو پاک و پاکیزہ قرار دے،اس صورت میں آیت اہل بیت کی عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔

جواب

پہلے یہ کہ: ''یرید'' کے مفعول کا محذوف اور پوشدہ ہونا خلاف اصل ہے اور اصل عدم پوشیدہ ہونا ہے۔ صرف دلیل اور قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس اصل کے خلاف ہونا ممکن ہے اور اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ : ''لیذھب'' کے لام کے بارے میں چند احتمالات ہیں ان میں سے بعض کی بنا پر ارادہ کا تکوینیہ ہونا اور بعض کی بنا پر ارادہ کا تشریعی ہونا ممکن ہے لیکن وہ احتمال کہ جو آیت میں متعین ہے وہ ارادہ تکوینی سے ساز گار ہے۔ اس کی دلیل وہ اسباب ہیں جو ارادہ تکوینی کے اثبات کے سلسلہ میں پیش کئے گئے ہیں من جملہ یہ کہ ارادہ تشریعی کا لازمہ یہ ہے اس سے اہل بیت کی کوئی

---

[1] سورہ نساء ۲۷

فضیلت ثابت نہیں ہوتی، جبکہ آیہ ٔ کریمہ نے اہل بیت کی عظیم اور گراں بہا فضیلت بیان کی ہے جیسا مذکورہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔اس بنا پر آیہ شریفہ میں لام سے مراد ''لام تعدیہ'' اور مابعدلام ''یرید'' کا مفعول ہے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید کی دوسری آیات یں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ''یرید'' کبھی لام کے ذریعہ اور کبھی لام کے بغیر مفعول کے لئے متعدی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں پر ان میں سے دو آیتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ (فلا تعجبک أموالھم ولااولادھم إنّمایریداللّٰہ لیعذبھم بھافی الحیوٰۃالدنیا[1]۔) اور آیہ (ولا تعجبک اموالھم إنمایریداللّٰہ أن یعذبھم بھا فی الدنیا[2]) ۔ اس سورہ مبارکہ میں ایک مضمون کے باوجود ''یرید'' ایک آیت میں ''أن یعذبھم'' سے بلا واسطہ اور دوسری آیت میں لام کے ذریعہ متعدی ہوا ہے۔

۲۔ (یرید ون أن یطفؤانوراللّٰہ بأفواھھم ویأبی اللّٰہ إلاّ أن یتم نورہ ولوکرہ الکافرون[3])۔اور آیہ ٔ (یرید ون لیطفؤانوراللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولوکرہ الکافرون[4])۔ایک آیت میں ''یریدون''، ''أن یطفؤ'' پربلا واسطہ اور دوسری آیت میں لام کے واسطہ سے متعدی ہوا ہے۔

پانچواں سوال

آیہ شریفہ میں ''اھل البیت'' سے مراد فقط پنجتن نہیں ہیں،بلکہ اس میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوسرے رشتہ دار بھی شامل ہیں ۔ کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس اور ان کے فرزند وں کو بھی ایک کپڑے کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: ''ھولاءاھل بیتی'' اور ان کے بارے میں دعا کی۔

[1] سورہ توبہ،۵۵
[2] سورہ توبہ،۸۵
[3] سورہ توبہ،۳۲
[4] سورہ صف،۸

جواب

اہل بیت کی تعداد کو پنجتن پاک یا چودہ معصومین علیہم السلام میں منحصر کرنے کے حوالے سے اس قدر احادیث وروایات موجود ہیں کہ اس کے سامنے مذکورہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتاہے۔اس کے علاوہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ''محمد بن یونسی'' ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث جعل کرتا تھا۔ شائد اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں جعل کی ہیں۔ ابن عدی نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگا یا ہے[1]۔ اس کے علاوہ حدیث کی سند میں ''مالک بن حمزہ'' ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب ''ضعفا'' میں اسے ضعیف راویوں کے زمرہ میں درج کیا ہے[2]۔ اس کے علاوہ اس کی سند میں ''عبداللہ بن عثمان بن اسحاق'' ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے عثمان کا قول نقل کیا ہے اور کہا ہے: میں نے ابن معین سے کہا: یہ راوی کیسا ہے؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا ہوں اور ابن عدی نے کہا: وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہ حدیث کسی صورت میں مذکورہ احادیث کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

چھٹا سوال

ام سلمہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتی ہیں کہ: کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''أنت الیٰ خیر'' یا ''أنت علیٰ خیر''۔اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھارے لئے دعا کروں، کیونکہ تمھارے لئے پہلے ہی سے قرآن مجید میںآیت نازل ہوچکی ہیں اور جملہ ''انت علی خیر'' کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری حالت بہتر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ام سلمہ اہلبیت میں داخل نہیں ہیں۔

[1] تہذیب،ج،ص۵۴۲،طبع ہندوستان
[2] میزان الاعتدال،ج۲،ص۳۲۵، دارالمعرفہ،بیروت

جواب

سیاق آیت کے بارے میں کی گئی بحث سے نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ آیہء تطہیر کا سیاق اس سے پہلی والی آیتوں کے ساتھ یکسان نہیں ہے اور پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔ جملہء ''علی خیر'' یا ''الیٰ خیر'' اس قسم کے موارد میں افضل تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اور اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیویاں پنجتن پاک (علیہم السلام) سے افضل وبہتر ہوں۔ اس کے علاوہ خود ان احادیث میں اس مطلب کے بارے میں بہت سے قرآئن موجود ہیں، من جملہ ام سلمہ آرزو کرتی ہیں کہ کاش انھیں بھی اجازت ملتی تاکہ اہل بیت کے زمرہ میں داخل ہوجاتیں اور یہ اس کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر تھا جن پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیویوں سے مربوط قرآن مجید کی آیتوں، من جملہ آیہء تطہیر سے پہلی والی آیتوں اور سورۂ تحریم کی آیتوں کی شان نزول پر غور کرنے سے مذکورہ مطلب کی مکمل طور پر وضاحت ہوجاتی ہے۔ نمونہ کے طور پر سورہ تحریم کی درج ذیل آیتیں بیشتر تامل کی سزاوار ہیں۔)إن تتوبا إلی اللہ فقد صغت قلوبکما[1]) (عسی ربہ إن طلقکن أن یبدلہ أزواجاً خیراً منکن مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وأبکاراً[2])(ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح و امرأۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا ھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً و قیل ادخلا النار مع الداخلین[3])

ساتواں سوال

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد اپنے خاندان کے حق میں یہ دعا کی: ''اللّھم أذھب عنھم الرّجس و طھّرھم تطھّیرا'' ''خداوندا: ان سے رجس وپلیدی کو دور کر اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ

---

[1] سورہ تحرم،۴
[2] سورہ تحریم،۵
[3] سورہ تحریم ،۱۰

قرار دے" آیہ کریمہ سے عصمت کا استفادہ کرنے کی صورت میں اس طرح کی دعا منا فات رکھتی ہے، کیونکہ آیہ کریمہ عصمت پر دلالت کرتی ہے اور عصمت کے حاصل ہونے کے بعد ان کے لئے اس طرح دعا کرنا تحصیل حاصل اور بے معنی ہے۔

جواب

اول یہ کہ: یہ دعا بذات خود اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کے لئے اس طہارت کے بارے میں خداوند متعال کا ارادہ ارادہ تکوینی تھا نہ تشریعی ۔ کیونکہ " اذھاب رجس" اور "تطہیر "کا خدا سے جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ قطعاً ایک تشریعی امر نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یقیناً مستجاب ہے۔ اس لئے مذکورہ دعا آیہء تطہیر کے مضمون پر تاکید ہے۔ دوسرے یہ کہ عصمت ایک فیض اور لطف الہیٰ ہے جو خدا وند متعال کی طرف سے ان مقدس شخصیات کو ان کی زندگی کے ہر ہر لمحہ عطا ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ بھی دوسری مخلوقات کے مانند ہر لمحہ خدا کے محتاج ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ایک لمحہ کی نعمت اور فیض الہیٰ انھیں دوسرے لمحہ کے فیض و عطیہ الہیٰ سے بے نیاز کردے۔ یہ اس کے مانند ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ " إهدنا الصراط المستقیم "کو ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور اس ہدایت کو خدا وند متعال سے طلب کرتے رہتے تھے ،باوجود اس کے کہ وہ اس ہدایت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے اور یہ تحصیل حاصل نہیں ہے،بلکہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بندہ چاہے جس مقام پر بھی فائز ہو وہ ذاتی طور پر خدا کا محتاج ہوتا ہے اور اس احتیاج کا اظہار کرنا اور خدا وند متعال سے دوسرے لمحات میں نعمت و الطاف الہیٰ کی درخواست کرنا بندہ کے لئے بذات خود ایک کمال ہے۔

اس بات کا علم کہ خدا وند متعال مستقبل میں اس نعمت کو عطا کرے گا ، دعا کے لئے مانع نہیں بن سکتا ہے،کیونکہ خدا وند متعال "اولواالباب"کی دعا کو بیان کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں : (ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ إنک ولا تخلف المیعاد[1]) ۔ "پروردگار جو تونے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کیا ہے اسے ہمیں عطا کر اور روز یامت ہمیں رسوانہ کر کیونکہ تو وعدہ کے

[1] ۷۱ سورہ آل عمران،۱۹۴

خلاف نہیں کرتا ''، ہم دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ خدا وند متعال وعدہ خلافی نہیں کرتا اور مومنین کو دیا گیا وعدہ حتماً پور کرے گا، پھر بھی اس سے اس طرح دعا کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی اھل بیت کے حق میں دعا بھی اسی طرح ہے کہ طہارت اور عصمت الہیٰ اگر چہ انھیں حاصل تھی اور آئندہ بھی یہ نعمت ان کے شامل حال رہتی، لیکن یہ دعا اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ اھل بیت (ع) اس عظمت و منزلت پر فائز ہیں لیکن ہمیشہ اپنے کو خدا کا محتاج تصور کرتے ہیں اور یہ خدا وندمتعال ہے کہ جو ہر لمحہ عظیم اور گرانقدر نعمت انھیں عطا کرتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم کی دعا خواہ آیہء تطہیر نازل ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد، ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

آٹھواں سوال

انبیاء علیہم السلام کی عصمت وحی کے تحفظ کے لئے ہے،انبیاء کے علاوہ کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی کی عصمت کے قائل ہوں؟

جواب

اول یہ کہ: شیعہ عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت، نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور یہ عہدہ نبوت کے ہم پلہ بلکہ اس سے بالاتر ہے[1]۔ امام، مسئلہ وحی کے علاوہ بالکل وہی کردار ادا کرتا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے شیعہ امامیہ کے نزدیک امام میں عصمت کا ہونا عقلی اور نقلی دلیلوں کی بنیاد پر شرط ہے۔ دوسرے یہ کہ: عصمت کے لئے ملزم عقلی کا نہ ہونا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی ہے ۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ: نبی اور امام کے لئے، عقل لزوم عصمت کا حکم کرتی ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ حکم ثابت نہیں ہے۔ عصمت خدا کی ایک خاص نعمت ہے،خدا وندمتعال جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔

[1] اس سلسلہ میں مصنف کی کتابچہ " امامت ، حدیث غدیر ، ثقلین اور منزلت کی روشنی ہیں" کی طرف رجوع کیا جائے

انبیاء اور ائمہ کی عصمت کے وجود پر برھان عقلی قائم ہے اور ان کے علاوہ اگر کسی کے لئے قرآن و سنت کی دلیل عصمت کو ثابت کرے تو اس پر یقین کرنا چاہئے اور آیہء تطہیر پیغمبر اسلام ﷺ،ائمہ علیہم السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت کی دلیل ہے۔

نواں سوال

حدیث ثقلین کے بارے میں صحیح[1] مسلم کی روایت کے مطابق پیغمبر ﷺ کے صحابی زید بن ارقم نے پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''أنا تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ ... و اھل بیتی'' زیدبن ارقم سے سوال ہوتا ہے: آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا عورتیں (ازواج پیغمبر) بھی آنحضرت ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں؟جواب دیتے ہیں کہ: نہیں، سوال کرتے ہیں :پس آنحضرتؐ کے اہل بیت کون ہیں؟جواب میں کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ علی،عباس،جعفر اور عقیل کی اولاد ہیں۔ اس بات کے پیش نظر اہل بیت کو کیسے پنجتن،یا چودہ معصومین (ع) میں محدود کیا جا سکتا ہے؟

جواب

اول یہ کہ: یہ حدیث پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو اہل بیت علیہم السلام کی فہرست سے خارج کرتی ہے۔دوسرے یہ کہ :یہ حدیث بہت سے طرق سے نقل ہونے کے باوجود یزید بن حیان پر اس حدیث کی سند کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے اور یہ حدیث آیہ شریفہ اور دوسری بہت سی آحادیث کی دلالت سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔تیسرے یہ کہ:بالفرض اگر اس کا صدور ثابت بھی ہو جائے تو بھی یہ ایک صحابی کا اجتہاد ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا۔چوتھے یہ کہ: حدیث ثقلین بہت طریقوں سے زید بن ارقم سے نقل ہوئی ہے اور اس میں جملہء: ''ماإن تمسکتم لن تضلّوا أبداً وإنّھما لن یفترقا حتّی یردا علیّ الحوض'' موجود ہے جو اہل بیت کی رہبری اور ان

---

[1] صیحع مسلم، کتاب فضائل،باب فضائل علی بن ابطالب.

کے قرآن مجید سے لازم و ملزوم ہونے کو بیان کرتا ہے جو زید بن ارقم کی مذکورہ تفسیر سے کسی بھی طرح سازگار نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ تفسیر کی بنا پر خلفائے بنی عباس بھی اپنے تمام تر ظلم و جرائم کے مرتکب ہونے کے باوجود اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوجائیں گے اور یہ حدیث ثقلین کے الفاظ کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

دسواں سوال

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب ام سلمہ نے سوال کیا کہ: ''کیا میں بھی اہل بیت میں داخل ہوں؟'' یا ''مجھے بھی ان کے زمرہ میں شامل کرلیجئے'' تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''ہاں انشاء اللہ'' یا یوں فرمایا: ''انت من اہلی'' اس لئے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ: اہل بیت پنجتن پاک میں منحصر ہیں؟

جواب

بیان کی گئی بہت سی حدیثوں سے کلمہ ''اہل بیت'' کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے مطابق صرف پنجتن پاک کا ان میں شامل ہونا اور دوسروں کی اس میں عدم شمولیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سوال میں اشارہ کی گئی احادیث میں ''اہل'' یا ''اہل بیت'' سے مراد اس کے لغوی معنی ہوں گے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بھی شامل ہیں۔ ہم سوال میں اشارہ کی گئی احادیث کے بارے میں اہل سنت کے فقہ و حدیث کے ایک امام، ابو جعفر طحاوی کے نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ طحاوی ان افراد میں سے ہیں جو آیہء شریفہ تطہیر میں ''اہل بیت'' کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مخصوص جانتے ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو اس آیہء شریفہ سے خارج جانتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ''مشکل آلاثار''[1] میں ایک ایسی حدیث نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ام سلمہ نے کہا: ''مجھے ان (اہل بیت) کے ساتھ شامل کرلیجئے تو''، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انت من أهلی'' ''تم میرے اہل میں سے ہو'' اس کے بعد طحاوی کہتے ہیں ''فکان ذالک مما قد یجوز أن یکون إرادة أ نّها

[1] مشکل الاثار، ج۱، ص۳۳۳۔۳۳۲

من أهله، لأنّها من أزواجه و ازواجه اهله''، ممکن ہے پیغمبر اکرم ﷺ کا مقصد یہ ہو کہ ام سلمہ آپؐ کی بیویوں میں سے ایک ہے اور آنحضرت ﷺ کی بیویاں آپؐ کے اہل ہیں۔ اس کے بعد طحاوی اس سلسلہ میں شاہد کے طور پر آٹھ حدیثیں نقل کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ آیہء تطہیر میں ''اہل بیت'' میں سے نہیں ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں '': فدلّ مارویناه فی هذه الآثار مما کان رسول الله ﷺ إلی اُمّ سلمة، مما ذکر نا فیها لم یردأنها کانت مما اُرید به مما فی الآیة المتلوة فی هذاالباب، وأن المراد بما فیها هم رسول الله۔ ﷺ و علیّ و فاطمة والحسن والحسین دون ماسواهم ''[1] یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں کہ جن کی طرف آیہء تطہیر اشارہ کرتی ہے۔ اورآیہء تطہیر میں موجود ''اہل بیت'' سے مراد صرف رسول خدا ﷺ، علی وفاطمہ، حسن و حسین (علیہم السلام) ہیں۔ طحاوی کی نظر میں ایک اوراحتمال یہ ہے کہ ''انت اهلی'' کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی وجہ سے میرے اہل میں شمار ہوتی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں ان کا بیٹا ان کی اہل سے خارج ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا : (إنہ لیس من أهلک إنہ عمل غیر صالح[2])۔ اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جو صاحب (ایمان اور) عمل صالح ہیں وہ ان کے اہل ہیں۔

طحاوی نے اس احتمال کو واثلہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد پیش کیا ہے۔ واثلہ بھی ان صحابیوں میں سے ایک ہے، جس نے حدیث کساء کی روایت کی ہے۔ وہ اپنی روایت میں پنجتن پاک کے کساء کے نیچے جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کے بیان کو نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''أللّهم هولاء اهل بیتی واهل بیتی احق'' اس کے بعد کہتا ہے: میں نے کہا : یا رسول اللہ کیا میں بھی آپؐ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ فرمایا: ''تم میرے اہل سے ہو''۔ طحاوی اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں '': واثلہ کا ربط، ام سلمہ کی بہ نسبت پیغمبر اکرم ﷺ سے بہت دور کا ہے۔ کیونکہ واثلہ (پیغمبر خدا ﷺ کے گھر کا ایک خادم ہے) بنی لیث کا ایک شخص ہے اور قریش میں شمار نہیں ہوتا ہے اور ام سلمہ (پیغمبر ﷺ کی بیوی) قریش سے

---

[1] مشکل الآثار، ج۱، ص۳۳۶

[2] سورۂ ہود، ۴۶

ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ واثلہ سے فرماتے ہیں : ''تم میرے اہل میں سے ہو'' لہذا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی خاطر اور مجھ سے ایمان رکھنے کے سبب ہم اہل بیت کے زمرہ میں داخل ہو۔ بیہقی نے بھی ''السنن الکبریٰ[1]''میں واثلہ کی حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے '':وکانہ جعل فی حکم الأھل، تشبیھا بمن یستحق ھذا الاسم لا تحقیقاً ''،گویا اس حدیث میں واثلہ کو تشبیہ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے اہل کے حکم میں قرار دیا گیا ہے نہ اس لئے کہ وہ حقیقی طور پر اہل بیت کا مصداق تھا۔ ''اس لئے بہت سی حدیثیں کہ جو اہل بیت کے دائرہ کو منحصر کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

گیارہواں سوال

آیہء (إنّما یرید اللہ۔) اس آیت کے مانند ہے: (مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھّرکم ولیتمّ نعمتہ علیکم[2]) یعنی: ''خدا تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ،بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک و پاکیزہ بنادے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردے اور اسی طرح آیہء (إنّما یرید اللہ۔)اس آیت کے مانند ہے: (لیطھّرکم ویذھب عنکم رجز الشیطان[3]) یعنی ''تاکہ تمھیں پاکیزہ بنادے اور تم سے شیطان کی کثافت کو دور کردے '' اگر آیہء تطہیر عصمت پر دلالت کرتی ہے تو مذکورہ دو آیتوں کی بناپر ہمیں بہت سارے اصحاب کی عصمت کے قائل ہونا چاہئیے۔

جواب

پہلافقرہ وہ ہے جو وضو کی آیت کے آخر میں آیا ہے۔ آیہ شریفہ یوں ہے:(یا إیّھاالذین آمنواإذا قمتم إلی الصلوٰة فاغسلوا وجوھکم و أیدیکم إلی المرافق و أمسحوا برء وسکم و أرجلکم إلی الکعبین وإن کنتم جنباً فاطّھروا... فتیمموا صعیداً طیباً فأمسحوا بو جوھکم وأیدیکم منہ مایرید اللہ لیجعل

---

[1] السنن الکبریٰ ، ج۲،ص۵۲،دارالمعرفۃ،بیروت
[2] سورہ مائدہ۶
[3] سورہ انفال۱۱

علیکم من حرج ولکن یرید لیطھّرکم و لیتم نعمتہ علیکم لو لعلکم تشکرون[1])۔ اس آیہء کریمہ میں خدا وند متعال وضو، غسل اور تیمم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرما تا ہے: ''خدا وندمتعال (ان احکام کی تشریع سے) تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ہے، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں (وضویا غسل یا تیمم سے) پاک و پاکیزہ بنادے''۔ یہ حدث پاک کرنا ہے جو وضویا غسل یا تیمم سے حاصل ہوتاہے اور اس کا آیہء تطہیر کی مطلق طہارت تکوینی سے کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسری آیت میں بھی ''رجز اللشیطان''یعنی شیطان کی نجاست سے مرا دوہ جنابت ہے جس سے جنگ بدر میں مسلمان دو چار ہوئے تھے اور خدا وندمتعال نے ان کے لئے بارش نازل کی اور انہوں نے بارش کے پانی سے غسل کیا اوراپنے جنابت کے حدث کو غسل سے برطرف کیا۔ اس آیت میں ایک خاص طہارت بیان کی گئی ہے اور اس طہارت کا تعلق ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں موجود تھے اور جنھوں نے بارش کے پانی سے غسل کرکے یہ طہارت حاصل کی تھی لہذا آیہ تطہیر سے استفادہ ہونے والی مطلق تکوینی طہارت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

[1] سورۂ مائدہ۶

ساتواں باب

امامت آیہ علم الکتاب کی روشنی میں:

امامت آیہ ''علم الکتاب'' کی روشنی میں (ویقول الذین کفروا لست مرسلاً قل کفی باللہ شھیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب[1]) '' اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں تو کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ ''یہ آیہ شریفہ ان آیتوں میں سے ہے جن میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی فضیلت بلکہ احتجاجا کی روایت کے مطابق سب سے بڑی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب ہے اس کے معنی میں مزید غور وخوض کیا جائے۔اس آیت میں پہلے کفار کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار بیان کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دو گواہ ذکر کئے گئے ہیں ایک خدا وند عالم کی ذات اور دوسرے وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔آیت کی دلالت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بحث کو درج ذیل دو محوروں پر جاری رکھا جائے

۱۔ خداوندمتعال کی گواہی کس طرح سے ہے؟

۲۔من عندہ علم الکتاب سے مراد کون ہے؟امصباح الھداےۃ،ص ۳۴۳خدا وند عالم کی گواھی:اس آیہء شریفہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے پہلے گواہ کے طور پر خدا وندمتعال کا ذکرہوا ہے۔ خدا وند متعال کی اس گواہی کے دوفرض ہیں:

۱۔ممکن ہے یہ گواہی قولی ہو اور گفتگو و کلام کے مقولہ سے ہو اس صورت میں وہی آیتیں جو آنحضرتؐ کی رسالت کو بیان کرتی ہیں

---

[1] سورہ رعد،۴۳

خداوند متعال کی اس گواہی کی مصداق ہوں گی، جیسے :(والقران الحکیم انک لمن المرسلین[1]) '' قرآن حکیم کی قسم آپ مرسلین میں سے ہیں ''

۲۔ ممکن ہے یہ گواہی فعلی ہو اور خدا وند متعال نے اسے معجزہ کی صورت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ظاہر کیا ہو، یہ معجزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے سلسلہ میں دعویٰ کے لئے ایک قوی سند ، واضح دلیل اور گو یا گواہ ہیں، خاص کر قرآن مجید ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لافانی معجزہ ہے اور ہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے اور ان معجزات کی حیثیت ایک طرح سے خداوند متعال کے فعل کی سی ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر گواہ ہیں۔ (من عندہ علم الکتاب) سے مراد کون ہے؟دوسرے محور میں بحث اس جہت سے ہوگی کہ ''کتاب'' سے مراد کیا ہے؟اور جس کے پاس ''کتاب کا علم'' ہے، وہ کون ہے؟اس سلسلہ میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں کہ ہم ان پر بحث کریں گے:پہلا احتمال : ''کتاب'' سے مراد قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور کتاب کے عالم سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں۔اس صورت میں اس آیہ شریفہ کے معنی یوں ہوں گے: ''کہہ دیجئے اے پیغمبر! ہمارے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے خدا وند متعال اور وہ لوگ جن کے پاس گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم ہے جیسے علمائے یہود و نصاری چونکہ ان کتابوں میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام آیا ہے اور آنحضرت کی رسالت بیان ہوئی ہے ۔

اسی لئے علمائے یہود و نصاری اس مطلب سے آگاہی رکھتے ہیں اور اس پر گواہ ہیں۔یہ احتمال صحیح نہیں ہے،کیونکہ اگر چہ علمائے یہود و نصاری اپنی آسمانی کتابوں کے عالم تھے، لیکن وہ کافر تھے اور ہرگز اپنے خلاف گواہی دینے کے لئے حاضر نہیں تھے۔دوسرا احتمال : ''کتاب ''سے مراد وہی قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور ان کے عالم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا شمار پہلے علمائے یہود و نصاری میں ہوا کرتا تھا لیکن بعد میں اسلام قبول کرکے وہ مسلمان ہوگئے تھے، جیسے : سلمان فارسی، عبداللہ

---

[1] سورہ لمین، ۱۔۲

بن سلام اور تمیم الداری۔ یہ لوگ ایک جہت سے توریت اور انجیل جیسی گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اور ایک جہت سے آمادہ تھے تاکہ اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کے بارے میں جو کچھ انہیں معلوم ہے اس کی گواہی دیں۔ یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ رعد اور من جملہ زیر بحث آیہء شریفہ جو اس سورہ کی آخری آیت ہے، مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مذکورہ افراد مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے جو ابھی کافر ہیں اور مسلمان نہیں ہوئے ہیں اپنے دین کے خلاف گواہی دینے کے لئے مدعو ہوجائیں۔

شعبی اور سعید بن جبیر سے نقل ہوئی روایت کے مطابق انہوں نے بھی مذکورہ احتمال یعنی ''من عندہ علم الکتاب'' سے عبداللہ بن سلام کو مراد لینا اس کو مسترد کر دیا ہے ۔ اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا ہے[1]۔

تیسرا احتمال: ''من عندہ علم الکتاب'' سے مقصود خداوند متعال اور ''کتاب'' سے مراد لوح محفوظ ہے اور ''من عند ہ علم الکتاب''کا ''اللہ'' پر عطف ہونا صفت کا اسم ذات پر عطف ہونے کے باب سے ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوتا ہے:

خداوندمتعال اور وہ شخص جو لوح محفوظ (جس میں تمام کائنات کے حقائق ثبت ہیں) کا علم رکھتا ہے، وہ تمہاری رسالت پر گواہ ہے۔اول یہ کہ : جملہء(قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب) میں بظاہر عطف یہ ہے کہ ''من عندہ علم الکتاب'' خدا وندمتعال کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر ابتداء میں پہلے گواہ کے طور پرآیا ہے۔دوسرے یہ کہ: عربی ادبیات میں صفت کا عطف، صفت پر موصوف کے سلسلہ میں مشہور اور رائج ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کا استعمال پایا جاتا ہے، جیسے :آیہء شریفہ : (تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب[2]۔) میں ''غافرالذنب''(گناہ کو بخشنے والا) اور ''قابل التوب'' (توبہ کو قبول کرنے والا) دو صفتیں ہیں جو حرف عطف کے فاصلہ سے ایک دوسرے کے بعد ہیں اور خدا وندمتعال کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن جن مواقع پر پہلے اسم ذات ذکر ہوا ہے، کبھی بھی مشہور اور رائج استعمالات میں صفت اس پر عطف نہیں ہوتی ہے۔

[1] معالم التنزیل ، ج ۳، ص ۴۶۴، ۴۶۵۔ الاتقان ، ج ۱، ص ۳۶، دار ابن کثیر بیروت
[2] سورہ غافر،۲

اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ: آیہ کریمہ میں ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد خدا وند متعال ہے۔چوتھا احتمال: کتاب سے مراد ''لوح محفوظ'' ہے اور ''جس کے پاس کتاب کا علم ہے اس سے مراد امیرلمومنین علی علیہ السلام ہیں۔ اب ہم اس احتمال پر بحث و تحقیق کرتے ہیں۔لوح محفوظ اور حقائق ھستی قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام حقائق ایک مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں کہ قرآن مجید نے اسے ''کتاب مبین[۱]'یا ''امام مبین[۲]''یا ''لوح محفوظ[۳]'' کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ من جملہ سورہ نمل میں فرماتا ہے: (وما من غائبۃ فی السّماء والارض إلاّ فی کتاب مبین[۴]) یعنی: اور آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیزایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین (لوح محفوظ) میں نہ ہو۔اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوح محفوظ میں درج شدہ حقائق سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے؟اور اگر یہ ممکن ہے تو کون لوگ ان حقائق سے باخبر اور آگاہ ہیں اور کس حد تک؟مطھّرون اور لوح محفوظ سے آگاہیاس سلسلہ میں ہم سورہ واقعہ کی چند آیتوں پر غوروخوض کرتے ہیں:(فلا أ قسم بمواقع النجوم*وإنّہ لقسم لوتعلمون عظیم* إنّہ لقرآن کریم *فی کتاب مکنون* لایمسّہ إلاّ المطھّرون[۵])ان آیات میں، پہلے ستاروں کے محل و مدارکی قسم کھائی گئی ہے۔ اس کے بعد اس قسم کی عظمت و اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی نشاندھی کی گئی ہے۔

اس نکتہ پرتوجہ کرنا ضروری ہے کہ قسم کا معیار اور اس کی حیثیت اس حقیقت کے مطابق ہونا چاہئیے کہ جس کے متعلق یا جس کے اثبات کے لئے قسم کھائی جارہی ہے ۔ اگر قسم با عظمت اور بااہمیت ہے تو یہ اس حقیقت کی اہمیت کی دلیل ہے کہ جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے۔جس حقیقت کے لئے یہ عظیم قسم کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے: (إنّہ لقرآن کریم * فی کتاب مکنون* لایمسّہ الاّ المطھرون) یعنی بیشک یہ بہت ہی با عظمت قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ (اس کے ساتھ ابطہ نہیں کرسکتا ہے۔)آیہ شریفہ کا یہ جملہ (لا یمسّہ الاّالمطھرون) بہت زیادہ قابل غور

---

[۱] سورہ یونس،۶۱، سورہ سبا،۱۳، سورہ نمل،۷۵

[۲] سورہ ےٰسین،۱۲

[۳] سورہ بروج، ۲۲

[۴] سورہ نمل،۷۵

[۵] سورہ واقعہ، ۷۵۔۷۹

ہے۔ابتدائی نظر میں کہا جاتا ہے کہ بے طہارت لوگوں کا قرآن مجید سے مس کرنا اور اس کے خط پر ہاتھ لگانا حرام ہے، لیکن اس آیہ شریفہ پر عمیق غور وفکر کرنے سے یہ اہم نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ مس سے مراد مس ظاہری نہیں ہے اور ''مطھرون'' سے مراد باطہارت (مثلاً باوضو) افراد نہیں ہیں ۔بلکہ مس سے مراد مس معنوی (رابطہ) اور ''مطھرون'' سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں خداوند متعال نے خاص پاکیزہ گی عنایت کی ہے، اور ''لایمسہ'' کی ضمیر کتاب مکنون (لوح محفوظ) کی طرف پلٹتی ہے ۔

آیہ کریمہ سے یہ معنی (مس معنوی) استفادہ کرنے کے لئے چند نکات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ جملۂ ''لا یمسہ'' کا ظہور اخبار ہے نہ انشاء، کیونکہ بظاہر یہ جملہ دوسرے اوصاف کے مانند کہ جو اس سے قبل ذکر ہوئے ہیں، صفت ہے اور انشاء صفت نہیں بن سکتا ہے، جبکہ آیت میں غیر مطھرون کے مس سے حکم تحریم (حرمت) کا استفادہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ جملہ ''لا یمسہ'' انشاء ہو، نہ اخبار ۔

۲۔ ''لایمسہ'' کی ضمیر بلا فاصلہ ''کتاب مکنوں'' کی طرف پلٹتی ہے، کہ جو اس جملہ سے پہلے واقع ہے نہ قرآن کی طرف کہ جو اس سے پہلے مذکور ہے اور چند کلمات نے ان کے درمیان فاصلہ ڈال دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک پوشیدہ اور محفوظ کتاب میں واقع ہے کہ جس تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہے اور یہ مطلب اس کے ساتھ مس کرنے سے کوئی تناسب نہیں رکھتا ہے ۔

۴۔ طہارت شرعی، یعنی وضو (جہاں پر وضو واجب ہو) یا غسل یا تیمم (جہاں پر ان کا انجام دینا ضروری وفرض) رکھنے والے کو ''متطھر'' کہتے ہیں نہ ''مطھّر''۔اس تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو کچھ جملہ ء ''لا یمسہ الآ المطھرون'' سے استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ''مطھر'' (پاک قرار دئے گئے) افراد کے علاوہ کوئی بھی ''کتاب مکنون'' (لوح محفوظ) کو مس نہیں کر سکتا ہے، یعنی اس کے حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس خصوصی طہارت کے حامل افراد کون لوگ ہیں اور ''مطھرون'' سے

مرادکون لوگ ہیں کہ جو ''لوح محفوظ'' سے اطلاع حاصل کرتے ہیں؟ ''مطھرون'' سے مرادکون ہیں؟کیا ''مطھرون'' کی اصطلاح فرشتوں سے مخصوص ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے[1]۔ یایہ کہ اس میں عمومیت ہے یعنی وہ افراد جو خدا کی جانب سے خصوصی طہارت کے حامل ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے: حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت، اور خدا کی جانب سے انھیں جانشین مقرر کیا جانا نیز'' اسماء'' الٰہی کا علم رکھنا یعنی ایک ایسی حقیقت سے آگاہی کہ جس کے بارے میں ملائکہ نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ملائکہ کو سجدے کا حکم دیناو غیرہ ان واقعات اور قرآنی آیات[2] کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ خاص علوم سے آگاہی اور تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کامل میں ملائکہ سے کہیں زیادہ ہے۔

مذکورہ ان صفات کے پیش نظر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جملہ (لا یمسہ الاّ المطھرون) کو فرشتوں سے مخصوص کیا جائے جبکہ قرآن مجید کے مطابق خدا کے ایسے منتخب بندے موجود ہیں جو خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں۔آیہ تطہیر اور پیغمبرؐ کا محترم خاندان (إنّمایرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت و یطھرکم تطھیرا[3]) ''بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت: کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ''یہ آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان خدا وندمتعال کی طرف سے ایک خاص اور اعلی قسم کی پاکیزگی کا مالک ہے۔ آیہ کریمہ میں ''تطھیرا'' کا لفظ مفعول مطلق نوعی ہے جو ایک خاص قسم کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرتا ہے۔ ہم یہاں پر اس آیہ شریفہ سے متعلق مفصل بحث کرنا نہیں چاہتے، اس لئے کہ آیت تطہیر سے مربوط باب میں اس پر مکمل بحث گزر چکی ہے،اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کہ جن میں سب سے نمایاں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں، اس آیہ شریفہ کے مطابق خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں اور '' مطھرون'' میں شمار ہوتے ہیں ۔

---

[1] جیسے " روح المعانی'' ج ۲۷،۱۵۴،دار احیاء التراث العربی، بیروت
[2] سورہ بقرہ۳۴۔۳۰
[3] سورہ احزاب۳۳

وہ لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہی رکھ سکتے ہیں۔ ''آصف بر خیا'' اور کتاب کے کچھ حصہ کا علم ہم جانتے ہیں کہ خدا وند متعال نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک ایسی وسیع سلطنت عطا کی تھی کہ انسانوں کے علاوہ جنّات اور پرندے بھی ان کے تابع تھے ۔ ایک دن جب جن وانس ان کے گرد جمع تھے حضرت سلیمان نے ان سے کہا: تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے تخت کو میرے پاس حاضر کردے؟جنّات میں سے ایک عفریت نے سلیمان نبی سے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں تخت کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا ۔ قرآن مجید فرماتا ہے[1] ''کتاب کے کچھ حصہ کا علم رکھنے والے ایک شخص نے کہا: میں اتنی جلدی تخت بلقیس کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا کہ آپ کی پلک بھی جھپکنے نہیں پائے گی اور اسی طرح اس نے حاضر کیا ۔جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب ''لوح محفوظ ''ہے اور شیعہ و سنی احادیث کے مطابق مذکورہ شخص حضرت سلیمان کا وزیر ''آصف بر خیا'' تھا ۔ قرآن مجید سے استفادہ ہوتا ہے آصف کی یہ غیر معمولی اور حیرت انگیز طاقت وصلاحیت کتاب (لوح محفوظ) کے کچھ حصہ کا علم جاننے کے سبب تھی۔واضح رہے کہ طہارت و پاکیزگی کے چند مراحل ہیں۔ جس قدر طہارت کامل تر ہوگی اسی اعتبار سے علم وقدرت میں بھی اضافہ ہوگا ۔جب ہمیں آیہ کریمہ (لا یمسّہ إلا المطہرون) سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوح محفوظ کے حقایق کا علم خدا کی خاص طہارت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اور آیہ تطہیر نے اس خاص طہارت اور پاکیزگی کو اہل بیت علیہم السلام کے لئے ثابت کیا ہے، وہ بھی ایک ایسی تطہیر جو کچھ اردو قوال بھی ہیں کہ تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے پیغمبر اکرم ﷺ کی تطہیر کے ہم پلہ ہے۔لہذا ان صفات کے پیش نظر بعید نہیں ہے کہ امیرالمؤمنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین (علیہم السلام) لوح محفوظ کے تمام حقائق کا علم رکھتے ہوں اس لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ثعلبی کہ جو اھل سنت[2] کے نزدیک تفسیر کے استاد نیز حافظ اور امام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور اہل سنت کے ائمہ رجال[3]۔ کے مطابق جن کی

---

[1] سورہ نمل، ۴۰

[2] اہل سنت کے علم رجال کے جلیل القدر امام ذہبی نے " سیر اعلام النبلاء'' ج۱۷، ص۴۳۵ میں ثعلبی کے بارے میں کہا ہے :

[3] عبدالغافر نیشابوری کتاب'' تاریخ نیشاپوری'' ص۱۰۹ میں اس کے بارے میں کہتا ہے:

روایتیں صحیح اورقابل اعتماد جانی جاتیں ہیں ، تفسیر ''الکشف و البیان[1]'' میں اور حاکم حسکانی[2] تفسیر شواہد التنزیل[3] میں، ابوسعید خدری، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس جیسے چند اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد امیر المومنین علی، علیہ السلام ہیں۔ بلکہ ابو سعید خدریاور عبداللہ بن سلام سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد کون ہے؟ جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو ''من عندہ الکتاب'' کے مصداق کے طور پر پیش کیا ۔ اسی مطلب کو (من عندہ علم الکتاب سے مراد علی علیہ السلام ہیں) سعید بن جبیر ،ابی صالح نیز محمد بن حنفیہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح کئی طریقوں سے نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عطاء کہ جو امام باقر علیہ السلام کے ہمراہ تھے، جب انھوں نے عبداللہ بن سلام کے بیٹے کو دیکھا تو امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا: کیا یہ (عبداللہ بن سلام کا بیٹا) اس شخص کا بیٹا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا؟ حضرت نے فرمایا : نہیں، ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد (عبداللہ بن سلام نہیں ہے، بلکہ) امیر ''الامام الحافظ العلامۃ شیخ التفسیر''، الثقۃ الحافظ... و ہو صحیح النقل موثوق بہ، ملاحظہ ہو المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ اس کے علاوہ ابن شہر آشوب[4] نے اپنی ''کتاب مناقب[5]'' میں کہا ہے '': محمد بن مسلم، ابوحمزہ ثمالی اور جابر بن یزید نے امام باقر (علیہ السلام) سے اسی طرح علی بن فضل، فضیل بن یسار اور ابو بصیر نے امام صادق (علیہ السلام) سے نیز احمد بن محمد حلبی اور محمد بن فضیل نے امام رضا (علیہ السلام) سے روایت نقل کی ہے اور اس کے علاوہ موسی بن جعفر (علیہ السلام)، زید بن علی، محمد بن حنفیہ، سلمان فارسی، ابوسعید خدری اور اسماعیل سدی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں خداوند متعال کے قول: (کل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب) کے بارے میں کہا ہے کہ: ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں۔ ''

---

[1] الکشف وا لبیان، ج۵، ص ۳۰۳۔۳۰۲، داراحیا التراث العربی، بیروت

[2] ذہبی کی عبادت کو ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس کے متقن، محکم اسناد کے عالی ہونے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

[3] شواہد التنزیل'' با تحقیق شیخ محمد باقر محمود، ج۱، ص۴۰۰

[4] ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس (شہر آشوب) کی صداقت کے بارے میں ابن ابی طما کی زبانی زہبی کی ستائش بیان کی ہے۔

[5] مناقب، ابن شہر آشوب، ج۲، ص۲۹، موسسہ انتشارات علامہ قم،

شیعہ احادیث میں مختلف طریقوں سے آیا ہے کہ ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد امیرالمومنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمائیے: ثقۃ الاسلام کلینی نے اصول کافی[1] میں معتبر سند سے برید بن معاویہ سے کہ جو امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے روایت کی ہے انھوں نے حضرتؑ سے عرض کی: ''آیہ کریمہ (قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب) میں ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد کون ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: اس سے صرف ہم اہل بیت معصومین (ع) کا قصد کیا گیا ہے اور علی (علیہ السلام) پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد سب سے مقدم اور ہم میں افضل ترین فرد ہیں۔

احادیث میں جس کے پاس کتاب کا علم ہے (علی بن ابیطالب علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین) اور جس کے پاس کتاب کا کچھ علم موجود ہے (آصف برخیا) کے در میان دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے: عن أبی عبد اللہ قال: '' الذي عندہ علم الکتاب'' ہو امیرالمؤمنین علیہ السلام و سئل عن الذي عندہ علم من الکتاب أعلم أم الذي عندہ علم الکتاب؟ فقال: ما کان علم الذي عندہ علم من الکتاب عند الذي عندہ علم الکتاب إلاّ بقدر ما تأخذ البعوضۃ بجناحہا من ماء البحر[2] یعنی: امام صادق (علیہ السلام) نے فرمایا: ''جس کے پاس کتاب کا علم تھا علی بن ابیطالب (علیہ السلام) تھے۔ سوال کیا گیا: کیا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا یعنی آصف برخیا زیادہ عالم تھا یا وہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا (یعنی حضرت علی علیہ السلام) امام نے فرمایا: جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا، اس کا موازنہ اس شخص سے کہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا ایسا ہے جیسے مچھر کے بھیگے ہوئے پر کا موازنہ سمندر سے کیا جائے۔'' یہ بحث و گفتگو اس بنا پر تھی کہ جب ''من عندہ علم الکتاب'' میں ''کتاب'' سے مراد لوح محفوظ ہو۔ لیکن اگر ''الکتاب'' سے مراد جنس کتاب ہو، اس بنا پر کہ '' الف و لام'' جنس کے لئے ہے اور کوئی خاص چیز مد نظر نہ ہو تو ہر کتاب اس میں شامل ہو سکتی ہے حتی لوح محفوظ بھی اس کے مصادیق میں سے ایک ہوگا، اس میں گزشتہ آسمانی کتابیں اور قرآن مجید سبھی شامل

[1] اصول کافی، ج۱، ص۱۷۹
[2] نور الثقلین، ج۴، ص۸۸-۸۷

ہیں۔اس صورت میں بھی ''من عندہ علم الکتاب'' سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہی ہوں گے کیونکہ حضرتؑ کا لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہ ہونا آیہ کریمہ ''لایمسہ الآ المطہرون'' کو آیہ تطہیر کے ساتھ ضمیمہ کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے،اور حضرتؑ کا قرآن مجید کے تمام ابعاد سے واقف ہونا بہت سی دلیلوں من جملہ حدیث ثقلین[1] کے ذریعہ ثابت ہے۔ اس لئے اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبراکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت (علیہم السلام) ہرگز قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور یہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن مجید کے تمام علوم سے آگاہی رکھنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر حضرتؑ قرآن مجید کے کسی پہلو کو نہیں جانتے ہیں تو گویا وہ اس اعتبار سے قرآن مجید سے اتنا دور ہوگئے ہیں اور یہ حدیث میں بیان کئے گئے مطلب کے خلاف ہے۔

آسمانی کتابوں کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں آیا ہے، من جملہ مندرجہ ذیل حدیث سے جو خود حضرتؑ سے نقل کی گئی ہے ''لو ثنّیت لي الوسادۃ لحکمت بین أہل التوراۃ بتوراتھم، و بین أہل الإنجیل بإنجیلھم، و بین أہل الزبور بزبورہم''[2] ''اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے تو میں اہل توریت کے لئے توریت سے، اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل زبور کے لئے زبور سے فیصلہ کروں گا۔''

[1] سنن الترمذی،ج۵ص۶۲۲ مسنداحمد،ج۳،ص۹۵،۲۶،۱۷،۱۴وج۵،ص۱۸۹۔۱۸۸خصائص امیرالمؤمنین علی نسائی ص ۸۵۔۸۴

[2] فرائد السمطن،ج۱،ص۳۴۱۔۹۳۳شواہد التنزیل ج۱،ص۳۶۶،ح۳۸۴

منابع کی فہرست

(الف)

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ الاتقان، سیوطی، ۹۱۱ھ، دار ابن کثیر، بیروت، لبنان.

۳۔ احقاق الحق، قاضی سید نور اللہ تستری، شہادت ۱۰۱۹ھ

۴۔ احکام القرآن، جصاص، ت ۳۷۰ھ، دار الکتاب العربی، بیروت.

۵۔ احکام القرآن، ابوبکر ابن العربی المعافری، ت ۵۴۶ھ

۶۔ اربعین، محمد بن ابی الفوارس، مخطوط کتابخانہ آستان قدس، رقم ۸۴۴۳

۷۔ ارجح المطالب، عبداللہ الحنفي، ت ۱۳۸۱ھ، طبع لاہور (بہ نقل احقاق الحق

۸۔ ارشاد العقل السلیم، ابو السعود، ت ۹۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

۹۔ اسباب النزول، واحدی النیسابوری، ت ۴۶۸ھ، دار الکتاب العلمیة، بیروت، لبنان.

۱۰۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ابن اثیر، ت ۶۳۰ھ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۱۱۔ الإصابة فی تمییز الصحابة، احمد بن علی، ابن حجر عسقلانی، ت ۸۵۲ھ، دار الفکر.

۱۲۔ اضواء البیان، شنقیطی، ت ۱۳۹۳ھ، عالم الکتب، بیروت.

۱۳۔ اعیان الشیعۃ، سید محسن الامین، ت حدود ۱۳۷۲ھ، دار التعارف للمطبوعات، بیروت.

۱۴۔ الامامۃ و السیاسۃ، ابن قتیبۃ دینوری، ت ۲۷۶ھ، منشورات الشریف الرضی، قم.

۱۵۔ انساب الاشراف، احمد بن یحیی بلاذری، ت ۲۷۹ھ، دار الفکر.

۱۶۔ ایضاح المکنون، اسماعیل باشا، ت ۱۳۳۹ھ، دار الفکر.

(ب)

۱۷۔ بحار الانوار، محمد باقر مجلسی، ت ۱۱۱۱ھ مؤسسۃ الوفاء، بیروت.

۱۸۔ بحر العلوم، نصر بن محمد سمرقندی، ت ۳۷۵ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

۱۹۔ البحر المحیط، ابوحیان اندلسی، ت ۷۴۵ھ، المکتبۃ التجاریۃ
احمد الباز، مکۃ المکرمۃ.

۲۰۔ البدایۃ و النهایۃ، ابن کثیر الدمشقی، ت ۷۷۴ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

۲۱۔ البرہان، سید ہاشم بحرانی، ت ۱۱۰۷ھ، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان.

۲۲۔ البهجۃ المرضیۃ، سیوطی، ت ۹۱۱ھ، مکتب المفید

(ت)

۲۳۔ التاج الجامع للاصول، منصور علی ناصف، ت ۱۳۷۱ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

۲۴۔ تاج الفردوس، محمد مرتضی حسینی زبیدی، ت ۱۲۰۵ھ، دار الھدایۃ للطباعۃ والنشر و التوزیع، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت

۲۵۔ تاریخ الاسلام، شمس الدین ذہبی، ت ۷۴۸ھ، دار الکتاب العربی.

۲۶۔ تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، ت ۴۶۳ھ، دار الفکر.

۲۷۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ت ۳۱۰ھ، مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان.

۲۸۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ابن عساکر، ت ۵۷۱ھ، دار الفکر، بیروت.

۲۹۔ تاریخ نیسابور، عبد الغافر نیشابوری، ت ۵۲۹ھ.

۳۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ت ۷۴۸ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان.

۳۱۔ تذکرۃ الخواص، سبط بن جوزی ت ۶۵۴ھ، چاپ نجف.

۳۲۔ التسهیل لعلوم التنزیل، ابن جزی الکلبی، ت ۷۹۲ھ، دار الکتاب العربی، بیروت.

۳۳۔ تفسیر ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی، ت ۳۲۷ھ، المکتبۃ المصریۃ، بیروت.

۳۴۔ تفسیر البیضاوی، قاضی بیضاوی، ت ۷۹۱ھ.

۳۵۔ تفسیر الخازن (لباب التأویل)، علاء الدین بغدادی، ت ۷۲۵ھ، دار الفکر.

۳۶۔ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، متوفی اواخر قرن سوم ہ، مطبعہ نجف.

۳۷۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ت ۷۷۴ھ، دار المعرفۃ، بیروت.

۳۸۔ التفسیر الکبیر، فخر رازی، ت ۶۰۶ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان.

۳۹۔ تفسیر الماوردی، محمد بن حبیب ماوردی بصری، متوفی ۴۵۰ھ، دار المعرفۃ، بیروت۔

۴۰۔ تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التأویل) حاشیہ تفسیر خازن، عبداللہ النسفی، ت ۷۱۰ھ، دار الفکر.

۴۱۔ تفسیر المنار، رشید رضا، ت ۱۳۵۴ھ، دار المعرفۃ، بیروت.

۴۲۔ تلخیص المستدرک، ذہبی، ت ۷۴۸ھ، دار المعرفۃ، بیروت

۴۳۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ت ۸۵۲ھ، دار الفکر.

۴۴۔ تہذیب الکمال، مزی، ت ۷۴۲ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت.

(ج)

۴۵۔ جامع الاحادیث، سیوطی، ت ۹۱۱ھ، دار الفکر.

۴۶۔ جامع البیان، محمد بن جریر طبری، ت ۳۱۰ھ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان.

۴۷۔ جامع احکام القرآن، قرطبی، ت ۶۷۱ھ، دار الفکر.

۴۸۔ الجامع الصحیح الترمذی، محمد بن عیسی ت ۲۷۹ھ، دار الفکر.

۴۹۔ جمع الجوامع، سیوطی، ت ۹۱۱ھ.

۵۰۔ جمہرۃ اللغۃ، ابن درید، ت ۳۲۱ھ

٥١۔ الجواہر الحسان ابوزید الثعالبی ت۸۷۶ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت.

٥٢۔ جواہر العقدین، سمہودی، ت۹۱۱ھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

(ح)

٥٣۔ الحاوی للفتاوی سیوطی، ت۹۱۱ھ، مکتبۃ القدس قاہرۃ (بہ نقل احقاق الحق.)

٥٤۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی احمد خفاجی مصری حنفی، ت۱۰۶۹ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت.

٥٥۔ حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، شیخ احمد الصاوی المالکی، ت۱۲۴۱ھ، دارالفکر.

٥٦۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ت۴۳۰ھ، دارالفکر.

(خ)

٥٧۔ خصائص أمیر المؤمنین علیہ السلام، احمد بن شعیب نسائی ت۳۰۳ھ، دارالکتاب العربی.

٥٨۔ خصال، محمد بن علی بن بابویہ قمی (صدوق)، ت۳۸۱ھ، دفتر انتشارات اسلامی.

(س)

٥٩۔ سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی ت۱۳۵۹ھ، انتشارات کتابخانہ محمودی.

٦٠۔ السنن الکبری، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ت۴۵۸ھ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان.

٦١۔ السنن الکبری، نسائی، ت۳۰۳ھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت.

۶۲۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ت۷۴۸ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔

۶۳۔ السیرۃ النبویۃ و الآثار المحمدیۃ (حاشیۃ السیرۃ الحلویۃ)، سید زینی دحلان، ت۱۳۰۴ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

۶۴۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ت۲۱۸ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(ش)

۶۵۔ شرح التجرید، قوشجی، ت۸۷۹ھ۔

۶۶۔ شرح السنۃ، بغوی، ت۵۱۰ھ، المکتب الاسلامی، بیروت۔

۶۷۔ شرح المقاصد، تفتازانی، ت۷۹۳ھ، منشورات الشریت الرضی۔

۶۸۔ شرح المواقف، جرجانی، ت۸۱۲ھ، منشورات الشریف الرضی۔

۶۹۔ شرح التنزیل، حاکم حسکانی، ت اواخر القرن الخامس، مؤسسۃ الطبع و النشر۔

(ص)

۷۱۔ صحاح اللغۃ، جوہری، ت۳۹۳ھ۔

۷۲۔ صحیح ابن حبان، محمد بن حبان بستی، ت۳۵۴ھ، مؤسسۃ الرسالۃ

۷۳۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، ت۲۵۶ھ، دار القلم، بیروت، لبنان۔ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۷۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج نیشابوری، ت۲۶۱ھ، مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ و النشر، بیروت، لبنان۔

۷۵۔ الصلاۃ و البشر، فیروز آبادی، ت سنہ ۸۱۷ء ہجری دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

۷۶۔ الصواعق المحرقۃ، ابن حجر ہیتمی، ت سنہ ۹۵۴ء ہ، مکتبۃ القاہرۃ.

(ط)

۷۷۔ الطبقات الکبری، ابن سعد، ت سنہ ۲۳۰ء ہ، دار بیروت للطباعۃ والنشر.

۷۸۔ الطرائف، علی بن موسی بن طاووس، ت سنہ ۶۶۲ء ہ، مطبعۃ الخیام، قم.

(ع)

۷۹۔ العمدۃ، ابن بطریق، ت سنہ ۵۳۳ء ہ، مؤسسۃ النشر الاسلامی.

۸۰۔ عوالم العلوم، سید ہاشم بحرانی، ت سنہ ۱۱۰۷ء ہ، مؤسسۃ الامام المہدی علیہ السلام.

۸۱۔ عیون خبار الرضا، صدوق، ت سنہ ۳۸۱ء ہ.

(غ)

۸۲۔ غایۃ المرام، سید ہاشم بحرانی، ت سنہ ۱۱۰۷ء ہ.

۸۳۔ غرائب القرآن، نیشابوری ت سنہ ۸۵۰ء ہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

۸۴۔ فتح الباری، ابن حجر العقلانی، ت سنہ ۸۵۲ء ہ.

۸۵۔ فتح القدیر، شوکانی، ت سنہ ۱۲۵۰ء ہ، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت لبنان.

۸۶۔ فرائد السمطین، ابراہیم بن محمد بن جوینی، ت ۷۲۲ھ، مؤسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت.

۸۷۔ الفصول المہمۃ، ابن صباغ مالکی، ت ۸۵۵ھ.

۸۸۔ فضائل الصحابۃ، سمعانی، ت ۵۶۲ھ.

(ق)

۸۹۔ القاموس المحیط، فیروزآبادی، ت ۸۱۷ھ، دارالمعرفۃ، بیروت.

۹۰۔ قواعد فی علوم الحدیث، ظفر احمد تہانوی شافعی، تحقیق ابوالفتاح ابوغدۃ.

(ک)

۹۱۔ الکافی، کلینی، ت ۳۲۹ھ، دارالکتب الاسلامیۃ.

۹۲۔ کتاب الثقات، ابن حبان، ت ۳۵۴ھ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت.

۹۳۔ کتاب العین، خلیل بن احمد فراہیدی، ت ۱۷۵ھ، مؤسسۃ دارالہجرۃ.

۹۴۔ الکشاف، زمخشری، ت ۵۳۸ھ، دارالکتاب العربی، بیروت.

۹۵۔ الکشف والبیان، ثعلبی نیسابوری، ت ۴۲۷ یا ۴۳۷ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

۹۶۔ کفایۃ الطالب، محمد بن یوسف گنجی شافعی، ت ۶۵۸ھ، داراحیاء تراث أہل البیت.

۹۷۔ کمال الدین، محمد بن علی بن بابویہ، ت ۳۸۱ھ.

۹۸۔ کنز العمال، متقی ہندی، ت ۹۷۵ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

(ل)

۹۹۔ اللباب فی علوم الکتاب، عمر بن علی بن عادل الدمشقی الحنبلی، متوفی بعد ۸۸۰ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۰۰۔ لسان العرب، ابن منظور، ت ۷۱۱ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(م)

۱۰۱۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابوبکر الشیرازی، ت ۴۰۷ھ۔

۱۰۲۔ ما نزل من القرآن فی علی، ابو نعیم اصفہانی، ت ۴۳۰ھ (بہ نقل احقاق)

۱۰۳۔ المتفق و المتفرق خطیب بغدادی، ت ۴۶۳ھ (بہ واسطہ کنز العمال)

۱۰۴۔ مجمع البحرین، طریحی، ت ۱۰۸۵ھ، دفتر نشر فرہنگ اسلامی۔

۱۰۵۔ مجمع البیان، طبرسی، ت ۵۶۰ھ، دار المعرفۃ، بیروت۔

۱۰۶۔ مجمع الزوائد، ہیثمی، ت ۸۰۷ھ، دار الکتاب العربی۔ دار الفکر، بیروت۔

۱۰۷۔ المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشابوری، ت ۴۰۵ھ، دار المعرفۃ، بیروت۔

۱۰۸۔ مسند ابی داوود طیالسی، ت ۲۰۴ھ، دار الکتاب اللبنانی۔

۱۰۹۔ مسند ابی یعلی موصلی، ت ۳۰۷ھ۔

۱۱۰۔ مسند احمد، احمد بن حنبل، ت ۲۴۱ھ، دار صادر بیروت۔ دار الفکر.

۱۱۱۔ مسند اسحاق بن راہویہ، ت ۲۳۸ھ، مکتبۃ الایمان، مدینۃ المنورۃ.

۱۱۲۔ مسند عبد بن حمید، ت ۲۴۹ھ، عالم الکتب.

۱۱۳۔ مشکل الآثار، طحاوی، ت ۳۲۱ھ، ط مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ بالہند.

۱۱۴۔ المصباح المنیر احمد فیومی، ت ۷۷۰ھ طبع مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر.

۱۱۵۔ مصباح الہدایۃ، بہبہانی، ط سلمان فارسی، قم.

۱۱۶۔ المصنف، ابن ابی شیبۃ، ت ۲۳۵ھ.

۱۱۷۔ مطالب السؤول ابن طلحۃ نصیبی شافعی، ت ۶۵۲ھ.

۱۱۸۔ معالم التنزیل، بغوی، ت ۵۱۰ھ.

۱۱۹۔ المعجم الاوسط، طبرانی، ت ۳۶۰ھ، مکتبۃ المعارف الریاض.

۱۲۰۔ المعجم الصغیر، طبرنی، ت ۳۶۰ھ.

۱۲۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، ت ۳۶۰ھ.

۱۲۲۔ المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی، ت ۷۴۸ھ، مکتبۃ الصدیق سعودی.

۱۲۳۔ معجم مقاییس اللغۃ ابن فارسی بن زکریا القزوینی الرازی، ت ۳۹۰ھ.

۱۲۴۔ معرفة علوم الحدیث، حاکم نیشابوری، ت ۴۰۵ ه، دار الکتب العلمیة، بیروت.

۱۲۵۔ المعرفة والتاریخ، یعقوب بن سفیان بن بسوی، ت ۲۷۷ ه.

۱۲۶۔ مغنی اللبیب، ابن ہشام، ت ۷۶۱ ه، دار الکتب العلمیة، بیروت.

۱۲۷۔ المفردات، راغب اصفہانی، ت ۵۰۲ ه.

۱۲۸۔ مقتل الحسین، خوارزمی، ت ۵۶۸ ه، مکتبة المفید.

۱۲۹۔ المناقب، موفق بن احمد خوارزمی، ت ۵۶۸ ه.

۱۳۰۔ مناقب ابن مغازلی شافعی، ت ۴۸۳ ه، المکتبة الاسلمة.

۱۳۱۔ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ت ۵۸۸ ه، ذوالقربی.

۱۳۲۔ منتہی الارب عبد الرحیم بن عبد الکریم الہندی ت ۱۲۵۷ ه.

۱۳۳۔ المیزان، محمد حسین طباطبائی، ت ۱۴۰۲ ه، دار الکتب الاسلامیة.

۱۳۴۔ میزان الاعتدال، ذہبی، ت ۷۴۸ ه، دار الفکر.

(ن)

۱۳۵۔ نہج البلاغہ.

۱۳۶۔ نظم درر السمطین، محمد بن یوسف زرندی حنفی، ت ۷۵۰ ه، مطبعة القضاء (بہ نقل احقاق.(

۱۳۷۔ النہایۃ، ابن اثیر جزری، ت سنہ ۶۰۶ھ، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان.

۱۳۸۔ نور الابصار، شبلنجی، ت سنہ ۱۳۰۸ھ، دار الفکر.

۱۳۹۔ نور الثقلین، الحویزی، ت سنہ ۱۱۱۲ھ، المطبعۃ العلمیۃ، قم.

(ی)

۱۴۰۔ ینابیع المودۃ، شیخ سلیمان حنفی قندوزی.